ہندو فارسی شعراء
مغل عہد میں
مصنّفہ
ڈاکٹر عابدہ خاتون

ہندو فارسی شعرائ

مغل عہد میں

مصنفہ

ڈاکٹر عابدہ خاتون

نام کتاب : ہندو فارسی شعراء مغل عہد میں

مصنف/ناشر : ڈاکٹر عابدہ خاتون

سال اشاعت : ۲۰۱۴ء

تعداد اشاعت : ۵۰۰

کمپوزنگ : اردو کمپیوٹر سینٹر، گلی 6/3 ذاکر نگر، نئی دہلی۔۲۵

قیمت : ۴۰۰/- روپئے

تقسیم کار

کتب خانہ حمیدیہ

342، گلی گڑھیا، بازار مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔٦

E-mail: kkhamidia@gmail.com

HINDU FARSI SHOARA MUGHAL AHED MEIN

By: Dr. Abida Khatoon

Year of Pub. : 2014

Price : Rs. 400/-

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

پیش لفظ

''ہندو فارسی شعراء مغل عہد میں'' میری پہلی تخلیقی کاوش ہے جو کتاب کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ یوں تو ہزار سالہ فارسی ادب کی تاریخ سے متعلق سیکڑوں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابیں ہندوستان کے متعدد سرکاری اور ذاتی کتب خانوں میں موجود ہیں لیکن وہاں تک رسائی ہر کس و ناکس کی صلاحیت سے دور ہے۔ چنانچہ طلباء اور اساتذہ کے استفادہ کے پیش نظر میں مختلف کتب خانوں سے مواد حاصل کر کے اپنے موضوع کے مطابق ایک نہایت مفید اور سود مند کتاب کی صورت میں شائع کر رہی ہوں۔

یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے جس کے کئی ذیلی عنوانات ہیں۔ باب اول میں عہد مغلیہ کے فارسی ادب کی تاریخ، صوفیائے کرام اور بھکتی تحریک کے اثرات، ہندوؤں کی دربار مغلیہ سے وابستگی اور فارسی ادب سے دلچسپی، مغل بادشاہوں کی علم دوستی اور ہندو شاعروں و ادیبوں کی نوازش و ہمت افزائی کے ساتھ اس عہد کی ثقافت، موسیقی، مصوری، خطاطی اور معماری وغیرہ علوم وفنون سے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

دوسرے اور تیسرے باب میں بالترتیب فارسی کے معروف اور غیر معروف ہندو شعراء کے حیات و کارنامے پیش کئے گئے ہیں۔ پورے مغلیہ دور

میں فارسی کے متعدد ہندو شعراء گذرے ہیں جن کا تذکرہ مختلف کتابوں مثلاً بابر نامہ، ہمایوں نامہ، اکبر نامہ، تزک جہانگیری اور شاہ جہاں نامہ کے علاوہ دیگر تاریخی کتابوں اور تذکروں میں موجود ہے میں نے ان تمام کتابوں کو ماخذ کے طور پر استعمال کر کے اس کتاب میں شامل شاعروں کے احوال و کوائف کو کتابی صورت میں یکجا کر دیا ہے۔

میں اس بات کی معترف ہوں کہ میری ان تمام کوششوں میں میرے اساتذہ مرحوم و مغفور پروفیسر شعیب اعظمی، سابق صدر شعبۂ فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی اور پروفیسر محمد اقبال، سابق صدر شعبۂ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا بھرپور تعاون رہا ہے، اور قدم قدم پر میری رہنمائی کی ہے۔ مواد کی فراہمی میں میرے سامنے جو دشواریاں حائل تھیں، ان کو دور کرنے میں ان کا نمایاں کردار رہا ہے۔ میری تعلیم و تربیت میں مرحوم و مغفور والد اور میری والدہ نے بھی کافی ہمت افزائی کی ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق لائبریرین نے بھی کتابوں کی فراہمی میں میرا بھرپور تعاون کیا ہے۔ لہٰذا مذکورہ تمام حضرات کی میں تہہ دل سے ممنون و مشکور ہوں اور دعاء کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

آخر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ کتاب شائع ہو کر منظر عام پر آرہی ہے آپ کو اس کے مطالعہ کے بعد کوئی کمی محسوس ہو تو درگذر فرمائیں یا ان کی نشاندہی فرمادیں تا کہ اشاعت ثانیہ میں اصلاح کی جا سکے۔

عابدہ خاتون

انتساب

مرحوم و مغفور والد محترم کی پاک روح

اور

والدہ محترمہ کی بے پایاں محبتوں اور شفقتوں

کے نام جن کی بدولت میں اس مقام پر پہنچی۔

فہرست

باب سوم :

عہد مغلیہ کے غیر معروف فارسی شعراء

بسم الله الرحمن الرحيم

باب اول

مغل عہد کا تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر

مغل عہد کا تاریخی، سیاسی اور ثقافتی پس منظر

ہندوستان صدیوں سے فارسی زبان و ادب کا گہوارہ رہا ہے۔ اس زبان کی ترویج و ترقی اور توسیع میں ہندوستانی سلاطین و امراء اور بادشاہوں کا ہاتھ رہا ہے۔ یہ شیرین زبان جو بیگانہ زبان کی حیثیت سے ہندوستان میں داخل ہوئی اور زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ ہندوستانی تہذیب میں گھل مل گئی۔ فارسی زبان نے یہاں کے سماج اور علم و ادب کو اپنے اندر سمیٹ لیا۔ آج ہمیں لاتعداد فرامین، دستاویزیں، خطوط، تاریخی کتابیں دوسری زبانوں کے تراجم اور شعراء کے دواوین ادبی میراث میں ملے ہیں۔ جو بڑی حد تک آج نہ صرف ہندوستان کے کتب خانوں، میوزیم اور لوگوں کے شخصی کتب خانوں میں موجود ہیں بلکہ بیشتر معروف و مشہور علمی و ادبی، تاریخی اور شعری چیزیں چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔

فارسی زبان ہندوستان میں مسلمانوں کے تسلط کے ساتھ آئی اور بہت جلد ہی وہ یہاں کے لوگوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں دخیل ہوگئی۔ یہ امر یقینی ہے کہ جب کوئی بھی قوم کسی دوسری قوم پر سیاسی غلبہ حاصل کر لیتی ہے تو اس قوم کے اثرات خواہ وہ تہذیبی و تمدنی ہوں یا سیاسی و سماجی، اس قوم کے تہذیب و تمدن پر اپنا گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ فارسی زبان جس کو مسلمان حکمراں ترکی، ایران اور افغانستان سے اپنے ساتھ لائے تھے وہ اس ملک کی نہ صرف سرکاری زبان بنی بلکہ عوام و خواص کی زبان ہوگئی۔ دانشور طبقے نے بھی اسے اپنے افکار و خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ اس طرح ہندوستان میں فارسی زبان و ادب نے نظم و نثر اور علوم و فنون کے میدان میں نئی راہیں کھولیں۔ ہندوستانی زبانوں خاص کر سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے فارسی زبانوں میں ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایران اور ہندوستان دونوں ممالک کے ادبی اور علمی روابط میں ایک گہرا رشتہ قائم ہوگیا۔

دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی میں مسلمان فاتحین وسط ایشیاء کے تمام ملکوں پر

تسلط قائم کرنے کے بعد مغرب سے ترکستانی، تاتاری اور ایرانی روایات اور تہذیب و تمدن بھی ساتھ لائے۔ ایران اس زمانے میں علماء و فضلاء اور دانشوروں کا اہم مرکز تھا۔ اسی بنا پر ہندوستان کا حکمران طبقہ اپنے آپ کو ایرانی طرز زندگی کا نمائندہ سمجھتا تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے دور حکومت میں فارسی سرکاری اور علمی زبان بنی رہی اور جس کا براہ راست اثر یہاں کی زندگی کے ہر شعبہ پر پڑا۔ اعلیٰ خیال اور اعلیٰ طبقہ کے لوگوں نے بلالحاظ مذہب و ملت فارسی زبان سیکھی۔ فاتح حکمرانوں نے ہندی اور دوسری زبانیں سیکھیں۔ زبانوں کے اسی باہمی میل جول سے دونوں قوموں کو ایک دوسرے کے قریب آنے اور ایک دوسرے کی تہذیب و تمدن کو سمجھنے کا موقع ملا اور اس طرح ایک نیا تہذیبی اور سماجی نظام وجود میں آیا۔ جب لوگوں نے اسلام کے اصولوں کو سمجھ کر اسلامی فلسفۂ تعلیمات، سیاسی، سماجی اور معاشی آزادی سے واقفیت حاصل کی، ان کے نظریات میں تبدیلی آئی اور ان کی زندگی میں ایک نیا انقلاب رونما ہوا ساتھ ہی وہ حکمران طبقہ کے ساتھ شامل ہوگئے، فارسی زبان کی تحصیل اور اس کے فروغ میں پیش پیش رہے۔

ہندو قوم جو اپنی جداگانہ تہذیب و تمدن رکھتی تھی اور اپنی روایات پر نازاں تھی۔ وہ بھی دربار سے ملے ہوئے خطابات پر فخر کرنے لگی تھی۔ اور اپنی معاشری و سیاسی اور دیگر اسباب کے باعث وہ بھی فارسی زبان کو سیکھنے پر متوجہ ہونے لگے۔ مکتبوں اور مسجدوں میں ان کے بچوں نے مسلمان طالب علموں کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر علوم حاصل کئے۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ علمی و ادبی ذوق رکھنے والے ہندو طالب علم، مسلم طالب علم سے سبقت لے گئے اور مکتبوں کا یہی رشتہ دونوں مذہبوں کے درمیان گہرے رابطے کا ذریعہ بنا۔ اور جس کی بدولت ہندو معاشرے میں ایسے بہت سے افراد پیدا ہوگئے جو فارسی زبان و ادب کے دانشور و مفکر، شاعر و ادیب کہلائے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے فارسی زبان کے ذریعہ ہندو اور اسلام مذہب کی مشترکہ روایتوں کو روشن کیا۔ دونوں مذہبوں کے یہ دیرینہ خوشگوار تعلقات آج بھی ہندوستان کی متحدہ تہذیب میں اتحاد و یگانگت کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے میں صوفیائے کرام کا ایک اہم

رول رہا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ بہت سے ہندوسادھوؤں نے بھی بھائی چارہ پیدا کرنے میں اہم کام کیا ہے۔ ہندوستان میں فاتح قوم کی آمد سے پہلے مسلم صوفیائے کرام اس سرزمین پر تشریف لا چکے تھے۔ ان میں شیخ علی ہجویری کا نام قابل ذکر ہے۔ انہوں نے لاہور میں سکونت اختیار کی اور اپنے پسندیدہ کردار سے گرد ونواح کے غیر مسلموں کو متاثر کیا۔ غلام خاندان کے دور حکومت مین تقریباً پورے شمالی ہندوستان میں چشتی سلسلے کے صوفیائے کرام کی خانقاہیں قائم ہو چکی تھیں۔ خواجہ معین الدین چشتی نے اجمیر میں اسلام کا نظریۂ توحید عوام الناس کے سامنے پیش کیا جس سے زبردست دینی اور سماجی انقلاب رونما ہوا۔ اور لوگ بڑی تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

ان صوفیائے کرام نے بلالحاظ مذہب وملت انسانی معاشرے اور سماج کی تشکیل نو کی، ان کی تعلیمات اور ان کے قول وفعل وعمل سے ہندوستان میں ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ ان کی روحانی تحریک کے اثر سے بہت سے لوگ اسلام لائے اور جو مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے انہوں نے اس تحریک کے زیر اثر ہندوؤں میں مختلف ناموں سے تحریک چلانی شروع کیں۔ غرض اسلامی تصوف کے زیر اثر جو روحانی تحریک وجود میں آئی اس سے ملک کے گوشہ گوشہ میں ہندو مبلغین پیدا ہوئے اور انہوں نے ویدک مذہب کی خرابیوں اور کوتاہیوں کو دور کرنے کا عزم کیا۔

ڈاکٹر تارا چند نے لکھا ہے:

> "اسلام کے اثر سے ہندو قوم میں مبلغوں کا ایک گروہ پیدا ہوا اور انہوں نے بھی اسی کام کو اپنا نصب العین سمجھا جو مسلم صوفی کر رہے تھے۔ مہاراشٹر، گجرات، پنجاب اور بنگال میں مصلحین نے چودہویں صدی عیسویں میں عملاً ہندوستان کے قدیمی مذہب کی باتوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور کچھ باتوں پر عمل کرنے پر زور دیا۔ اور اس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے عقائد میں یگانگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔"[۱]

ان مبلغین میں شنکراچاریہ، رامانج، رامانند، کبیرداس، گرونانک، چیتنیہ اور مہاپربھو

کے نام قابل ذکر ہیں ان بھگتوں نے ہندو اور اسلام مذہب کی تنقید سخت الفاظ میں کی اور فرقہ وارانہ نزاع کی مذمت کرکے ذات پات کی تفریق کو برا بتایا اور یہ اعلان کیا کہ جو شخص عبادت و ریاضت کرے گا اسے نجات مل سکتی ہے۔ ان کے لیے ظاہری پوجا پاٹ، سنسکاروں اور برہمنوں کی قطعی ضرورت نہیں ہے انہوں نے خلوص نیت سے خدا کی عبادت کرنے اور بنی نوع انسان کے بھائی بھائی ہونے کی تعلیم دی۔ اور اس طرح ہندو اور مسلمان کے درمیان مذہبی ہم آہنگی پیدا کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی اسلام کے نفوذ کو دیکھتے ہوئے ہندو سادھوؤں، عالموں، رشیوں نے اصلاح مذہب کا عزم کیا اور اسلام کو سامنے رکھ کر ہندو مذہب میں ترمیمات، اصلاحات کرنے لگے۔

شنکر اچاریہ نے جنوبی ہند میں بدھ مذہب کی مخالفت کی اور ہندوؤں کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ تمام فرقوں کو ختم کردیں اور ایک ویدک دھرم اپنائیں۔ انہوں نے توحید کی دعوت دی۔ خدا ایک ہے وہی حقیقت ہے باقی سب دھوکا ہے۔ اور شمالی ہندوستان کے تیرتھوں پر جاکر برہمنوں سے مذہبی معاملات میں گفتگو کی۔ بہت سے ہندو ان کی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان تحریکوں کی تعلیمات اسلام کے اثرات کا پتہ دیتی ہیں۔ کیونکہ اسلام میں توحید کے عقیدے کو بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس طرح ہندوؤں نے اس نظریے کو سامنے رکھ کر اپنے دیوتاؤں کے مذہب میں ترمیم کرنی ضروری سمجھی۔

شنکر اچاریہ کے شاگرد رامانج نے اپنے استاد کی تعلیمات پر تبلیغ کا کام کیا اور ان کے پیغام کو عام کیا۔ اس نے توحید کے نامکمل نظریے کو مکمل کیا۔ بھگتی مسلک کی شکل وصورت واضح طور پر اسلام سے ملتی جلتی ہے۔ اور تصوف کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔

شنکر اچاریہ کا ایک اور چیلا بھساؤ بھی بھگتی تحریک کا خاص نمائندہ تھا۔ اس کا بھی عقیدہ تھا کہ خدا ایک ہے۔ اور وہی صفات عالیہ رکھتا ہے۔ اس نے گرو کے اس نظریے کو عام لوگوں تک پہنچایا۔

شمالی ہند میں محمود غزنوی اور دیگر مسلم فاتحین، بادشاہ، امراء، شعراء اور علماء کی موجودگی سے خدائے واحد کی عبادت ہونے لگی۔ ہندو بھی ان کی تعلیمات کے اثر سے اور

مذہبی اعتبار سے بھگتی تحریک میں شامل ہو گئے۔ اس تحریک میں ایک اور جانشین رامانند کا اضافہ ہوا۔ یہ برہمن خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ رامانند نے بھی مسلمان علماء سے رابطہ اور دوستانہ مذہبی تعلقات قائم کئے۔ ان کے ساتھ دینی اور مذہبی مسائل پر بحث و مباحثے کئے۔ وہ بھگتی تحریک کے پہلے مصلح تھے جنہوں نے بھگتی عقائد و اصول کی تبلیغ ہندی زبان میں کی ان کی تعلیمات عوام میں بہت مقبول ہوئیں۔

رامانند کے شاگردوں میں کبیر داس بہت مشہور و مقبول ہوئے۔ اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے انہوں نے بھی مسلم صوفی، مشائخ اور ہندو سادھوؤں سے ملاقات کی اور اپنا بیشتر وقت مسلم صوفیہ اور علماء کی صحبت میں گذارا۔ ان کا علم صوفیہ کے ملفوظات سے ملتا جلتا تھا۔ جب انہوں نے اپنی تعلیمات کو عام کرنا چاہا تو پنڈتوں اور مولویوں نے ان کو اسلام اور ہندو مذہب کے خلاف بتایا لیکن سکندر لودھی (۱۴۸۸ء) نے کبیر کے خلوص سے متاثر ہو کر ان کی مدد کی۔ پنڈتوں اور مولویوں کی گرفت سے بچانے کے لیے عارضی طور پر انہیں شہر بدر کر دیا:

> ''کبیر کی تعلیمات اس وقت کی مروجہ قلندرانہ صوفیت سے اتنی ملتی تھیں کہ سکندر نے انہیں کسی خاص سزا کا موجب نہیں سمجھا۔ جلد ہی وہ بنارس آ گئے اور اس کے بعد انہیں نہ ستایا گیا۔ انہیں دونوں قوموں سے بہت عقیدت تھی۔''[۲]

کبیر کو اپنی تعلیمات کی وجہ سے ہندو مسلم دونوں میں مقبولیت حاصل ہو گئی تھی۔ وہ دونوں قوموں کو معرفت الٰہی کا درس دیتے تھے ان کی تعلیمات بھی توحید اسلام سے ملتی جلتی تھیں کہ خدا ایک ہے اس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ ہندو مسلمان کو عرفان الٰہی کے دائرہ مین رہ کر زندگی گذارنی چاہیئے۔ انہوں نے ہندو مذہب کے تمام بنیادی عقائد و اعمال کی مخالفت کی۔ اس وجہ سے انہیں بھگتی تحریک کا بہت بڑا مسلم مانتے ہیں۔

ڈاکٹر تارا چند کا کہنا ہے:

> ''کبیر نے ہندوستان کی توجہ ایک عالمگیر مذہب کی طرف مبذول

کرائی اور ایک ایسا راستہ بنا دیا گیا جس پر دونوں قومیں ساتھ چل سکتی ہیں۔
ایسے مذہب پر کوئی ہندو یا مسلمان اعتراض نہیں کرسکتا۔ یہ کبیر کے مشن کا
تعمیری حصہ تھا۔" ۳؎

کبیر کے بعد چیتنیہ اور گرونانک جیسی شخصیت نے بھگتی تحریک میں اہم کردار ادا کیا۔ گرونانک کی پیدائش لاہور میں ہوئی، جو صدیوں سے اسلامی حکومت کے ماتحت تھا۔ سرہند، پاک پٹن اور دیگر مقامات بڑے بڑے صوفیا اور اولیاء کے مرکز رہ چکے تھے۔ یہاں سید شیخ اسماعیل بخاری، سید علی ہجویری، بابا فرید، جلال الدین بخاری مخدوم جہانیان اور دوسرے بزرگوں کے نام ادب و احترام کے ساتھ لیے جاتے تھے۔ ان بزرگان دین کے ہزاروں مسلمان اور ہندو معتقد تھے۔ یہ بھی وہ زمانہ تھا جب نانک جیسی عظیم ہستی نے ان کے چشمہ ہای معرفت سے اپنی پیاس بجھائی۔ ان کی تعلیمات کا حاصل بھی ہندو اور مسلمان دونوں کو ملانا تھا۔

صوفیاء و علمائے اسلام کی صحبتوں سے ان کے دماغ کو جلا ملی۔ ان کی صحبتوں اور تعلیمات کے اثر سے وہ تصوف کے پیکر بن گئے اور اسی تصوف کے زیر اثر وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو بھائی بھائی بن کر رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ و خیالات میں اسلام کا اثر گہرا اور نمایاں ہے۔ گرونانک نے جو مذہبی تحریک چلائی وہ ان کے جانشینوں کے تحت آگے بڑھتی رہی۔

سولہویں صدی کے بزرگوں میں دھنا، پیپا، سائیں، رابنداس وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کی تعلیمات بھی کبیر داس کی تعلیمات سے مختلف نہیں ہیں۔ بعد کے ہندو بزرگان میں دادودیال کی شخصیت بہت اہم ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ راجپوتانہ میں گذارا اور وہ اجمیر دہلی اور امبیر اور دوسرے مقامات پر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اکبر سے بھی ملاقات کی ہے۔ ان کا رجحان اسلامی طرز خیال کی طرف مائل تھا۔ دادو ہندو مسلم اتحاد کا زبردست حامی تھا۔ ان کے علاوہ ملوک داس بھی اکبر کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے بھی انہیں اصولوں کی تعلیم دی جو اس وقت سارے ہندوستان میں رائج تھی۔ مذہبی

وحدت اور ہندو مسلم اتحاد کی تلقین کی۔ اس کے شاگرد سندر داس کا نام بھی مشہور ہے۔ اس نے بھی دادو کے بتائے ہوئے بھگتی مذہب کی تبلیغ کا کام کیا۔

اس طرح ایک طرف مسلم صوفیائے کرام اور مشائخ اور دوسری طرف ہندو بھگتوں، مبلغین اور مصلحین کی کوششوں کا نتیجہ اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ وہ ہندوستان کے لوگوں کے دلوں سے مذہبی تفرقہ کا خاتمہ چاہتے تھے اور لوگوں کو ایسے مذہب سے آگاہ کرنا ان کا مقصد تھا جس میں تمام مذاہب کی باتیں جمع کر دی گئی ہوں اور وہ باتیں جو مذہبی اختلافات، نزاع اور لڑائی جھگڑے کی باعث ہیں دور کر دی جائیں۔ اپنے انہیں خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اکبر نے دین الٰہی کا اعلان کیا۔

اکبر بادشاہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ہندوستان کی سلطنت کی جڑیں اسی وقت مضبوط ہو سکتی ہیں جب ہندو مسلم باہمی اختلافات ختم ہوں۔ اس نے اختلاف کو دور کرنے کی طرف پوری توجہ دی اور تمام مذاہب کے لوگوں کو ایک رشتہ اتحاد میں منسلک کر کے ہندوستان کی مذہبی اور سماجی تحریک میں ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ ابھی تک اس تحریک کے پیشوا اور علمبردار مسلم صوفیا، مشائخ اور ہندو سادھو سنت تھے۔ لیکن اکبر بادشاہ کے عہد سے بادشاہ وقت نے بھی اس کام میں دلچسپی لینا اپنا نصب العین بنالیا۔ اس تحریک کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور یہ جوش اور ولولہ بہادر شاہ ظفر کے زمانے تک قائم رہا۔

سولھویں اور سترہویں صدی میں اکبر بادشاہ اور اس کے جانشینوں کی سرپرستی میں ہندو تصوف کی کتابوں کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ ہوا۔ سترہویں صدی کے وسط مین تعلیم یافتہ مسلمانوں میں ویدانت کے اصولوں کو تصوف کے برابر سمجھنے کا رجحان پیدا ہو چکا تھا۔ لال داس اور بابا لال کے مذہبی خیالات کو عروج حاصل ہوا۔ بابا لال جہانگیر کے عہد میں پیدا ہوا۔ اور وہ چیتنیہ کا شاگرد تھا۔ داراشکوہ بھی اسی کا شاگرد تھا۔ داراشکوہ نے ہندوؤں کے بارے میں اکبر کی پالیسی جاری رکھی۔ اور وہ اسی پالیسی کے تحت ہندو مسلم اتحاد پیدا کرنا چاہتا تھا۔ ملا شاہ بدخشی (متوفی ۱۶۵۸ء) کے ہاتھ بیعت کرنے کے بعد داراشکوہ کے روحانی تجسس نے ایک اور کروٹ لی۔ دوسرے مذاہب اور خاص کر ہندو ویدانت میں گہری تحقیق

شروع کی جس کا نتیجہ مجمع البحرین کی صورت میں (۱۶۵۴ء- ۱۶۵۵ء) میں منظر عام پر آیا۔ یہ کتاب مسلمان صوفیوں اور ہندو یوگیوں کے عقائد کا مجموعہ ہے۔ داراشکوہ نے اس کتاب میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تصوف اور یوگ کے خیالات ایک دوسرے کے مطابق ہیں۔ اس نے اس سلسلے میں اک مختصر رسالہ ''مکالمہ داراشکوہ بابالال'' کے نام سے اپنے منشی چندر بھان سے مرتب کروایا جس میں داراشکوہ کے سوالات اور بابالال کے جوابات جمع ہیں۔ ''سرا کبر'' اور ''یوگ وشسٹ'' کا آسان فارسی میں ترجمہ داراشکوہ کے کہنے پر ہوا۔ بھگوت گیتا کا بھی فارسی مین ترجمہ کرایا۔

مسلمانوں میں داراشکوہ، ملاشاہ بدخشی، سرمد شہید اور محسن فانی کے علاوہ دوسرے بزرگان اور کئی مسلمان ایسے تھے جو سادھوؤں اور جوگیوں کی روحانیت کے قائل تھے۔ اور ان سے مل کر متاثر ہوئے تھے اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں پر بیراگیوں اور جوگیوں کے عقائد کا بہت گہرا اثر پڑا ہندو جوگیوں کی خدمت میں اورنگ زیب جیسا راسخ العقیدہ مسلمان بھی عقیدت سے جاتا تھا۔

میرا موضوع ''مغل عہد کے معروف ہندو فارسی شعراء'' کا تنقیدی مطالعہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ مسلم حکمرانوں کے دربار، سماجی وثقافتی حالات اور ان کے دربار سے متعلق غیر مسلم دانشوروں اور شاعروں کا اجمالی جائزہ عہد بہ عہد پیش کیا جائے۔

مسلمان حکمرانوں کی حکومت میں نہ صرف مسلم طبقے کو عزت ومرتبہ حاصل تھا بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی سیکولر حکومت تھی۔ سلطنت کے قوانین وضوابط دونوں کی لیے برابر تھے۔ بادشاہ اور ان کے امراء ہندوؤں کے مذہب مین کسی طرح کی مداخلت نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ اسلام میں بت پرستی جیسی باتوں کی سختی سے مخالفت کی جاتی ہے۔ لیکن انہیں اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کریں۔ اس لئے ہندو رسومات پر پوری طرح عمل کرتے، مندروں میں مورتیوں کو سجاتے اور اپنے مذہب کے مطابق سب تقاضوں کو پورا کرتے تھے۔ مسلمان ارباب حکومت اپنی رعایا کی نظر میں عزت ومرتبہ رکھتے

تھے اور وقت پڑنے پر وہ اپنے حکمرانوں کے لیے قربانی دینے کو تیار رہتے تھے۔

محمد بن قاسم سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک کوئی مسلمان سلطان بادشاہ یا امیر ایسا نہیں گذرا جس کے دور حکومت میں ہندو ملازم اور دیگر اہل کار زیادہ سے زیادہ دخیل نہ ہوں۔ مسلم حکمران اپنی ضرورت کے لیے ہندوؤں کو ملازمت دیتے تھے سلطان محمود غزنوی کے دور حکومت میں ہندوؤں کی ایک بڑی جماعت فوج میں شامل تھی یہاں تک کہ اس کی فوج کا افسر جے سین حجام (ہندو) تھا۔ مملوک سلاطین کے دور میں اسلامی فوجوں کے ساتھ ساتھ ہندو فوجیں بھی موجود تھیں۔ سرکاری ملازمتوں جیسے منشی متصدی اور دیگر ملازم زیادہ تر ہندو ہوتے تھے۔ دفتر کی تنظیم و ترتیب کا کام انہیں کے سپرد کیا جاتا تھا کیونکہ ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہندوؤں کو جو ملکی انتظام سے بخوبی واقف ہوتے تھے۔ ملازم رکھا جائے۔ یہاں تک کہ سماجی، سیاسی اور معاشی کاموں میں ہندوؤں کا عمل دخل زیادہ تھا۔

جب ہندوؤں کا سرکاری ملازمتوں اور دفتری امور میں عمل دخل ہوا تو فارسی زبان سیکھنا ان کے لیے ضروری ہوگیا۔ سکندر لودی کے زمانے میں ہندوؤں نے فارسی کی طرف خاص طور سے توجہ مبذول کی۔ اس نے اپنے دفاتر میں ہندوؤں کو مقرر کیا ان میں زیادہ تر تعداد کھتریوں کی تھی جس کے سبب مغلوں کے زمانے مین کائستھ خاندان کے ہندوؤں کا غلبہ نظر آتا ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ کشمیری پنڈتوں نے بھی فارسی زبان وعلوم کو سیکھا۔

مغلوں کے دور حکومت میں ہندو وزارت، سپہ سالاری اور دیگر مناصب وعہدوں پر فائز رہے۔ بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور دیگر مغل بادشاہوں اور شہزادوں کے دور حکومت میں کارپردازوں کی خاص تعداد ہندوؤں کی تھی۔ ہندو منصب داروں کی ان کے دربار مین کوئی گنتی نہیں تھی۔ تاریخی کتابوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان انفرادی تعلقات سے عدل و انصاف کے واقعات ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان سلاطین و بادشاہ اس ملک کو اپنا وطن سمجھتے تھے۔ اور اپنی رعایا کو بلاامتیاز مذہب وملت اپنے برادران وطن تسلیم کرتے تھے۔ ان کا سلوک ہندو اور مسلمانوں کے ساتھ مساوی تھا۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ سلطنت اور مغل دور میں ہندوؤں کی ایک خاصی بڑی

تعداد موجود تھی اور فارسی زبان سیکھ چکی تھی۔ ذیل میں محمود غزنوی سے لے کر غلام بادشاہوں، خلجیوں، لودیوں اور مغل بادشاہوں کی فارسی زبان و ادب سے دلچسپی اور ان کے ہندوؤں سے تعلقات کا ذکر عہد بہ عہد پیش کیا جاتا ہے۔

سلاطین کے دور حکومت میں ہندوستان میں علوم وفنون کی ترقی ہوئی۔ فارسی زبان و ادب نے عروج کی بلندیوں کو چھولیا۔ یہ سلاطین سخن شناس اور سخن پرور تھے اور ذوق سلیم رکھتے تھے۔ بیشتر شاعری کے دلدادہ تھے، صاحب علم وفضل بھی تھے ان کے دربار سے ہزار ہا مورخین، شعراء وادباء وابستہ رہے۔

غزنوی سلاطین کے پنجاب میں پچاس، ساٹھ سالہ دور حکومت میں بہت سے فارسی گو شعراء ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ جنہوں نے فارسی زبان میں اپنے علم وفضل کی بہت سی یادگاریں چھوڑی ہیں۔ اس دور کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ایران سے صوفی ومشائخ نے ہندوستان کا رخ کیا۔ اور تبلیغ و اصلاح کا کام شروع کیا جس کا اثر نہ صرف فارسی ادب پر پڑا بلکہ ہندوستانی سماج پر بھی اس کا بہت گہرا اثر پڑا۔ خواجہ معین الدین چشتی (۵۵۶ھ/ ۱۱۶۱ء) نے ایران سے ہندوستان ہجرت کی اور اجمیر کو اپنی تبلیغ و اصلاح کا مرکز بنایا۔ ہندوستان میں چشتی مشائخ کا سلسلہ ان سے شروع ہوا۔

سلطان محمود کے دربار میں جس قدر شاعرانِ ذی علم اور بہادران روزگار جمع رہتے تھے۔ اتنے شاید ہی کسی دوسرے بادشاہ کے دربار میں جمع ہوئے ہوں۔ محمود غزنوی ہمیشہ اہل علم سے دوستی رکھتا تھا۔

محمود غزنوی نے نہ صرف مسلم دانشوروں، علماء، فضلاء اور شعراء کی سرپرستی کی ہے بلکہ غیر مسلم دانشوروں، امراء، رہبر اور فوجی افسران بھی اس کے دربار سے منسلک رہے اور داد و دہش پاتے رہے۔ تمام مورخین بھی اس بات سے متفق ہیں کہ محمود غزنوی نے علم و ادب اور دیگر فنون کی قدردانی میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی خدمات کو سراہا۔ محمود اور اس کے جانشینوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے دربار سے ہندو افسران اور دیگر ملازمین بھی وابستہ رہے۔

تلک بن جے سین حجام ہندو افسر جو غزنوی دور حکومت میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا اور خواجہ حسین میمندی کا پرائیوٹ سکریٹری تھا۔ اسے ہندی زبان کے ساتھ ساتھ فارسی زبان پر بھی عبور حاصل تھا اور دربار میں دبیری اور ترجمانی کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فارسی زبان سے خوب واقفیت رکھتا تھا۔ غزنوی دربار میں تلک بن جے سین حجام کے علاوہ حکومت کے دیگر امور پر عبور رکھنے والے غیر مسلم ملازم بھی شامل تھے۔ جو فارسی زبان پر مہارت رکھتے تھے۔ محمود کے دور حکومت میں دس ہزار ہندو فوج میں شامل ہوئے۔ سالک عبدالمجید اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> ''جب محمود نگرکوٹ پر قبضہ کرنے کی غرض سے وہاں پہنچا تو نگرکوٹ کے راجا نے عفو تقصیرات کی عرضی بھیجی۔ سلطان نے بلاتامل ان کی درخواستوں کو منظور کرلیا اور اس کے ساتھ از راہ مصلحت اندیشی یہ بھی لکھ دیا کہ جو ہندو ہماری فوج میں شامل ہونا چاہے وہ شوق سے آ جائے ہم اس کو مسلمانوں کے برابر حقوق عطا کریں گے۔ چنانچہ دریائے سندھ کو عبور کرنے سے پہلے دس ہزار ہندو محمودی فوج میں بھرتی ہوگئے۔ اور اس کوشش میں راجا بھی شامل تھے۔'' ۵

محمود کا ہندوؤں کو فوج میں شامل کرنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ ہندوؤں کے دلوں سے جو نفرت اس کے اور سلطنت غزنی کے خلاف موجود ہے اس کو ختم کر دیا جائے۔ اس نے ہندو فوج کا سپہ سالار بھی ہندو ہی مقرر کیا اور یہ فوج غزنوی خاندان کے آخری بادشاہ کے زمانے تک غزنوی فوج کا ایک حصہ رہی۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ محمود کا لشکر صرف مسلمانوں پر مشتمل نہیں تھا۔ بلکہ اس میں دس ہزار باقاعدہ ہندو سپاہی شامل تھے۔

محمود کا جانشین مسعود بھی علماء، شعراء و فضلاء کا بڑا قدردان تھا۔ سلطان علماء کی صحبت کو بے حد پسند کرتا تھا۔ خود علماء بھی اس کی عزت کرتے تھے اور اپنی لکھی ہوئی تصانیف اس کے نام معنون کرتے تھے۔ اس نے اپنے دور حکومت میں مدرسے، مسجدیں اور دینی تعلیمی ادارے قائم کروائے۔ اس کے زمانے میں ہندوؤں کے علوم و فنون کا ترجمہ سنسکرت

سے فارسی زبان میں کیا گیا۔ اس کے علاوہ دوسری ہندوستانی حکایات کا ترجمہ بھی عربی اور فارسی زبان میں ہونے لگا۔

غیر مسلموں کے دربار سے روابط و تعلقات کا یہ اثر ہوا کہ غزنوی عہد میں نہ صرف مسلمانوں نے فارسی زبان و ادب کو سیکھا بلکہ ہندوؤں نے بھی فارسی زبان و ادب میں مہارت حاصل کی۔ ان کے ہاتھ سے لکھے لاتعداد فارسی فرامین، دستاویزیں آج بھی موجود ہیں جو فارسی زبان وادب کے قیمتی شہ پارے ہیں۔

مملوک سلاطین کے دور حکومت میں فارسی ادب میں ایک اہم باب کا آغاز ہوا۔ اس زمانے میں دہلی ہندوستان کا پایہ تخت بن گئی تھی۔ اسی کے ساتھ ان سلاطین کے علمی ذوق و شوق اور معارف پروری نے دہلی کو ادبی مرکز بنا دیا۔ مملوک سلاطین کی مادری زبان ترکی تھی لیکن انہوں نے فارسی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا۔ شعر و ادب اور تاریخ نویسی کو اس دور میں فروغ حاصل ہوا۔ مملوک سلاطین نے فنون لطیفہ کی بھی دل کھول کر سرپرستی کی۔ اس میں ایسے شاعر، نثر نگار اور مورخ پیدا ہوئے جن کی اہمیت کا احساس نہ صرف ہندوستانی علماء، فضلاء اور دانش مندوں نے کیا بلکہ ایرانی دانشوروں نے بھی ان کے علم و فضل اور ان کے اعلیٰ فنی صلاحیتوں کو سراہا ہے۔

مملوک سلاطین کے بعد غیاث الدین بلبن نے بھی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندو علماء و فضلاء اور دانشوروں کو اپنے دربار سے منسلک رکھا ہے۔ ہندو امراء کی بھی ایک کثیر تعداد اس سے وابستہ رہی ہے اور ان کو بھی خطابات سے نوازا ہے جس کے شواہد تاریخی کتابوں میں ملتے ہیں۔

تغلق خاندان میں فیروز شاہ تغلق کا دور سنہرا دور کہلاتا ہے۔ وہ اپنی قدردانی، علم و فضل، فیاضی اور الوالعزمی کے اعتبار سے اپنے معاصرین میں شامل نہیں رکھتا تھا۔ اس کے عہد میں مشائخ و علماء اور شعراء کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ دربار میں علماء کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عہد میں فارسی زبان و ادب کو کافی فروغ ملا علم و ادب اور فارسی زبان کی ترویج و ترقی کے لئے اس نے لاتعداد مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں تعمیر

کرائیں۔ جن میں فضلائے روزگار اعلیٰ تعلیم دیتے تھے۔ دینی اور دنیاوی تعلیم کا یکساں انتظام ہوتا تھا۔ فیروز شاہ تغلق کے دورِ حکومت میں بہت سے ہندو اعلیٰ عہدے پر فائز تھے اور فارسی اور عربی جانے بغیر ان عہدوں کے فرائض پوری طرح انجام دے سکتے تھے۔ ''نگر کوٹ (کانگڑہ) میں جوالامکھی کا مندر تھا جو اب تک موجود ہے۔ اس مندر میں قدیم ہندو علوم کی کوئی تیرہ سو کتابیں تھیں۔ فیروز شاہ کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو اس نے بعض فاضل ہندوؤں کو وہاں بھیجا اور حکم دیا کہ بعض کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کریں۔ اس زمانے کے ایک شاعر عزالدین خالد ضانی نے ایک کتاب کو ہندی نظم سے فارسی نثر میں ترجمہ کیا اور سلطان نے اس کا نام ''دلائلِ فیروز شاہی'' تجویز کیا۔''[۶]

اس کے علاوہ سنسکرت کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ علمی و ادبی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو مذکورہ بادشاہوں کے عہد میں فارسی علم و ادب نے ترقی کی اور علماء، ادباء، شعراء اور مورخین کو اپنے فن میں جوہر دکھانے کے مواقع فراہم کئے۔

سیدیوں اور لودیوں کے دورِ حکومت میں فارسی زبان و ادب کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہو سکی جو اس سے پہلے کے سلاطین کے دورِ حکومت میں حاصل تھی۔ اس خاندان کے بادشاہوں کو علم و ادب سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔

لودی خاندان کے بادشاہوں میں سکندر لودی (۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء) کو فارسی زبان و ادب سے بہت لگاؤ تھا۔ وہ خود تعلیم یافتہ تھا اور صاحب علم و فن کی قدر کرتا تھا۔ اس کے عہد میں عرب، ایران، بخارا اور ہندوستان کے بہت سے علماء سلطان کی علم دوستی اور فیاضی کی وجہ سے آگرہ میں جمع ہو گئے۔ ان کے کارہای نمایاں دیکھتے ہوئے انہیں مناصب اور جاگیریں عطا کرتا تھا۔ اس کے عہد میں نہ صرف مسلم علماء و فضلاء نے اپنے جوہر دکھائے بلکہ ہندوؤں میں فارسی تعلیم کی ترویج کی پہلی موثر کوشش بھی اس کے عہد میں ہوئی۔

> ''ہندوؤں نے عام طور پر فارسی زبان کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے علوم کی تحصیل بھی شروع کر دی اور سلطان کے حکم سے بعض ہندی اور سنسکرت کی کتابوں کے فارسی میں تراجم ہوئے۔ ایک پرانی طب کی کتاب

''اگر مہابیدک'' کا ترجمہ بھی مرتب کیا گیا۔'' ے

سکندر لودی کے زمانے میں کائستھ قوم کے ہندوؤں نے فارسی زبان کو سیکھنے میں زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا۔ اور ان کے ذہن وفکر پر فارسی ادب کا بہت گہرا اثر پڑا۔ اس زمانے میں یہ زبان اعلیٰ طبقہ کی زبان تھی۔ گرونانک لودھیوں کے آخری زمانے کے بزرگ ہیں۔ ان کی تصنیف ''آدی گرنتھ'' فارسی کی آمیزش ہے۔ وہ فارسی زبان کے عالم تو نہیں تھے لیکن علماء وفضلاء کے ساتھ میل جول اور آپسی تعلقات کی وجہ سے ان کے ہندی یا پنجابی بول چال کی زبان میں فارسی الفاظ کافی موجود ہیں۔

ہندوستان کی تاریخ میں مغل دور فارسی زبان و ادب اور شاعری کا زرین دور مانا جاتا ہے۔ مغل بادشاہوں کے ترک ہونے کے باوجود فارسی زبان سے دلچسپی اور درباری زبان ہونے کی وجہ سے اس زبان کو عہد مغلیہ میں سب سے زیادہ عروج حاصل ہوا۔ مغلوں نے فارسی زبان و ادب کی سرپرستی دل کھول کر کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغل بادشاہوں اور دربار سے منسلک امراء کی داد و دہش کے چرچے سن سن کر علماء، ادباء، اور قادرالکلام شعراء کی ایک بڑی تعداد ایران و دیگر ممالک سے ہجرت کر کے ہندوستان میں سکونت پذیر ہوگئی۔ مغل بادشاہ ارباب علم و ہنر کے قدردان اور شعروسخن کے شوقین تھے۔ اہل سخن کو اپنے دربار میں دعوت دیتے تھے۔ ان کے کلام کو سن کر انہیں انعام و اکرام سے نوازتے تھے۔ اہل علم وفن اور سخن ور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشاں رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مغل دور اہل علم کے لیے اپنے جوہر دکھانے اور اس کی ترقی کے لیے زیادہ سازگار دور ثابت ہوا۔

مغل دربار ایک تہذیبی اور ثقافتی ادارے کی حیثیت رکھتا تھا اور یہاں پہنچے بغیر ایرانی سخنور بھی اپنے آپ کو کمال کی سند سے محروم سمجھتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے شعراء کی ایک بڑی تعداد انعام و اکرام کے لالچ میں یا ذریعہ معاش کی تلاش میں ہندوستان آئی۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جنہیں دولت سے زیادہ شہرت کی تمنا تھی۔

مغلیہ عہد میں علم و ادب کو فروغ حاصل ہونے کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ شہنشاہ اور شہزادے علم و ادب کا ذوق رکھتے تھے۔ بابر، ہمایوں، اکبر اور جہانگیر شعر بھی کہتے تھے۔

جہانگیر بادشاہ بھی شعر کا اچھا ذوق رکھتا تھا۔ ذہین نقاد اور شاعر بھی تھا۔ مغل شہزادوں میں کامران، داراشکوہ، صاحب دیوان شاعر تھے۔ شہزادیوں میں نور جہاں، ممتاز محل اور زیب النساء شعر کہتی تھیں۔ بابر اور جہانگیر مورخ اور ادیب تھے۔ توزک بابری اور توزک جہانگیری تاریخ وا نشاء کے بہت اچھے نمونے ہیں اورنگ زیب بھی بہت اچھا انشاء پرداز تھا۔ بادشاہوں کے علاوہ امراء، صوبدار اور دوسرے منصب دار بھی علم وادب کا ذوق رکھتے تھے۔ اور ان میں بعض شاعر بھی تھے۔ علماء، شعراء، کے قدردان اور مربی بھی تھے۔ ان کے دربار ایک لگتے تھے۔ بادشاہوں کی طرح فیاضی اور زربخشی کے لیے نامور تھے۔ عبدالرحیم خانخاناں، ابوالفتح گیلانی، آصف خان، افضل خان، مہابت خان، سعداللہ خاں وغیرہ خودشعر گو، شعرفہم اور شعرا کے قدردان تھے۔

ہندوستان میں مغل دور میں فارسی شاعری کا عروج ظہیرالدین بابر (وفات ۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء) سے شروع ہوتا ہے۔ یہ فاتح بادشاہ کابل سے ہندوستان آیا تھا۔ صاحب علم اور سخن سنج تھا۔ رزم و بزم دونوں کا ماہر تھا۔ بابر نے بچپن ہی سے ایسے ماحول میں تربیت پائی تھی جہاں کی فضا اعلیٰ علوم وفنون سے مزین تھی اور خاص طور سے علماء، فضلاء اور شعراء نے اس عہد میں استفادہ کیا اور اپنے ہم عصر شعراء کے کلام پر تنقید بھی کی۔ بابر بھی فارسی زبان و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتا تھا۔ اس کی تصنیف تزک بابری اس کی اعلیٰ ظرفی کی جاوید مثال ہے۔ جو دنیا کی بہترین علمی اور تاریخی سرمایہ میں شمار ہوتی ہے۔ اور ہر ملک کے ارباب کمال نے بڑے ذوق وشوق سے اپنی زبانوں میں اس کے ترجمے کئے ہیں۔ بابر نے اپنی تزک میں کلام پاک کی آیات، سعدی کی گلستان و بوستان، فردوسی کے شاہنامہ، نظامی اور خسرو کے خمسے اور شرف الدین علی یزدی کے ظفرنامہ اور ابوالعمر منہاج الجورجانی کی طبقات ناصری جیسی مشہور کتابوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی ابتدائی تعلیم میں یہ کتابیں درس وتدریس میں ضرور شامل رہی ہوں گی۔

بابر ترکی زبان کا صاحب دیوان شاعر تھا۔ اکبر نامہ میں ابوالفضل نے بابر کی شاعری کی تعریف اس طرح کی ہے:

"آن حضرت را در نظم و نثر پایۀ عالی بود۔ خصوصاً در نظم ترکی، و دیوان ترکی آن حضرت در نهایت وضاحت و عذوبت واقع شده و مضامین تازه در آن مندر جست۔" ۸

بابر نہ صرف ترکی زبان کا بلند پایہ شاعر تھا بلکہ اس نے اپنے خیالات کا اظہار فارسی شاعری میں بھی کیا ہے۔ اس کے فارسی کلام کو صاحت علم وفن نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ابوالفضل بابر کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"همین بزبان فارسی نیز اشعار دلپذیر دارند۔" ۹

بابر کے دربار میں ممتاز فضلاء کے علاوہ شیخ عبدالواجد فارغی سلطان محمد کوسہ، شیخ جمالی اور دیگر ہندو امراء شامل تھے۔ بابر کی علم نوازی کے چرچے سن کر ارباب کمال کی ایک بڑی تعداد خراسان، ہرات اور دوسری جگہوں سے ہندوستان آئی۔ بابر نے ان کی شاہانہ پذیرائی کی۔

بزم تیموریہ کے مصنف لکھتے ہیں:

"۹۳۵ھ میں گوالیار کی مہم میں بابر سخت بیمار ہو گیا۔ بیماری سے شفا پائی تو ایک جشن عشرت منعقد کیا۔ اس جشن میں تمام ایلچی، قزلباش اوزبک اور ہندو بھی شریک ہوئے۔ بابر نے ان سب کو ترازو کے پلڑے بھر بھر کر چاندی اور سونا دیا اور اس موقع پر بھی سادات اور علماء کو فراموش نہیں کیا۔" ۱۰

بابر کے بعد ہمایوں (وفات ۹۶۳ھ/ ۱۵۵۶ء) تخت مغلیہ پر جلوہ افروز ہوا۔ حالانکہ ہمایوں کی زندگی کا بیشتر حصہ جنگ ولڑائی میں گذرا۔ اس کے باوجود فارسی زبان و ادب کی شمع کو اس نے بجھنے نہیں دیا۔ اور فرصت کے اوقات میں شعرو شاعری جاری رکھی۔ اس کے علمی ذوق کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اس نے ارباب کمال اور اہل علم و ادب اور شعراء کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی۔ حالانکہ اس کی مادری زبان ترکی تھی۔ لیکن فارسی

زبان پر بھی عبور رکھتا تھا۔ فارسی زبان میں شعر کہتا تھا۔ اس کے دربار میں شعروشاعری کی محفلیں برابر گرم رہتی تھیں۔ ابوالفضل ہمایوں کی شاعری کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"وتوجه عالی به شعر و شعراء نیز و از انجا (طبع موزوں از خصائص فطرت سلیم است) در خلال اوقات واردات قدسی را (چه از حقیقت و چه از مجاز) در سلك نظم می کشیدند و دیوان شعر آنحضرت در کتابخانه عالی موجوداست۔"[۱۱]

تاریخ بدایونی کے مصنف لکھتے ہیں:

"شعرای بسیار نادرۂ روزگار از دامن اوبرخاسته اند۔"[۱۲]

شعرائے کرام کی صحبت کی وجہ سے ہمایوں کی فارسی شاعری میں نکتہ سنجی اور سخن فہمی کو خوب جلا ملی۔ شعراء اور نامور علماء وفضلاء اس کے علم و ادب میں دلچسپی اور شاعری میں ذوق وشوق کی وجہ سے اس کے دربار سے داد و دہش سے فیضیاب ہوئے۔

ہمایوں کے دربار میں مولانا جنوبی بدخشانی، مولانا نادری، شیخ الواجد فارغی، طاہر دکنی، خواجہ ایوب قاسم کاہی، شیخ امان اللہ پانی پتی جیسے بلند پایہ خوش طبع، شیریں زبان اور بذلہ سنج شعراء اور دیگر جید عالم اور ہندو علماء وفضلاء شامل تھے۔

اکبر کا دورِ حکومت (۹۶۳ھ-۱۰۱۶ھ/۱۵۵٦ء - ۱٦۰۵ء) فارسی زبان کی ترویج و ترقی کا زرین دور ہے۔ اس کے دورِ حکومت میں ہندوستان علوم وفنون کا مرکز بن گیا تھا۔ اکبر نے اپنے دربار کے علماء وفضلاء اور شعراء کی قدردانی دل کھول کر کی۔ انہیں انعام و اکرام سے نوازا۔ اس کی علمی فیاضیوں کا یہ اثر ہوا کہ ایران کے شعراء، سخن پرور اور سخن فہم کی ایک بڑی تعداد ہندوستان ہجرت کر کے آگرہ میں منتقل ہوگئی۔

اکبر اچھی طرح جانتا تھا کہ ہندوستان میں مضبوط اور مستحکم حکومت راجپوتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھ کر ہی قائم رہ سکتی ہے۔ اور تخت و تاج کا استحکام ہندوؤں اور

مسلمانوں کی متحدہ وفاداری پر منحصر ہے۔ اس کے دور حکومت میں مذہبی بھید بھاؤ نہیں تھا۔ وہ خود بھی مذہبی معاملوں میں آزاد خیال تھا۔ اس کے عبادت خانوں میں مختلف مذاہب کے علماء کی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ جن میں ہندو علماء بھی برابر شریک ہوتے۔ وید منتر پڑھتے۔ جس کی بدولت جوگیوں سنتوں سے بھی اسے انس و ارادت پیدا ہوگئی تھی۔ اکبر کا اپنی زندگی کے آخری دور میں ہندو مذہب سے دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ وہ کبھی کبھی مسلمانوں کے ساتھ بے انصافیاں کر جاتا تھا۔ ہندو علماء کی خاطر داریاں کیا کرتا تھا۔ انہیں خطابات و انعامات سے نوازا کرتا تھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اکبر کی دیکھا دیکھی دوسرے امراء بھی ہندو ارباب علم وفن پر نوازش کرنے لگے۔

اکبرؒ کے دور حکومت میں سلطنت کی وسعت کے علاوہ تمام علوم وفنون، شاعری و ادب، صنعت وحرفت، تہذیب و ثقافت غرض ہر شعبہ حیات نے خوب ترقی حاصل کی۔ اس عہد میں تاریخ نویسی کی طرف زیادہ توجہ دی گئی۔ چونکہ اکبر تاریخ نویسی کا اعلیٰ ذوق رکھتا تھا۔ اس لیے اس کے عہد میں تاریخ نویسی اور وقائع نویسی پر نہ صرف مسلم مورخین اور ادباء نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ بلکہ ہندو مورخین اور فضلاء نے بھی تاریخی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں جو اس عہد کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ اور جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ اکبر کے دور حکومت میں سنسکرت اور عربی زبانوں کے علاوہ دیگر زبانوں کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ ہوا۔ اکبری دور کے فارسی تراجم تاریخی شاہکار ہیں۔

اکبر نے ہندو مذہب اور علوم وفنون کے ہر شعبہ میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس نے اپنی ہندو مسلم رعایا کی تعلیم کا انتظام اچھے ڈھنگ سے کیا۔ عام تعلیم کو رواج دیا۔ یعنی ہر مذہب و ملت کے طلباء تعلیم حاصل کر سکیں۔ مکاتب و مدارس میں ہندو اور مسلم طالب علم اکٹھے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ دونوں مذہب کے لوگوں کے لیے نصاب تعلیم مرتب کیا گیا۔ ہندوؤں کے لیے خاص نصاب مقرر کیا گیا۔ ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے:

"اخلاق ، حساب، سیاق، فلاحت، ساحت، هندسه ،
نجوم، رمل، تدبیر منزل، سیاست مدن، طب، منطق،

طبیعی، الٰهی، ریاضی، تاریخ مرتبه، مرتبه اندوز دواز
هندی علوم بیا کرن، نیائی، بیدانت، پا تنجل بر خواند و
هرکس را از بائیست وقت در نگزارند۔"[۱۳]

ان مکاتب و مدارس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"از این طرز آگهی مکتبها رونق دیگر گرفت و مدرسها
فروغ تازه یافت۔"[۱۴]

اکبر کی پالیسی کا یہ اثر ہوا کہ ہندوؤں نے ہر شعبہ علم میں کارہای نمایاں انجام دیئے۔

اکبر کے دربار کے ہندو راجاؤں میں ٹوڈرمل نے اپنی اصلاحات نافذ کیں اور یہ فرمان جاری کیا کہ فارسی کو دفتری زبان کا درجہ دیا جائے اور تمام دفتری امور فارسی زبان میں انجام دیئے جائیں۔ اس فرمان سے نہ صرف مسلم طبقہ خوش تھا بلکہ ہندو بھی اس فرمان سے راضی تھے۔ اس طرح فارسی زبان اکبر کے دور حکومت میں سیاسی اور دفتری زبان قرار پائی۔ اب ہندوؤں کے لیے فارسی زبان و ادب کو سیکھنا ضروری ہوگیا اور انہوں نے جوق در جوق فارسی پڑھنی شروع کردی۔ دفاتر اور مناصب پر بے شمار ہندو فائز ہوگئے۔ خود راجا ٹوڈرمل فارسی زبان پر مہارت رکھتا تھا۔ فارسی کی بہت سی کتابیں اس کے نام سے منسوب کی جاتی ہیں۔ تقریباً اٹھارویں صدی کے آخر تک فارسی زبان کو ہندوؤں نے خوب رواج دیا اور ترقی دی۔

فارسی زبان اکبر کے عہد میں ہندوؤں کے ہاں پڑھائی جانے لگی اور کایستھ خاندان کے ہندوؤں نے اس زبان میں خاص دلچسپی کا اظہار کیا۔ کیونکہ اس خاندان میں فارسی پڑھنے کا دستور شروع سے تھا۔ دربار میں منشی گیری کا کام کایستھ خاندان کے لوگ ہی انجام دیتے تھے۔ فارسی کو دفتری درجہ حاصل ہونے پر ان لوگوں نے اس زبان پر ملکہ حاصل کرلیا۔ اس طرح فارسی میں تمام علوم وفنون کو فروغ دینے میں ہندوؤں کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔

اکبر کے دربار کے ہندو امراء نے بھی فارسی زبان و ادب اور علم وفن اور اس کی

تعلیم و تدریس کی دل کھول کر خدمت کی کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ خود ماہر علوم وفنون کو وظائف و انعامات سے نوازتا رہتا تھا۔ اس کے دربار کے ہندو امراء و فضلاء میں راجا ٹوڈرمل، امیرالامراء راجہ بھگوان داس، راجہ مان سنگھ اور راجا بیربل کے نام قابل ذکر ہیں۔

راجا ٹوڈرمل کا شمار اکبر کے دربار کے نورتن میں ہوتا تھا۔ وہ وزیر مالیات کے عہدے پر فائز تھا۔ اکبر کے عہد میں فارسی زبان کو دفتری زبان کا درجہ اسی نے دلوایا۔ دفتری انتظامات میں نئی نئی اصلاحات کیں اور اپنی محنت اور مستعدی سے اکبر کا اعتقاد حاصل کیا۔ جس کی وجہ سے اسے عمدۃ الملک راجہ ٹوڈرمل کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ علم کے ساتھ ساتھ وہ میدان جنگ میں بھی اکبر بادشاہ کے ساتھ برابر شریک رہا۔

خلاصۃ التواریخ کے مصنف راجہ ٹوڈرمل کے بارے میں لکھتے ہیں:

"در دقایق، سیاق و حقایق بے نظیر، در علم محاسبات موشگاف، ضوابط و قوانین، وزارت و تنظیم احکامات سلطنت و بندوبست، امور مملکت و آبادی و معموری رعیت و دستورالعمل، کارهای دیوانی و قانون اخذ، حقوق سلطانی، وافزونی خزانه و اسینت مسالك و تادیب سرکشان و تسخیر ممالك و دستور مناصب امراء موجب سپاه دوامی پرگنات و تنخواه جاگیر از ویادگاراست۔"[۱۵]

تذکرہ خوش نویساں کے مصنف لکھتے ہیں:

"ٹوڈرمل از طائفه کتهری، نویسنده چابکدستی و خطوط بخوش خطی و نمکی می نوشت۔ بوسیله مظفر خان مرتبه وزارت اکبری رسیده۔"[۱۶]

راجا ٹوڈرمل کی فارسی تصنیف خازن اسرار یا دستورالعمل ہے۔ بھگوت پران اور رسالہ حساب بھی ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔

اکبر کے دور میں شاعری کو بھی عروج حاصل ہوا۔ وہ علوم وفنون کا قدردان تھا۔

اس کے علمی و ذاتی شوق کا یہ عالم تھا کہ فارسی کی مشہور و معروف کتابوں میں سے شاید کوئی کتاب ایسی ہو جو اکبر کے سامنے نہ پڑھی گئی ہو۔ حافظ اور مولانا روم کی مثنوی کے بیشتر اشعار اسے زبانی یاد تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود بھی شعر کہنے لگا تھا۔ ابوالفضل، اکبر کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"طبع الهام پذیر آنحضرت بگفتن نظم هندی و فارسی بغایت موافق افتاده در دقایق تخیلات شعری نکته سنجی و موشگافی می فرمانید۔" [۱۷]

اکبر کے دربار میں ہر طبقہ کے شعراء کو درباری شرف حاصل تھا۔ اکبر شعراء کی قدردانی اور حوصلہ افزائی دل کھول کر کرتا تھا۔ ان پر سیم و زر کی نوازشیں کرتا۔ اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے دربار میں پہلی بار شعراء کی قدر و منزلت کی خاطر ملک الشعراء کا خطاب مقرر کیا گیا۔ نہ صرف مسلم طبقہ کے شعراء کو اس کے دربار میں رسائی حاصل تھی بلکہ ہندو شعراء کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور انہیں بھی وہی مرتبہ و مقام حاصل تھا جو ایک مسلم طبقہ کے سخنور کو عطا کیا جاتا تھا۔

مرزا منوہر توسنی نہ صرف اکبر کے دربار کا ہندو شاعر تھا بلکہ ہندوستان میں فارسی زبان کا پہلا قابل ذکر ہندو شاعر تھا۔ اسے فارسی زبان سے گہری دلچسپی اور اس پر کامل عبور حاصل تھا۔ وہ نہایت صاف ستھرا اور پاکیزہ شعر کہتا تھا۔ اس کے کلام میں اسلامی تخیل صاف طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ محمد منوہر کہلانے پر فخر کرتا تھا۔ بدایونی، منوہر کے حالات کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

"منوهر نام دارد، ولدمون کرن راجه سانبراست که درنمکزار مشهور است و این نمك در سخن او تاثیر این سر زمین است صاحب حسن غریب و ذهن عجیب است۔ اول اورا محمد منوهری خوانند ند بعد ازان میرزا منوهر خطاب یافت و پدرش باوجود کفر بشرف و افتخاد و مباهات

محمد منوهر می گفت. و هر چند مرضئ طبع بادشاهی نبود طبع نظمی دارد۔"[۱۸]

اکبر کا پچاس سالہ دورۂ حکومت علمی حیثیت سے کم درخشاں نہیں یوں تو مغل حکومت کی تاریخ میں علم پروری اور علم نوازی اس حکومت کی بنیاد کے ساتھ نظر آتی ہے۔ لیکن علوم وفنون کا عظیم الشان محل اکبر کے عہد میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس کے دور حکومت میں ہندو علماء وشعراء نے وہ نثری اور شعری کارنامے انجام دیئے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ فارسی نثر کے اعلیٰ کام اس دور میں ہوئے۔ گردھر داس گوپال، چندر امن بیدل، کایستھ مادھوپوری، امر سنگھ، امانت رائے، مصر رام داس قابل اور نامعلوم مترجمین نے رامائن کا فارسی میں ترجمے کئے۔

غرض اکبری دور حکومت فارسی ادبیات وشاعری کی ترقی میں بام عروج پر پہنچ گیا تھا اور علمی وادبی ستاروں سے اس کا دربار روشن ومنور تھا۔

شہنشاہ اکبر کے بعد اس کا بیٹا نورالدین جہانگیر (۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۸ء) تخت نشیں ہوا۔ اس نے بھی اپنے آباء واجداد کی قابل ستائش صفات کو محفوظ و برقرار رکھا۔ اور اپنے دربار کو فارسی زبان و ادب اور شعر وسخن کا گہوارہ بنایا۔ فارسی اور ترکی زبانوں میں اچھی دسترس پیدا کی۔ جہانگیر فارسی زبان کا اچھا انشاء پرداز تھا۔ توزک جہانگیری اس کی نثر نگاری کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ جو سادگی و صفائی اور قادرالکلامی کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ تاریخی نقطہ نظر سے توزک جہانگیری نہایت اہم دستاویز ہے۔

جہانگیر کی قادرالکلامی نہ صرف نثر ہی تک محدود تھی بلکہ وہ شعر وشاعری اور علم و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتا تھا۔ وہ خود شاعر تھا۔ اکثر اپنے اساتذہ کی پیروی میں شعر کہتا تھا اپنی توزک میں جابجا موقع ومحل کے مطابق اشعار لکھے ہیں جن سے اس کے حسن ذوق کا پتہ چلتا ہے۔ چونکہ جہانگیر شعر شناس تھا، اس لئے شعراء کی قدردانی اور سرپرستی کرتا تھا۔ طالب آملی، عرفی، نظیری، شکیبی، حیاتی، شیدا وغیرہ شعراء اس کے دامن دولت سے وابستہ رہے اور انعام واکرام پاتے رہے۔

شعرالعجم کے مصنف اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"باید دانست که هر یك از فرمانروایان سلسله تیموری
سخن فهم و آشنا به رموز سخن بوده اند و لیکن جهانگیر
درین فن استادمهارتی بسزاداشت فطرة وی محبت کیش
بوده از نخست دلی دردمندداشته است۔" [۱۹]

جہانگیر کے دربار میں نہ صرف مسلم شعراء، علماء، فضلاء کو قدر و منزلت اور اعلیٰ مناصب عطا تھے بلکہ ہندو علماء، فضلاء، شعراء اور امراء کو اپنے دورِ حکومت میں ذمہ دار عہدوں پر مقرر کیا۔ ہندوؤں کے ساتھ رواداری اور بے تعصبی اکبر سے کسی طرح کم نہ تھی۔

"جهانگیر شعر کا اچھا ذوق رکھتا تھا۔ وہ علوم و
عروض کو سمجھتا تھا۔ ایك بار ایك ہندو شاعر نے ایك
اچھے مضمون کی نظم پڑھی جس کا اصل یہ تھا کہ "اگر
آفتاب کا کوئی بیٹا ہوتا تو کبھی رات نہ ہوتی کیونکہ جب
آفتاب چھپ جاتا تو اس کا بیٹا اس کے بجائے عالم افروزی
کرتا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کے والد کو خدا نے ایسابیٹا
دیا کہ لوگوں نے ان کے انتقال کا غم نہ کیا۔ آفتاب کو رشك
ہے کہ آپ کے طالع کی روشنی اور عدالت کے نور سلطنت
میں‌کہیں رات نہیں۔"

جہانگیر اس اچھوتے خیال کو سن کر بہت محظوظ ہوا اور ایک ہاتھی انعام میں دیا۔'' [۲۰]

جہانگیر کے متعلق لکھتا ہے:

"این تازگی مضمون ازشعرائی هند کم بگوش رسیده،
به جلدوی این مدح فیلی باو مرحمت کردم۔

جہانگیر کے حکم سے ان اشعار کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا گیا۔

"گر سرداشتی جهان افروز شب نه گشتی همیشه بودی روز

زآنکه چون او نهفته افسرزر   به نمودی کلاه گوشه پسر
شکر کز بعد آن چنان پدری   جانشین گشت این چنین پسری
که زشنقار گشتن آن شاه   کس به ماتم نه کرد جامه سیاہ" ۲۱

میرزا منوہر توسنی جو اکبری دور کا ہندو فارسی شاعر تھا۔ اس نے زیادہ تر جہانگیر کی رفاقت میں تربیت پائی۔ جہانگیر کا سلوک اپنی بادشاہی کے زمانے میں اس کے ساتھ بہت حد تک مربیانہ رہا۔" ۲۲

اکبر اور جہانگیر کی طرح شاہجہان (۱۰۳۷ھ/۱۰۶۸ھ) کا دور حکومت تعمیری اور علمی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ اس بادشاہ نے فن تعمیر پر زیادہ توجہ دی۔ اس کا حسن ذوق فن مصوری و نقاشی، مکاتب و مدارس اور مساجد وغیرہ کے تعمیری کاموں میں ظاہر ہوتا ہے۔

شاہجہاں کو علم و ادب کا ماحول اپنے آبا و اجداد کی طرح وراثت میں ملا تھا۔ اس کے دربار کی شان وشوکت اس کے دربار میں موجود قابل ذکر علماء، فضلاء، اور شعراء سے ظاہر ہوتی ہے۔ حالانکہ علم و ادب سے اسے خاص لگاؤ نہیں تھا۔ اس کے باوجود اس کے دربار کی علمی فضا اور اہل سخن کے ساتھ اس کی فیاضیاں اس کے ذوق سلیم کی شاہد ہیں۔ اس کی شاہانہ سرپرستی کے چرچے سن کر ایران سے نامور شعراء نے ہندوستان کا رخ کیا۔ بقول مولانا شبلی "ایران اور ہندوستان ایک مکان کے دو صحن بن گئے۔" ۲۳

شاہجہاں نے ان شعراء کی شایان شان سرپرستی کی۔ انہیں انعام و اکرام اور اعزازات سے نوازا۔ بعض کے روزینے مقرر کئے۔ اور بعض کو جاگیریں عطا کیں اور علماء بھی فیوض شاہجہانی سے مالا مال ہوئے۔ بادشاہ اپنی شاہانہ سرپرستی، فیاضی اور شعراء اور ارباب کمال کی قدردانی میں اکبر اور جہانگیر سے بھی بازی لے گیا تھا۔

مسلم شعراء میں ابوطالب کلیم جو جہانگیر کے دور حکومت میں ہندوستان آیا تھا۔ اپنے کلام کی بدولت عہد شاہجہانی میں ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا گیا۔ محمد جان قدسی نے بھی بادشاہ کی داد و دہش کے چرچے سن کر ہندوستان کا رخ کیا۔ او ہفت ہزاری منصب کا امیر بنا۔ اور بعد میں دربار میں اپنی شاعری کا سکہ جما کر ملک الشعراء کے خطاب سے بھی

سرفراز کیا گیا۔ ان کے علاوہ دیگر نامور شعراء مثلاً میں صائب، ظفرخان احسن، سالک یزدی، شیدا، محمد طاہر آشنا، حکیم حاذق گیلانی وغیرہ کے ساتھ شاہجہاں نے ہندو اہل کمال کی بھی سرپرستی کی۔ اس کے دور حکومت میں مسلمانوں میں اور خاص کر ہندوؤں میں انشاء، شاعری اور تاریخ کو ترقی حاصل ہوئی۔ تاریخ نویسی میں ہندوؤں نے خوب کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ہندو مورخین میں بندرابن داس بہادر شاہی جنہوں نے لب التواریخ کے نام سے تاریخی کتاب لکھی۔ ''پہلے یہ شاہجہان کے معمولی منشیوں میں ملازم تھا لیکن اس کے بعد اپنی بے نظیر ذہانت، دیانت اور قول و عمل سے ترقی کرتے کرتے پنجاب کا دیوان مقرر ہوا۔ ۲ میں جلوس شاہجہانی میں اس کے دوبارہ پائے تخت مین واپس بلالیا گیا۔ اور رائے ہزاری ذات کی عزت سے مفخر کیا گیا۔''۲۴ے

چہار چمن مصنفہ چندر بھان برہمن کو سرجادو ناتھ نے شاہجہانی دور کی تاریخ میں شمار کیا ہے۔ ۲۵ے بھگونت داس نے شاہ جہاں نامہ کی تصنیف کی۔ یہ رسالہ شاہجہاں کے زمانے میں لکھا گیا۔ جو ۵۴ منظوقوں پر مشتمل ہے اور اس میں مغلیہ خاندان کا، آدم علیہ السلام سے لے کر شاہجہاں کی تخت نشینی تک کا حال درج کیا گیا ہے۔ ۲۶ے

عہد شاہجہانی میں چندر بھان جو برہمن کے نام سے مشہور تھا ایک نامور ہندو شاعر، مورخ، منشی اور مصنف گذرا ہے۔ یہ شاہجہاں کے دربار کا مشہور و معروف شاعر تھا۔ اپنی خداداد قابلیت سے متصف تھا۔ نظم و نثر دونوں میں اسے ملکہ حاصل تھا۔ خاص طور پر اس نے شاعری میں اپنا دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی تصانیف میں گلدستہ تحفتہ الانوار، تحفتہ الفصحا، مجمع الفقراء، رقعات برہمن وغیرہ اس کی مرصع و مسجع نثر نگاری کا بہترین نمونہ ہیں۔ اس کے علاوہ متھرا داس ہندو، بنوالی داس ولی، وامق کھتری وغیرہ بھی اسی عہد کے نامور شعراء ہیں۔

ہندو شعراء میں سندر داس اس کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ چنتامنی اور راجہ شمبھوناتھ بھی اس کے دربار سے منسلک تھے۔ راجہ شمبھو ناتھ نے شاہجہاں کی فرمائش پر کوندا کلب لتا لکھی۔ اس کتاب میں شاہجہاں نے داراشکوہ اور جہاں آرا پر مدحیہ نظمیں لکھی

ہیں ۲۷۔ اس کے علاوہ شوقی (مل رائے) جو گلدستہ سخن کا مصنف ہے شاہجہان کی مدح میں قصیدے کہے ہیں وہ عہد شاہجہانی میں سرکاری ملازمت میں تھا۔

داراشکوہ ہندوؤں کے علم و ادب اور خاص کر سنسکرت زبان سے زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ عربی اور فارسی زبان پر اسے عبور حاصل تھا۔ ہندوؤں کے مذہب اور تصوف سے زیادہ رغبت رکھتا تھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کے دربار میں جوگیوں، سنتوں اور برہمنوں کی مجلسیں منعقد رہتی تھیں۔ وہ ہر وقت ان کی صحبت میں رہتا۔ اس نے ہر ملک کے ارباب کمال اور ذی علم شخصیتوں سے فارسی زبان میں ویدوں کا ترجمہ کروایا۔ وہ خود بھی صاحب تصنیف تھا اور بیشتر کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ اس نے اپنشدوں کا ترجمہ سرالاسرار (یا سر اکبر) کے نام سے کیا۔ وحدۃ الوجود کا قائل تھا۔ اسی وجہ سے اس نے چند نامور اور فاضل پنڈتوں کے ذریعہ اپنشدوں کا ترجمہ کرایا جو ۱۶۵۷ء میں مکمل ہوا۔

چندر بھان برہمن جو شاہجہانی عہد کا مشہور و معروف شاعر تھا اسے داراشکوہ کے عہد حکومت میں شاہانہ سرپرستی حاصل رہی۔ اس کے علاوہ داراشکوہ کے درباری ہندو شعراء میں بیغم بیراگی بھی تھا۔ جس کی مثنوی تصوف میں مشہور ہے۔ اور اس کے بعض اشعار پر مثنوی رومی کا گمان ہوتا ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت میں علم و ادب کا چرچا رہا۔ اس بادشاہ نے تقریباً پچاس سال تک حکومت کی۔ اس کے دربار میں بھی ہندو علماء، ادباء، مورخین اور شعراء نے فارسی زبان و ادب کی قدر و منزلت کو چار چاند لگایا ہے اور اپنی بے مثال تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جو تاریخی اعتبار سے مغلیہ دور کے قیمتی شہ پارے ہیں۔

ہندو اہل قلم نے اورنگ زیب کے عہد حکومت میں مختلف اہم موضوعات پر تاریخی و ادبی کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً فن انشاء، مکاتیب، اخلاقیات اور مختلف زبانوں کی داستانوں کو فارسی میں تراجم کئے۔ اورنگ زیب خود بھی مکتوب نگاری کا اعلیٰ ذوق رکھتا تھا۔ اس کے مکاتیب ہندوستان کے فارسی ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ مکاتیب و انشاء کو ہندو ادباء نے اکٹھا کیا۔ اور کتاب کی شکل دی۔

کارنامہ اور نگارنامہ جو منشی لعل چند ملتانی نے مرتب کیا۔ اس میں اورنگ زیب کے خطوط، سرکاری دستاویز، فرامین و اسناد شامل ہیں۔ میگھ راج نے مفید الانشاء مرتب کی۔ جو اورنگ زیب کے مکاتیب پر مشتمل ہے۔ خلاصۃ المکاتیب کو سجان رائے بٹالوی نے تالیف کی۔ کارنامہ واقعہ کے مصنف چھچل منشی ہیں۔ گلدستہ سخن کومل رائے شوق نے مرتب کیا۔ ان کے علاوہ دیگر زبانوں کی داستانیں مثلاً سنگھاسن بتیسی کو ابن ہرکرن نے فارسی میں تصنیف کی۔ اور اسی عہد میں شاہنامہ کے عنوان سے چتر بھج بن مہر چند کایستھ نے یہ داستان فارسی میں لکھی۔ قصہ میکا و منوہر کو مادھوداس گجراتی نے تصنیف کی۔ حکایت ناسکیت کے مصنف روپ نرائن کھتری بن ہری رام سیالکوٹی ہیں جنہوں نے اس کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ اور اس کا نام حکایت ناسکیت رکھا ان کے علاوہ رامائن کو چندرمن بیدل نے منظوم و منثور شکل میں لکھا۔

تاریخی کتابوں میں لب التواریخ کو رائے بندرا ابن اور رائے بھاڑامل نے جو شاہجہان کے دور حکومت میں دیوانی کے عہدے پر فائز تھے (۱۱۰۶ھ / ۹۵-۱۶۹۴ء) میں تکمیل کی۔ یہ کتاب ہندوستان کے تاریخی حالات پر مشتمل ہے۔ بعد کے مورخین کے لیے یہ کتاب تاریخی اعتبار سے مستند ماخذ ہے۔ اس کے علاوہ منتخب التواریخ (تلخیص) کے مصنف جگجیون داس بن منوہر داس ہیں۔ خلاصۃ التواریخ، سجان رائے بٹالوی نے لکھی۔ تحفۃ الہند، مولفہ لعل رام بن رائے دولہ رام کی تالیف ہے، فتوحات عالمگیری کے مولف ایسر داس ناگر ہیں اور تاریخ دلکشا بھیم سین کایستھ نے تالیف کی۔

اورنگ زیب کے دور حکومت تک ہندو سرکاری کام میں بہت زیادہ دخیل ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے اس کے دور حکومت میں جتنی بھی تاریخ، مکاتیب اور انشاء کے موضوع پر کتابیں لکھی گئیں وہ بہت اہم اور مستند مانی جاتی ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے دربار کے ہندو شاعروں کو بلاتفریق مذہب و ملت اپنی فیاضیوں سے خوب نوازا۔ حالانکہ وہ قصیدہ گوئی کا مخالف تھا اور اپنے دربار سے اس نے ملک الشعراء کا عہدہ ختم کر دیا تھا، اس کے باوجود مسلم و ہندو شعراء دربار سے وابستہ رہے اور

سر پرستی عالمگیری سے محروم نہیں رہے۔ ہندی زبان کا مشہور شاعر چنتا منی کوی اور بیر داس جو رزمیہ شاعر تھا اورنگ زیب عالمگیر کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھا۔

فارسی شاعروں میں لالہ شیو رام داس حیا، بیغم بیراگی، سالم کشمیری، لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی، چندر من بیدل، اخلاص، کشن چند، وامق کھتری، منشی مادھو رام خوشگو، گلاب رای مخلص، سدانند بے تکلف، سبقت، وغیرہ قابل ذکر اور نامور شعراء دربار سے وابستہ رہے۔ جو نہ صرف دربار اورنگ زیب عالمگیری سے فیضیاب ہوئے بلکہ زیادہ تر شعراء نے فارسی زبان و ادب کی خدمت کی۔ اور دیوان یادگار چھوڑے ہیں جو فارسی علم و ادب کے قیمتی سرمایہ ہیں۔

ہندوستان میں مغل معاشرہ اور اس کی ثقافت کو دربار کی شان و شوکت، مغل حکمرانوں کے جاہ و جلال اور امراء کی خوش حالی سے جانچا اور پرکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے مغل دور حکومت کو ہندوستان کی تاریخ کا سنہرہ دور کہا جاتا ہے۔ اس سنہرہ دور کی نشانیاں آج تک محلات، باغات، قلعے، دروازے اور بارہ دریوں کی شکل میں موجود ہیں۔ جو عظمت رفتہ اور قصہ پارینہ کی یاد دلاتی ہیں اور جب ہم تاریخوں میں مغل دربار کی رسومات، تفریحات، تہوار، جشنوں اور جلوسوں کی شان و شوکت کے بارے میں تفصیل سے پڑھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کو مغلوں نے عظمت کی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا۔ مغل دربار کی مصوری، موسیقی، علم و ادب، شعرو شاعری، فن تعمیر اور انتظام سلطنت نے ان کی حکومت کو دنیا کی دوسری عظیم سلطنتوں سے ممتاز کر دیا۔ مغل حکمرانوں کی انسان دوستی اور انصاف پسندی کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور حکومت میں رعیت خوش حالی اور امن و امان و چین کی زندگی گزار رہی تھی۔

مغلوں سے پہلے کے حکمران، سلاطین کے نام سے مشہور ہوئے۔ لیکن بابر نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ بابر غیر معمولی لیاقت و استعداد کا مالک تھا۔ اس میں وسعت قلبی، فیاضی، انسانی ہمدردی، رحم دلی، سادگی جیسی خوبیاں موجود تھیں وہ ہر محفل میں شمع محفل کی حیثیت رکھتا تھا۔ حالانکہ بابر اپنے مذہب، مسلم علماء، شیوخ اور فقہا کا بڑا احترام کرتا تھا۔

لیکن اس نے اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کو کبھی ان لوگوں کے محدود و متعصبانہ مذہبی مشوروں سے متاثر ہونے نہیں دیا۔ اس کے دربار میں مذہبی یا فرقہ وارانہ اختلاف و کش مکش بہت کم دیکھنے میں آئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے ہندوؤں کو کافر اور افغانوں کو نا قابل اعتماد بیان کیا ہے، اس کے باوجود اس کا رویہ ان کے ساتھ دوستانہ اور مہذبانہ تھا۔ میدان جنگ میں بھی اس کا رویہ اصول و قوانین کے مطابق ہوتا تھا۔ اس نے ہندوؤں کے مذہب اور ان کے معاشرتی اور سماجی رسومات پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ بہت سی رسومات جو ہندوؤں کے شادی بیاہ میں رائج رہیں انہیں شاہی خاندان والوں کے ساتھ عام مسلمانوں نے بھی قبول کیا۔ مغل بادشاہوں نے اپنے دور حکومت میں مساوات کو قائم کیا۔

مغل سلطنت کا وقار نہ صرف فوجی طاقت پر منحصر تھا بلکہ غیر مسلم رعایا اور خاص طور پر راجپوتوں کے ساتھ مذہبی رواداری کو بھی بڑا دخل تھا۔ بابر نے ایک جدید سلطنت کا تصور قائم کیا۔ جس کی بنیاد مذہبی یا طبقاتی تفریق کے بجائے سیاسی نظریات پر تھی۔ اس نے سلطنت میں بادشاہ کا مقام تعین کیا۔ راجپوتوں کے مسئلے کو اتحاد اور ازدواجی تعلقات کے ذریعہ حل کیا۔ اور دربار کو تمدنی و ثقافتی خصوصیات کا حامل بنایا۔ اس طرح بابر نے نہ صرف ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی بلکہ اس نے سلطنت کی خصوصیات اور اس کی رہنمائی کے اصولوں کو بھی واضح کردیا۔ اس نے ہندوستان میں ایک نئے خاندان اور نئی روایات کی بنیاد ڈالی۔ جس کی مثال کسی اور ملک کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

ہمایوں عربی، ترکی اور فارسی زبانوں کا ماہر تھا۔ وہ مہذب ہوشیار، سنجیدہ اور فیاض شخص تھا۔ وہ امن کو جنگ کے مقابلے میں زیادہ پسند کرتا تھا۔ اس کا مزاج صوفیانہ تھا۔

اکبر کا راجپوتوں کے ساتھ جو رویہ اور برتاؤ تھا اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ان کے سماجی یا مذہبی امور میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ راجپوت حکمران سلطنت کے وفادار ہیں لہٰذا اس نے اعلیٰ عہدوں پر انہیں فائز کیا۔ وہ اپنے ہم مرتبہ اور ہم عہدہ افسروں کے ساتھ بلا تفریق مذہب و ملت برابری کا حق رکھتا تھا۔ مغل حکمرانوں کی طرح اکبر نے بھی ۱۵۶۲ء میں راجپوتوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنے شروع

کئے صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں کہ:

''اکبر کے حرم میں کچھواہیہ خاندان کے راجہ بہاری مل کی لڑکی اور راجہ بھگوان داس کی بہن داخل ہوئی۔ اور محل میں آنے کے بعد اس کا لقب مریم زمانی ہوا۔ فتح پور سیکری میں جب اس کے لیے محل بنایا گیا تو اسی کے لقب کی نسبت سے اس کا محل مریم کا محل اور چمن مریم کا چمن کہلایا۔ یہ لقب بتاتا ہے کہ وہ محل میں آنے کے بعد وہ مسلمان ہوگئی۔ مرنے کے بعد مسلمانوں کی طرح دفن کی گئی۔ محل میں اس لیے نمایاں اور محبوب ہوگئی کہ اس کے بطن سے اکبر کا ولی عہد شہزادہ سلیم پیدا ہوا۔'' ۲۸

راجپوت راجاؤں نے بھی ایمانداری اور پورے اعتقاد کے ساتھ مغلوں کی سرپرستی میں حکومت کے کام انجام دیئے۔ راجپوتوں سے نزدیکی تعلقات قائم کرنے کے بعد اس نے ہندوؤں پر سے جزیہ بھی ختم کر دیا۔ اکبر نے اپنے دور حکومت کے اوائل سے ہی رواداری اور مذہبی ہمدردی کی راہ اختیار کی۔ اس نے ہر مذہب مثلاً ہندوؤں، عیسائیوں، زرتشت اور دیگر مذاہب کے علماء سے تعلق قائم کئے۔ وہ ان کے مذہب کے بارے میں بحث ومباحثہ کرتا۔ اس نے ہندوؤں کے مذہب کا گہرا مطالعہ کیا۔ اکبر کی رگوں میں ہمایوں کی صوفیانہ آزاد خیالی، حسن اخلاق اور سخاوت موجود تھی۔ وہ اتالیقی کے دوران ہی سے صوفیوں، درویشوں اور مشائخ کرام سے عقیدت واحترام کے جذبہ کے ساتھ ملتا تھا۔ اکثر بھیس بدل کر فقیروں، یوگیوں اور سادھوؤں سے ملتا۔ ہندو بیگمات کے مذہبی جوش اور سادگی نے بھی اکبر کے دماغ پر غیر ارادی طور پر اثر کیا۔ اور اپنی تعلیم وتربیت اور مزاج کی بنا پر اپنی غیر مسلم رعایا کے مذاہب، عقائد اور مکاتب فکر کا خیال رکھا۔

اکبر نے اپنے دور حکومت میں جہاں اور تبدیلیاں اور اصلاحیں کیں وہاں اس نے رسومات وتقریبات اور تہواروں میں بھی اضافے کئے۔ خاص طور سے ایرانی اور ہندوستانی تہواروں کو اس نے دربار کی تقریبات میں شامل کیا۔ ایرانیوں کا مشہور تہوار نوروز جیسے ہندوستان کے مسلم سلاطین نے بھی بڑی دھوم دھام کے ساتھ منایا، اکبر کے دور حکومت میں

جشن نوروز کی ابتداء ۱۵۸۲ء میں ہوئی۔ حالانکہ نوروز کا تہوار مسلمان علماء میں باعث اختلاف رہا لیکن ان اختلاف کے باوجود یہ تہوار اہتمام کے ساتھ منایا جاتا تھا۔ رقص و سرور کی محفلیں سجائی جاتی تھیں۔ اکبر کے دربار کو سلطنت مغلیہ کے رعب و دبدبہ اور وقار کو مدنظر رکھ کر سجایا جاتا تھا۔ دربار لگتا اور ان درباروں میں امراء اپنے بہترین لباس پہن کر صف بستہ کھڑے ہوتے۔ ہندوستان اور ایران کے شعراء اپنا کلام سناتے۔ بادشاہ درباریوں اور امراء کو قیمتی تحفے دیتا۔ خطابات عنایت کرتا۔ جاگیریں اور اعلیٰ منصب پر ترقی دیتا۔ یہ تہوار محل میں خوشگوار تبدیلی لاتے تھے۔ ان تقریبات کی اہمیت صرف ثقافتی اور سماجی نہیں ہوتی تھی بلکہ ان میں سیاسی مقاصد بھی پورے ہوتے تھے۔

اکبر سے لے کر شاہجہاں کے زمانے تک نوروز کا تہوار بڑے شان و شوکت کے ساتھ منایا جاتا رہا۔ اورنگ زیب نے یہ جشن نہیں منایا۔ اس نے اس کو اسراف سمجھ کر روک دیا۔ لیکن بہادر شاہ ظفر کے وقت تک یہ جشن اہتمام کے ساتھ منایا گیا۔ نوروز کے علاوہ عید گلابی یا آب پاشان کی تقریب بھی مغل بادشاہ مناتے رہے یہ ایرانی تقریب تھی۔ ان جشنوں سے ایک شاندار تہذیب و تمدن کا اندازہ ہوتا ہے۔

مغل بادشاہوں کے درباروں میں مسلمانوں کے مذہبی تہوار جیسے شب بارات، عیدالفطر، عیدالضحیٰ، عید میلادالنبی اور شب معراج وغیرہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ منائے جاتے تھے۔ دعوتوں، ضیافتوں، تحفے، تحائف اور محفل عیش و عشرت پر روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا تھا۔ دربار کی آرائش ان موقعوں پر ان کے تمدن کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہی۔ بادشاہ پورے جاہ و جلال کے ساتھ دربار میں جلوہ افروز ہوتے اور سب چھوٹے بڑے ہر مذہب و ملت کے لوگ ان کے حضور میں سجدہ بجالاتے۔ ان تہواروں پر بادشاہ، امراء اور دیگر اہل فن حضرات کو خلعت سے نوازتا تھا۔ ''اٹھارویں سال جلوس میں جشن عید میں عالمگیر نے رانا راج سنگھ مرزبان کو خلعت کے ساتھ جمدھر مرصع عطا کیا۔ اور مہاراجہ جسونت سنگھ کے لیے خلعت بھجوایا۔'' ۲۹

عید اور عیدالضحیٰ کی طرح شب بارات بھی عہد مغلیہ میں پرجوش طریقے سے منائی

جاتی تھی۔ شاہی محل اور دوسری عمارتوں کو چراغاں کیا جاتا تھا اور آتش بازی کے تماشے دکھائے جاتے تھے۔ بادشاہ محتاجوں میں روپیہ تقسیم کرتے تھے اور علماء کو انعام واکرام سے نوازتے تھے۔

مغل بادشاہوں نے نہ صرف مسلم تہواروں کو شایان شان طریقے سے منایا۔ بلکہ وہ ہندوؤں کے مشہور تہواروں رکشا بندھن، دیوالی، ہولی، دسہرہ اور شیوراتری وغیرہ کو بڑی دلچسپی کے ساتھ مناتے تھے۔ حکمران کی حیثیت مذہبی سے زیادہ ثقافتی ہوتی تھی۔

اکبر کے دربار میں رکشا بندھن کا تہوار بڑے پرجوش طریقے سے منایا جاتا تھا۔ اور امراء اور منصب دار لوگ اس کے ہاتھ پر جواہرات کی ڈوری باندھا کرتے۔ جہانگیر نے بھی اس رسم کو اپنے دربار میں قائم رکھا۔ دسہرہ کے دن یعنی رام کی راکشسوں پر فتح کی سالگرہ پر شاہی گھوڑے اور ہاتھی مرصع ساز وسامان کے ساتھ قطار در قطار بادشاہ کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ دیوالی کے تہوار پر شاہی محل، عمارات اور ہر جگہ کثرت سے چراغ جلائے جاتے۔ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں دیوالی کا تہوار بڑے شان وشوکت کے ساتھ منایا جاتا رہا۔ ہولی کے تہوار پر راجپوت شہزادیاں اپنی کنیزوں کے ساتھ شاہی محل میں ہولی کھیلتی تھیں۔ ان کے ساتھ اکبر اور جہانگیر بھی ہولی کھیلتے تھے۔ شیوراتری کے موقع پر تمام رات پوجا ہوتی۔ اکبر بھی یہ رات، جوگیوں اور سادھوؤں کے ساتھ گذارتا تھا۔ وہ اس کی درازئ عمر کی دعا کرتے۔

عالمگیر کے عہد میں بھی مذہبی رواداری کا پورا خیال رکھا گیا۔ ہندو اپنے مذہب کی رسومات اور تقریبات وتہوارات کو اسی طرح مناتے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سی مذہبی رسومات جو ہندوؤں کی شادی بیاہ میں رائج رہیں انہیں شاہی خاندان والوں کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں نے بھی قبول کیا۔ مغل بادشاہ کے حرم میں جب راجپوت شہزادیاں داخل ہوئیں تو شادی بیاہ کی رسومات میں اضافہ ہوتا گیا۔ شاہی محل میں نور جہاں اور اس کے خاندان کے اثرات بڑھے تو ان رسموں میں ایرانی لطافت اور نفاست سے ایک خاص رنگ پیدا ہوتا گیا۔

اکبر نہ صرف ان درباروں اور جشن کے مواقع پر ہی عوام کے سامنے آتا تھا۔ بلکہ وہ ہر روز صبح اپنے محل کے جھروکے سے درشن دیا کرتا تھا۔ لوگ بادشاہ کے دیدار کے لیے یا بادشاہ تک اپنی شکایت پہنچانے کے لیے بڑی تعداد میں جھروکے کے نیچے جمع ہوجاتے۔ اس طریقے کو ہندو خاص طور پر سراہتے تھے۔ اس بارے میں صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں کہ:

''اکبر کے دربار میں دربار داری کے بہت سے مراسم تھے۔ ہندو عوام کو اکبر پر ایسا اعتبار ہوگیا تھا کہ روزانہ صبح کو آفتاب پرستی کے وقت جھروکے کے نیچے جمع ہو جاتے اور جب تک اکبر کا درشن نہیں کرلیتے تھے مسواک نہ کرتے۔''[۳۰]

درشن کا رواج اکبر کے بعد شاہجہاں کے دور حکومت تک قائم رہا۔ عالمگیر نے اس رسم کو ختم کردیا۔

مغل بادشاہوں کی جانب سے امراء کو خطابات سے نوازا جاتا تھا۔ ان خطابات سے امراء کی بادشاہ اور حکومت سے وفاداری، محبت اور تعلق ظاہر ہوتا تھا۔ اکبر نے مسلمان امراء کو ملک یا دولہ پر ختم ہونے والے خطاب دیئے ملک پر ختم ہونے والے خطابات وزیروں کو دیئے جاتے تھے۔ یا اعلیٰ منصبداروں کو دیتے تھے۔ ہندو امراء کو مسلمان امراء سے مختلف خطابات دیئے جاتے تھے۔ یہ خطاب راجہ، مہاراجہ، رائے رایان، راؤ، رانا، رائے رایان کا خطاب امیر الامراء اور خان خانان کے برابر ہوتا تھا۔

اکبر اور دیگر مغل بادشاہوں نے ہندوستانی تہواروں اور رسومات کو دربار کی تقریبات میں شامل کر کے اپنی صلح کل کی پالیسی اور متحدہ قومیت کے نظریے کو پھیلایا۔ کیونکہ ان متحدہ رسومات کی وجہ سے مسلمان اور ہندو امراء میں یگانگت اور دوستی بڑھی۔ اور اس کا اثر عوام پر بھی ہوا۔ جنھوں نے مغل بادشاہوں کو غیر ملکی کے بجائے ہندوستانی سمجھنا شروع کردیا۔

مغل بادشاہ فنون لطیفہ کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ فن موسیقی، فن مصوری، فن

معماری اور فن خطاطی وغیرہ میں انہوں نے نہ صرف مسلم اہل فن کو سراہا اور ان کی قدر دانی کی، بلکہ ان کے دربار میں ہندو ماہرین فن بھی عزت و مرتبہ رکھتے تھے۔

فن موسیقی:

فن موسیقی کو مغل عہد میں بہت فروغ حاصل ہوا۔ حالانکہ بابر کی زندگی کا بیشتر حصہ قسمت کے نشیب و فراز میں گذرا۔ پھر بھی وہ علم و ادب سے دلچسپی کے ساتھ ساتھ موسیقی کا اعلیٰ ذوق رکھتا تھا۔ ہمایوں بھی موسیقی کو پسند کرتا تھا۔ اس کے دربار میں شاعر اور موسیقار بھی شامل تھے۔ وہ انہیں عہدے اور منصب عطا کرتا تھا۔

اکبر کا دور حکومت فنون لطیفہ کی وجہ سے ایک زرین عہد تصور کیا جاتا ہے۔ اسے فن موسیقی سے بے حد لگاؤ تھا۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے موسیقار جمع تھے۔ اس کے دربار کے موسیقار اور گانے والے زیادہ تر گوالیار کے رہنے والے تھے۔ راجہ مان سنگھ گوالیاری کی وجہ سے موسیقی کا بڑا مرکز تھا۔ اس کے عہد میں باز بہادر حاکم مالدہ موسیقی کا عاشق اور باز خانی اسلوب سرود کا موجد تھا۔ اودے پور کی رانی میران بائی مشہور شاعرہ اور مغنیہ تھی۔ ''مہار'' راگ کی ایک قسم ہے۔ جیسے میران بائی ملہار کہتے ہیں۔ اسی رانی کی اختراع ہے۔'' [۳۱] اکبر کے دربار میں ہندو، مسلمان، ایرانی، تورانی اور کشمیری گویے اور موسیقار موجود تھے۔ تان سین گوالیاری اکبر کے دربار کا مشہور و معروف گویا تھا۔ رام داس بھی اکبر کے دربار کا ماہر اہل فن تھا اور تان سین کا ثانی کہلاتا تھا۔

ان کے علاوہ اکبر کے دربار میں ہندو ماہرین فن موسیقی موجود تھے۔ سور داس گوالیاری اور میاں چند گوالیاری وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اکبر خود بھی موسیقی کا ماہر تھا۔ وہ تان سین کی بڑی قدر کرتا تھا۔ وہ تان سین کے ساتھ اس کے استاد ہری داس کے پاس جاتا جو اپنے عہد کے سب سے بڑے استاد اور بھگت سمجھے جاتے۔ تان سین جب کوئی چیز ہری داس کے سامنے گاتا تو اکبر اس کو غلط طریقے پر گانے کے لیے اشارہ کرتا تو اس وقت تان سین کو ہری داس ٹوکتے اور خود گا کر بتاتے۔ جس کو سن کر اکبر بہت محظوظ ہوتا۔'' تان

سین نے دھرپد کے مشکل راگ کو آسان بنا کر سوبہار ایجاد کیا۔ میاں کی سارنگ، میاں کی ٹوڑی اس کی طرف منسوب ہے۔ اس کی وجہ سے ہندوستان میں موسیقی کو عروج حاصل ہوا۔ وہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک نیا باب ہے۔'' ۳۲

اپنے باپ کی طرح جہانگیر نے بھی فن موسیقی کی دل کھول کر سرپرستی کی۔ ہندوستان میں موسیقی کی اہمیت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ مغل بادشاہ اور دربار کے دیگر امراء کے لیے مجلس موسیقی دربار کا اہم جز بن گئی تھی۔ جہانگیر نے اس کی جو فیاضانہ سرپرستی کی، وہ ایک روایت بن گئی۔ اس کے دربار میں مسلم فن موسیقی کے ساتھ ہندو اہل فن بھی موجود تھے۔

شاہجہاں کے دور حکومت میں جگناتھ کو مہا کوی کا خطاب دیا گیا۔ وہ فن موسیقی میں اعلیٰ مہارت رکھتا تھا۔ خود شاہجہاں بھی فن موسیقی سے شغف رکھتا تھا۔ موسیقی کا قدردان تھا۔ اس لیے اس نے جگناتھ جیسے مشہور ماہر فن موسیقار کو چاندی میں تولوا کر وہ چاندی اسے عطا کر دی تھی۔ تان سین کے بعد فن موسیقی میں اسی کا درجہ ہے۔

اورنگ زیب موسیقی کو شرعاً غلط اور ناجائز سمجھتا تھا۔ اس کے دربار میں موسیقی کی سرپرستی نہیں ہوسکی۔ لیکن شاہی تقریبات میں ان پر پابندی عائد نہیں کی جاتی تھی۔

مغل بادشاہوں کے علاوہ دربار کے امراء موسیقی کی قدردانی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اکبر کے دربار کا مشہور ومعروف درباری بیربل فن موسیقی میں مہارت رکھتا تھا۔ ہندی راگوں سے دلچسپی رکھتا تھا اور ساز بھی اچھی بجا سکتا تھا۔

محمد شاہ کے زمانے مین بھی فن موسیقی کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کی قدردانی روایت کے مطابق انتہائی کمال کو پہنچ گئی تھی۔ بہادر شاہ کے دربار میں بھی موسیقی کا کافی چرچا رہا۔ موسیقی کا فن مغلیہ دربار کے آخری وقت تک قائم رہا۔ ان بادشاہوں نے اس فن کی دل کھول کر سرپرستی کی۔

فن مصوری:

ہندوستان مین مسلمانوں کی آمد سے قبل ہی فن مصوری نے عروج حاصل کرلیا تھا۔ ہندوؤں کے مندروں اور راج محلوں کی دیواروں پر بڑے بڑے باکمال مصور تصویر کھینچتے تھے۔ مسلمان سلاطین و امراء نے زیادہ تر ہندوستانی انداز کو اپنایا اور دیواری تصاویر کی حوصلہ افزائی کی۔ مسلمانوں نے ہندوستانی مصوری کو ''کتابی تصویر'' کا لازوال تحفہ عطا کیا۔ مسلمان یہ فن ایران سے لائے تھے۔

بابر کو جنگ و جدال اور استحکام مملکت سے فرصت نہیں تھی جس کی وجہ سے فن مصوری کی قدردانی پوری طرح نہیں کر سکا۔ لیکن وہ مصوری کا اعلیٰ ذوق رکھتا تھا۔ توزک بابری مین اس کا قلم مصوری کے پھول بکھیرتا ہے۔ ہمایوں کو بھی فنون لطیفہ سے بے حد دلچسپی تھی۔ اکبر نے بھی مصوری کا فن اپنے باپ دادا سے ورثہ میں پایا تھا۔ اس کے دور حکومت میں مغل دبستان وجود میں آیا۔ اس نے اس فن اور ہندوستانی فنکاروں کی حوصلہ افزائی کی۔ اس کے دربار میں ہندو مصورین میں دسونت، گیسو، لال، ساون، مکند، مادھو، جگن مہیش، کھیم کرن، تارا، سانولہ رام وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ داستان امیر حمزہ کو مصور کرنے کا کام جو ہمایوں کے عہد میں مکمل نہیں ہوا تھا۔ اکبر نے میر سید علی تبریزی کے ذریعہ تکمیل کو پہنچایا۔ ان کے علاوہ بابر نامہ اور مہابھارت وغیرہ کے مصور نسخوں میں کئی ہندو مصورین کے نام قابل ذکر ہیں۔

جہانگیر کے دربار مین قابل قدر ہندو مصورین میں بشن داس اور منوہر باکمال مصور تھے۔ بشن داس شبیہ سازی میں بہت مشہور تھے۔ بساون کے بڑے بھائی منوہر بھی جہانگیر کے لیے بہت سی تصویر تیار کیں۔ جہانگیر قدیم تصاویر کا بھی بہت قدردان تھا۔ وہ مصوری اور فن مصوری پر نقد و نظر میں بڑا کمال رکھتا تھا۔ جہانگیر کا دور شبیہ سازی اور رنگ آمیزی کی ترقی کی وجہ سے مغل مصورین کا زرین دور کہلایا۔

شاہجہان نے فن معماری پر زیادہ توجہ کی تھی۔ فن مصوری سے بھی اسے لگاؤ تھا۔

درباری روایات کے مطابق اس نے مصوروں کی سرپرستی دل کھول کر کی۔اس کے دربار میں مسلم مصوروں کے علاوہ ہندو مصورین میں منوہر بچتر انوپ چند، چترمن امتیازی اہمیت رکھتے تھے۔شبیہ سازی اور روزمرہ کی مصوری میں بچتر بڑی مہارت رکھتا تھا۔اورنگ زیب شریعت کا پابند تھا۔اس کے باوجود اس فن کو سرپرستی حاصل رہی۔ یہ فن برابر ترقی کرتا رہا۔ کیونکہ امراء بھی مصوری کی قدردانی اور سرپرستی کرتے تھے۔

اٹھارویں صدی ہجری میں جہاندار شاہ (۱۷۱۲ء-۱۷۱۳ء) محمد شاہ (۱۷۱۹ء-۱۷۱۸ء) اور احمد شاہ کے دور حکومت میں بڑی سرمستی رہی۔اس لیے ان کے دور حکومت میں مصوروں کی تصویروں میں عاشقانہ رنگ نظر آتا ہے۔حکومت کے زوال کے آثار ان تصویروں میں نظر آتے ہیں۔

فن خطاطی:

فن خطاطی نے بھی مغل دور حکومت میں ترقی اور عروج حاصل کیا۔مسلمانوں کے ساتھ ہندو ماہرین خطاط دربار میں موجود رہتے تھے۔اکبر کے دربار کے ماہر ہندو خطاطوں میں پنڈت جگن ناتھ، رائے منوہر لال اور راجا ٹوڈرمل ممتاز تھے۔اورنگ زیب بھی خط نسخ اور نستعلیق دونوں پر دستگاہ رکھتا تھا۔اس کے عہد میں پنڈت لکشمی رام لالہ سکھ رام، منشی محبوب رائے، اور منشی کسن رائے مشہور ہندو خطاط اور خوش نویس گذرے ہیں۔

فن معماری:

ہندوستان میں فن معماری مغلوں کے عہد میں کمال کو پہنچا۔مغلوں کے زیر اثر ہندوؤں نے بھی اپنی عمارتوں کی تعمیر میں مغلوں کی پیروی کی۔انہوں نے نہ صرف مغلیہ طرز کی عمارتیں بنوائیں بلکہ ان پر کتبے بھی فارسی زبان میں لکھ کر نسب کئے۔جس سے ان کا فارسی زبان سے دلچسپی و شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔

نقش پارسی بر احجار ہند میں مرقوم ہے:

"بعضی ازین کتیبه های مذهبی که خیلی نادرولی

جالب توجه است عبارتست از بعض کتیبه های ابنیه
مذهبی هندو که مربوط بمعابد هندو است ولی بخط و زبان
فارسی نوشته شده مانند کتبه شاه عالم دوم
(۱۱۷۸هجری) راجع به "دورگا" و مانند معبدشیوا درمترا
(Muthra) که درسال ۱۲۲۲هجری ساخته شده و
هردودارای کتیبهٔ فارسی میباشند."۳۳

ہندوستان میں فنون لطیفہ اورفن تعمیرات کی ترقی فارسی نفوذ پر دلالت کرتی ہے۔
ہندوستانی فن تعمیر ایرانی اثرات سے بھرپور ہے۔ ہندو راجاؤں کے محل اور مذہبی عمارتیں
خصوصاً مندروں کی تعمیر میں اسلامی وایرانی اثرات کی زبردست آمیزش ہے۔

باب دوم

مغل عہد کے معروف فارسی شعراء

مرزا منوہر توسنی

منوہر نام توسنی تخلص سانبر کے راجہ لون کرن کے بیٹے تھے۔ اکبر کے دربار کے معزز امراء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کی پیدائش کا حال معلوم نہیں لیکن وفات ۹۹۱ ہجری میں ہوئی۔ طبقات اکبری میں ثبت ہے:

"راجه لون کرن از امرای دو هزاری بود و در سنه نهصد و نودویك در گذشت۔" [۳۴]

منوہر توسنی کے بچپن کے حالات اور تعلیم و تربیت کے بارے مین تفصیلی معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ طبقات اکبری کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بچپن کا زمانہ اکبر کی سرپرستی مین گذرا اور وہیں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ ان کی پرورش چونکہ محل میں ہوئی تھی۔ اور زیادہ تر وقت شہزادہ سلیم کی صحبت میں گذرا تھا اس لئے انہوں نے شاہی آداب و رسوم سیکھنے کے ساتھ ساتھ علم و ادب پر بھی دسترس حاصل کرلی۔

"رائے منوهر بن لون کرن از صغرمن در حجره شفقت الٰهی نشو و نما یافته در خدمت شاهزاده کامگار سلطان سلیم بزرگ شده۔" [۳۵]

میرزا منوہر توسنی کو تعلیم و تربیت کے لیے سازگار ماحول ملا اور وہ اکبر کے دربار کی علمی و ادبی محفلوں میں بھی برابر شریک رہے۔ شہزادہ سلیم کی صحبتوں نے ان کو اور جلا بخشی جس کے نتیجہ میں منوہر کو بھی نہ صرف شعر و شاعری سے دلچسپی پیدا ہوئی بلکہ وہ بھی شعر کہنے لگے۔ ان کا ابتدائی تخلص "کوسنی" تھا جس کی تائید طبقات اکبری کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

"خط سواد پیدا کرده، شعربهم رسانیده میگوید "کوسنی" تخلص دارد۔" [۳۶]

اکبر خود شعر شناس تھا۔ اور شعراء کی قدردانی اور سرپرستی کرتا تھا۔ شعراء کی ایک

بڑی تعداد اس کے دربار سے وابستہ تھی۔ جنہیں وہ انعام و اکرام سے نوازتا تھا۔ توسنی بھی اپنے کلام کی بدولت بادشاہ کے دربار کے پرگو فارسی شعراء خاص میں شمار ہونے لگے۔ اپنی قادرالکلامی کی وجہ سے انہیں اکبر نے مرزا منوہر کا خطاب دیا۔ مذہب اسلام سے انہیں خاص لگاؤ تھا۔ اس بات کی تردید ان کے کلام سے ہوتی ہے کہ وہ خود بھی محمد منوہر کہلوانا پسند کرتے تھے۔ ان کے والد باوجود مسلم نہ ہونے کے انہیں محمد منوہر کے نام سے پکارتے تھے۔
منتخب التواریخ میں بدایونی لکھتے ہیں:

"اول او را محمد منوهر می خواند ند بعد ازین مرزا منوهر خطاب یافت. وپدرش باوجود کفر بشرف و افتخار و مباهات همین محمد منوهر می گفت. هرچند مرضی طبع بادشاهی نبود." ۳۷

مولف ہمیشہ بہار منوہر کے خطاب کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"رائ منوهر نام خلف لون کرن راجه نمکساز مشهور سانبهرا ست بود. اکبر بادشاه نظر به صفای ذهنش نمود بخطاب میرزای سربلند ساختند." ۳۸

تذکرہ گل رعنا میں شفیق لکھتے ہیں:

"توسنیؔ تخلص رای منوهر و لدلون کرن راجه سانبهر است.د ر رایان صاحب رایت عهد اکبر معزز و مکرم می زیست." ۳۹

مخزن الغرائب کے مولف کا بیان ہے:

"از قوم راجپوت است. وی پسر لون کرن راجه سانبهراست که به نمکزار مشهوراست. پدرش باوجود کفر بشرف افتخار ومباهات محمد منوهر میگفت درزمان اکبر بادشاه با میرزای رسید." ۴۰

شمع انجمن کے مولف لکھتے ہیں:

"توسنی تخلص رای منوهر ولد مونکرن راجه
سانبهراست همیشه باشعرای اسلام مختلط بود۔"[۴۱]

بزم تیموریہ کے مصنف کا کہنا ہے:

"نام منوھر تھا۔ سانبر کے راجہ لون کرن کا لڑکا تھا۔
اکبر نے اس کو مرزا منوھر کا خطاب دیا تھا مگر اپنے آپ
کو منوھر لکھتا تھا۔"[۴۲]

اکبر نے جب توسنی کو نیا خطاب مرزا عطا کیا تو توسنی نے خوش ہو کر چند بیت بادشاہ کی تعریف وتوصیف میں بطور شکریہ کے پیش کئے:

"شربت آشا مادر بزم مادروی کشان
کز جگر در کف کباب درخون دل د رساغر است
پیك مردانست حرف از جان و دل گفتن بعشق
دل چون خون سخت بسته جان چون باد صر صراست
توسنی سوده سمند شوق در میدان عشق
می رسی ایمن بمقصد رهبرت چون اکبر است"[۴۳]

ایک اور موقع پر میرزا منوہر توسنی بادشاہ کے جاہ وجلال، اس کی سخاوت اور عدل و انصاف کی تعریف بیان کرتے ہیں کہ رعایا اس کے لطف وکرم سے خوش ہے:

"غرض زخلقت سایه همین بود که کسی
نبود حضرت خورشید پای خودننهد
خدابمسند فرمان دهیش جاندهد
که آشنا بود و داد آشنا ندهد"[۴۴]

میرزا منوہر توسنی اکبر کے دربار کے وہ پہلے ہندوفارسی زبان کے شاعر تھے جن کے کلام کی شہرت ایران تک پہنچی۔ اور میرزا صائب تبریزی جیسے بلند پایہ شاعر نے ان کے

اس شعر کو اپنی بیاض میں شامل کیا۔

زاهدا کعبه پرستی تو و ما دوست پرست
توبه این عقل مسلمانی و مابر همنیم[۴۵]

میرزا منوہر توسنؔ کا مندرجہ بالا شعر جو میرزا صائب تبریزی نے اپنے دیوان میں شامل کرلیا تھا۔ شاید اسی مناسبت سے تذکرہ نگار روز روشن نے جہاں توسنؔ کی شاعرانہ خوبیاں بیان کی ہے، وہیں ان کی مضمون نگاری اور الفاظ کی نشست و برخاست کی بھی تعریف کی ہے۔ اور میرزا منوہر توسن کو تبریزی لکھ گئے ہیں۔ جو سراسر اشتباہ ہے ان کے مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہوتا ہے:

"توسنی تبریزی در مضمون تراشی و گلدسته بندی و جامعه چینی و خلال سازی دستی داشت. و بدور اکبری پا بعرصه هندوستان گذاشت."[۴۶]

میرزا منوہر توسنؔ کو فارسی زبان پر دسترس حاصل تھی وہ خوش خیال اور شیرین بیان شاعر تھے۔ ان کا کلام آزردہ اور مردہ دلوں میں حرارت پیدا کردیتا ہے۔ وہ اگرچہ مسلمان نہ تھے لیکن انہوں نے اپنی شاعری میں فلسفۂ توحید اور وحدۃ الوجود کو بیان کیا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر انہوں نے نعت رسول اور منقبت میں اپنے دلی جذبات کا اظہار کمال خوبی سے کیا ہے۔ حالانکہ اس زمانے میں اور بھی ہندو شاعر تھے جن کے دل بھگتی تحریک کے زیر اثر یا صوفیہ حضرات کی تعلیمات اور صحبتوں سے اسلام کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے لیکن وہ اس کا اظہار برملا زبان سے نہیں کرتے تھے۔ میرزا منوہر توسن نے ان سب باتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مذہب اسلام کے لیے اپنے جذبات کا اظہار بے باکانہ کیا ہے۔ مخزن الغرائب کے مولف توسن کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"شاعر خوش خیال و شیرین مقال بود سوز سخنش آتش در دلهای مرده درزده و آتش فکرش ذوق صاحب تو اجر راتیز کرد. هر چند از دین حنیف بیگانه بود اما بباطن

سخنش یگانه، معلوم شود که توحید و نعت و منقبت
بسیار گفته و چنین هنود در هند بسیار هستندکه بسبب
ناقوس قوم خود اسلام را پوشیده داشته اند. چنانچه
کس رادیده خلص الفاظ اشعارش همه مزین خوش قماش
افتاده و بامذه بدل نزدیك قابل تحسین و آفرینست
هندوی کج مج زبان همنوای مرغان ایران باشد نهایت
غریب و شاداست۔" ۴۷؎

توسنی کی قادرالکلامی اور اس کی شاعرانہ محاسن کو تذکرہ نگاروں نے مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ جہانگیر نامہ میں جہاں جہانگیر کی حکومت کے ابتدائی بارہ سالوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں وہ بھی میرزا منوہر توسنی کے ذکر سے خالی نہیں ہے۔ جہانگیر نے بھی اس کی فہم وفراست کا اقرار کیا ہے اور اس کی شعرگوئی وسخن فہمی کا معترف نظر آتا ہے۔

"منوهر سنگ از قوم لچهو اهیهای سیکها وتست وپدرمن در خورد سالی به اوعنایت بسیاری کردند. و فارسی زبان بود بآن که از و تابه آدم اطلاق فهم هیچ یك قبله او می تو ان کرد خالی از فهمی نیست و شعر فارسی می گوید۔" ۴۸؎

تذکرہ گل رعنا کے مولف توسنی کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ وہ پہلا غیر مسلم شاعر ہے کہ جس کی شاعری کی شہرت ایران تک پہنچی:

"او اول شاعر هندوست که نامش به ایران رسیده و میرزا صائب شعر اودر بیاض خودثبت فرمود۔" ۴۹؎

نشترعشق کے مولف توسنی کی شاعرانہ خصوصیات، نفس مضمون، سلاست و روانی کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"فکر شعر بروانی و سلاست می فرمود. او اول
شعرای هنود است که نامش به ایران رسید میرزا صائبا

مرحوم از کلام او یک بیت رامی آید پسندیده داخل بیاض خود نموده باوجود ظلمت پرشتی خود را محمد منوهر می نامد۔" ۵۰ؐ

میرزا منوہر توسنی کا مجموعہ کلام یا کوئی دیوان دستیاب نہیں ہے۔ مختلف تذکرہ نگاروں نے ان کے جستہ جستہ پسندیدہ اشعار اپنے تذکروں میں پیش کئے ہیں۔ ان اشعار کے پیش نظر میں ان کی شاعرانہ خوبیوں پر ناقدانہ تجزیہ پیش کرتی ہوں۔

توسنی کے کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اسلام اور فارسی زبان سے خاص دلچسپی رکھتے تھے کیونکہ ان کے اشعار میں اسلامی تخیل کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ ان کے کلام میں عشق حقیقی کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ ان کا عشق، عشق مجازی نہیں ہے۔ انہوں نے غزلیات میں وحدانیت اور وحدۃ الوجود کے فلسفہ کو بیان کیا ہے اور یہ ہی عکس ان کی رباعیات میں بھی نظر آتا ہے۔ وہ عشق حقیقی کے جذبہ سے اس قدر سرشار نظر آتے ہیں کہ وہ دین سے بھی بے نیاز ہوگئے ہیں۔ اور ایزدتعالٰی کے عشق میں اس درجہ گرفتار ہیں کہ جس کی انتہا نہیں، فرماتے ہیں:

بی درد تودر دلم سراسر خاراست — بی عشق تو در جگر لبالب ناراست

بتخانه و کعبه هر دو نزدم کفراست — مارا به بیگانگی ایزد کاراست ۵۱ؐ

ان کا خیال ہے کہ اس مالک کی نظر میں سب برابر ہیں۔ چاہے وہ کعبہ کو ماننے والے ہوں یا بتوں کو پوجنے والے:

از اثر یك نگه اوست مست

هم بت و هم بتکده، هم بت پرست ۵۲ؐ

دوسری جگہ کہتے ہیں کہ اے زاہد تو اپنی کعبہ پرستی میں خوش ہے اور ہم اپنی بت پرستی پر نازاں ہیں۔ دونوں کا مالک وہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تو مسلمان ہے اور ہم برہمن:

زاهداکعبه پرستی و مادوست پرست

تو باین عقل مسلمانی و ما برهمنیم ۵۳ے

میرزا منوہر توسنی کہتے ہیں کہ شیخ اپنے دین دار ہونے پر فخر کرتا ہے اور برہمن اپنے کافر ہونے پر مغرور ہے۔ اس ذات باری کے عشق میں جو گرفتار ہے اس کو کفر و ایمان سے کوئی سروکار نہیں ہے:

شیخ مستغنی بدین وبرهمن مغرور کفر

مست حسن دوست را با کفر و ایمان کارنیست ۵۴ے

فارسی زبان ہندو اور مسلمانوں میں اتحاد کا ذریعہ تھی۔ میرزا منوہر توسنی ہندو اور مسلمانوں کے اتحاد کے لیے اپنے خیالات کا اظہار اس شعر سے کرتے ہیں:

یگانه گشتن و یکجا شدن چشم آموز

که هر دو چشم جدا دو جانمی نگرند ۵۵ے

میرزا منوہر توسنی کی کچھ رباعیات اور مثنوی کے اشعار ہمیں تذکرہ گل رعنا اور مخزن الغرائب سے دستیاب ہوئے ہیں۔ جن میں ان کے خیال کی پرواز اور انداز فکر کے ساتھ ساتھ درد دل اور عشق حقیقی کی مستی بھی شامل ہے جو کلام میں ایک عجیب کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ انہوں نے تجربوں اور مشاہدات کو پیش نظر رکھ کر ایسا انداز بیان اپنایا ہے کہ جس سے کلام کی دلنشینی میں اضافہ ہوتا ہے جس کا اظہار وہ اپنی ذیل کی رباعی میں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرا مذہب عشق ہے اور عشق کے مذہب میں میرے سامنے ہجر اور وصال کوئی معنی نہیں رکھتے کیونکہ میری آرزو ان دونوں جذبوں سے بھی بلند ہے:

در دل زهوت های و هوئی دگراست

از سینه ز شوق گفتگو ی د گراست

هجران چه وصل چیست در مذهب عشق

زین هر دو بلند آرزوی دگر است ۵۵ے

توسنی کی اس رباعی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حشر و نشر کے قائل ہیں اپنے اعمال کو ہی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں:

روز یکه مسموم حشر افزون گردد	وز آتش غم دو چهره گلگون گردد
مادر دوزخ چنان بذوقی سوزیم	کزرشك بهشتان خون گردد ۵۷

توسنی حالانکہ برہمن زادہ تھے اور ان کے افکار و خیالات میں ہندو عقاید کا عنصر نمایاں ہونا چاہیئے تھا لیکن مسلمان علماء و فضلاء اور خاص کر درباری شعراء کی صحبتوں اور ان کے کلام کے مطالعے سے ان کے دل و دماغ سے شرک اور بت پرستی کے جذبات و عقاید ختم ہو گئے تھے۔ وہ ظاہر میں برہمن زادہ تھے۔لیکن باطن میں توحید کو مانتے تھے۔ وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ اسلام سے سچی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ ان کا مطالعہ وسیع تھا۔ ان کے عشق میں سچائی اور خلوص پایا جاتا ہے۔ وہ ایک بلند پایۂ عاشق ہیں۔ان کے کلام میں اسلامی افکار واحساسات کارفرما ہیں۔

اپنی مثنوی کے ان اشعار میں وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگ رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ ان کے سینہ کو اپنے عشق و محبت سے بھردے اور ایسا دل عطا فرما دے کہ جو دنیا و جہان اور آخرت کے خزانوں سے پر ہو:

الٰهی سینه کن باعشق دم ساز	دلی ده معدن گنجینه راز
بدل داغ محبت جاودان ده	نشان مهر خود برفرق جان ده
امید من زتو انعام عام است	که نومیدی زدرگاهت حرام است
زبحر و حد تم گر ترکنی لب	چه کم گردد ترا زین بحر یارب
بوصف خویشتن گویا ی ام ده	بکوی خویشتن بویائییم ده
نمی دانم خدایا تو و دین چیست	گرفتار کمند آن و این چیست
اگر من کافرم دین از تو خواهم	یقینم ده که من این از تو خواهم
اگر ایمان همین است کعبه پرستی است	پرستار ان بت را طعنه از چیست
به کافر کفر بادین داردین ده	دلم را انشاء نوریقین ده
من سرگشته را از مهربانی	سوی خود خوان بهر رای دانی ۵۸

میرزا منوہر توسنی کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مذہب اسلام

کامطالعہ دقیق نظروں سے کیا تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن برگزیدہ ہستیوں سے وہ متاثر ہوئے تھے اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شخصیت ان کی نظر میں سب سے زیادہ اہم تھی۔ اس لیے انہوں نے حضرت علیؓ کی شان میں ایک منقبت لکھی۔ تمام اشعار میں انہوں نے ان کی صفات کو کمال خوبی سے نظم کی ہے:

تعالیٰ الله عجایب بارگاهست	که غیر از کعبه و بتخانه راهست
علی بگزیده لطف الله است	بمحشر مهربان عذر خواه است
نگنجد و صف حیدر در بیان ها	بود در منقبت قاصر زبان ها ۵۹

چندر بھان برہمن

چندر بھان نام، برہمن تخلص گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد پنڈت دھرم داس خطہ کشمیر سے ہجرت کر کے لاہور میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ جیسا کہ تذکرہ شعرای پنجاب میں ثبت ہے:

"نام پدرش دھرم داس از اھل خطه کشمیر بود." [۶۰]

ان کے والد دھرم داس ایک تجربہ کار انشاء پرداز تھے۔ انہیں فارسی زبان پر پوری طرح دستگاہ حاصل تھی۔ اور چونکہ مغل دور میں فارسی زبان کو دربار کی اور دفتر کی زبان کا درجہ حاصل تھا اور سلطنت کے تمام کام فارسی زبان میں انجام دیئے جاتے تھے۔ اکبر کی پالیسیوں نے ہندوؤں کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا اور ہر ہندو یہ چاہتا تھا کہ مغلیہ سلطنت کے انتظام میں شریک ہو۔ دھرم داس نے بھی اکبر کے دربار میں داخل ہو کر منصب سلطنت حاصل کیا۔ ایک مدت تک ملازمت میں رہے۔ بعد میں دنیا کی بے ثباتی ایسی نقش ہوئی کہ ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ جیسا کہ اس عبارت سے اندازہ ہوتا ہے۔

"آباو اجداد این درست اعتقاد بطرز قدیم خود عمل می نمودند تاکه نوبت به دھرم داس پدر این فقیر رسید، آن مخدوم نویسندۂ کاروانی بود، مدتی درسلك منصبداران خاصه شریفه انتظام داشت بعد از ان بی ثباتی روزگار مدار داشته، استغنائی خدمت و منصب نموده، در گوشه عافیت نشست." [۶۱]

دھرم داس کے چار بیٹے تھے۔ چندر بھان کے علاوہ اودے بھان، رائے بھان اور اندر بھان۔ ان میں دو ملازمت میں تھے اور اودے بھان نے آزادانہ بے تعلق زندگی بسر

کی۔ ۶۲

تذکرہ گل رعنا کے مولف کا بیان ہے کہ خود برہمن نے کہا ہے کہ ہم تین بھائی تھے۔

"رائی بھان واو دی بھان ومن سه بردار بودیم من ورائی بھان تجرد اختیار کردیم و هوس آزادی در سر داشتم واودی بھان به مقتضای استعداد و قابلیت که کسب معاش افتاد در خدمت عاقل خان بسر برد۔" ۶۳

مصنفین اور تذکرہ نگار برہمن کی جائی پیدائش کے بارے میں اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ کشن چند اخلاص برہمن کی جائی پیدائش کی بارے میں لکھتے ہیں:

"رائ چندر بھان متوطن لاهوری دارالا من صلح کل آرمیده و بسیار پسندیده وضع و دردمند و فقر دوست بود۔" ۶۴

صاحب تذکرہ حسینی نے اپنے تذکرہ میں جائے پیدائش اکبرآباد لکھی ہے۔

"دعاگوی شاعران خوش سخن چندر بھان برهمن از سکنه اکبر آباد است۔" ۶۵

گل رعنا میں شفیق کا بیان ہے:

"رائی چندربھان برهمن لاهوری ناقوس نوازبت خانه است۔" ۶۶

مولفین مراۃ الخیال، خم خانہ جاوید، نتائج الافکار اور شمع انجمن اس بات پر متفق ہیں کہ برہمن کی جائے پیدائش اکبرآباد ہی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ برہمن نے افضل خان کو خط لکھا تھا۔ جس میں انہوں نے لاہور، وہاں کی آب و ہوا، موسم وغیرہ کے حالات کو بہت ہی موثر انداز میں بیان کیا تھا وہ لکھتے ہیں کہ وہ جب لاہور پہنچے وہاں کے پرلطف حالات، آب و ہوا قدرتی مناظر اور دوسری دلچسپ

چیزوں کو دیکھ کر وہ گرویدہ ہو گئے ان سب سے متاثر ہو کر ہی برہمن نے لاہور کی تعریف میں چہار چمن لکھا۔ لیکن تذکرہ نگاروں نے ان کی اس عبارت سے اندازہ لگایا کہ برہمن لاہور کے رہنے والے تھے۔

"بعداز حصول رخصت از خدمت موهبت که اسیر سعادت جاودانی است قطع منازل وطی نموده بیدرقئه عنایت الٰهی وتوجه ظاهر و باطن قبله گاهی که در همه جا و همه وقت قرین حال این نیاز مند است۔ بدارالسلطنت لاهور که بمقتضای لطافت آب و هوا و اقسام خوبیهادم سادات بجنت الماوامی زند رسید۔ سجدات شکر و سپاس بدرگاه واهب العطایا بجاآورده۔"[۶۷]

ایک جگہ لکھتے ہیں:

" ...... این شکسته دل، درست اعتقاد، چند ر بهان برهمن شکستگی طبع دل را باعث درستی حال خود میداند، برهمن زاده ملك پنجاب است ...... مولد و منشای این نیاز مند شهر دارالسلطنت لاهور است۔"[۶۸]

برہمن نے چہار چمن میں اپنی جای پیدائش کا ذکر متعدد بار کیا ہے کہ ان کا مسکن لاہور ہی تھا جیسا کہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"خانه این مور ضعیف در همین شهر(لاهور) واقع است۔...... "[۶۹]

برہمن کا خاندان علم و ادب کا سرچشمہ تھا۔ اور یہ خاندانی علمی و ادبی فضلیت تھی کہ ان کے والد نے انہیں خاندانی روایت کے مطابق سنسکرت و بھاشا کی تعلیم دلائی۔ اپنے وقت کے پنڈتوں اور آچاریوں سے سنسکرت کے ہر شعبہ علم میں مکمل تعلیم حاصل کی۔ خاندانی علم سے فراغت پا کر ان کی طبیعت فارسی و عربی زبان سیکھنے کی طرف مائل ہوئی۔ عہد مروجہ کی اخلاقی، ادبی اور تاریخی کتابوں کے مطالعہ سے ان کے تعلیمی و تربیتی تجربہ میں اضافہ ہوا۔

برہمن نے فارسی وعربی کی ابتدائی تعلیم ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (۱۰۶۷ھ/۱۶۵۰ء) کی زیر سرپرستی حاصل کی۔ اور متداول علوم کی تکمیل ملا عبدالکریم لاہوری سے کی شاعری و انشاء کے دقائق سے آشنا ہوئے۔ نثر و نظم میں متقدمین و متاخرین کی تصانیف کا مطالعہ کیا۔ وہ نظم ونثر، انشاء پردازی، واقعہ نگاری اور جذبات کے ادا کرنے میں بے نظیر تھے۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اور عبدالکریم لاہوری جیسے استادوں نے تعلیم کے معاملے میں برہمن کی دل کھول کر سرپرستی کی۔ اس کے علاوہ برہمن نے دوسرے استادوں سے بھی استفادہ کیا اور اپنی علمی استعداد کو بڑھایا اور جو قربت اور تعلق انہیں مولانا سے تھا کسی دوسرے سے نہ تھا۔

برہمن نے چونکہ اوائل عمر میں کشمیری پنڈتوں سے خط کی اصلاح کرائی تھی۔ اس لئے ان کے خط میں ایک خاص نزاکت اور کشش تھی۔ انہیں خط شکستہ اور خط نستعلیق میں مہارت حاصل تھی۔ ان کے علاوہ دیگر خط کے وہ کامل خطاط تھے۔ انہوں نے بنارسی داس کی زیر قیادت خط نستعلیق، اور خط شکستہ ملا سدرا کی سرپرستی میں سیکھا۔ ان کے خط شکستہ نے ہی دشمن کی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ اور انہیں شکست دی۔ برہمن کو اپنے قلم کے بیان اور لباس پر خود ناز تھا کہتے ہیں:

یکی نشست خط خواهش از صحیفه دل

بسی نوشت برهمن شکسته و نستعلیق۰ ۷ے

وہ خود لکھتے ہیں کہ ان کے خطوط کے نمونے کی شہرت ایران وتوران تک پہنچی:

"رقائم و نوشته جات این نیاز منددرا یران و توران شهرت یافته اند و ما اطراف و اکناف هندوستان در ملك هرنا حیه رسیده." ۱ے

مروجہ علوم کی تحصیل کے بعد برہمن میر عبدالکریم داروغہ عمارات دولت خانہ دارالسلطنت کی خدمت میں ملازم ہوگئے۔ میر عبدالکریم لاہور کے صوبہ دار تھے۔ وہ عالم فاضل اور صنائع تھے۔ جب انہوں نے لاہور کی عمارات کی تعمیر شروع کرائیں۔ اس کے انتظام کے لیے دنیا بھر کے خطاط، مصور، اور سنگ تراش بلائے گئے۔ برہمن بھی ان دنوں

میر عبدالکریم کے ساتھ تھے۔ سارے کام ان کی زیرنگرانی انجام ہوئے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

"این نیاز مند فیض برده ملا عبدالکریم است"

(چهارچمن) [۴۲]

بعد میں افضل خان کے توسل سے دربار شاہجہانی میں رسائی ہوئی۔ افضل خان اور چندر بھان برہمن کے اختلاط وصحبت اور میل ومحبت کا ذکر برہمن کی تصانیف میں جابجا ملتا ہے۔ چہار چمن میں لکھتے ہیں:

روزی بندگان اعلیٰ حضرت ...... بتماشای حویلی ......
افضل خان ...... تشریف فرمودند. چون تماشاکنان بوسط
باغ رسیدند کمترین ...... راکه درسلك نشان آن خان ......
منظم بود. دست گرفته مشرف ملازمت ...... متعدد گردانید
ند .... بعرض رسانید ند که این همان شخص است که
نوشته حیات او مکرراز نظر ...... اقدس گذشته." [۴۳]

افضل خان نے ان کے نام اور کلام کو ایرانی شعراء سے بھی بڑھ کر مشہور کر دیا۔ افضل خان کی وفات (۱۰۴۸ھ/۱۶۳۹ء) کے بعد، برہمن کی لیاقت کی وجہ سے شاہجہان (۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء) نے انہیں اپنی سلطنت کا میر منشی مقرر کیا۔

شاہجہاں کی علم نوازی کی بدولت برہمن کی علمی قابلیتوں اور فضیلت کا چرچا تمام عالم میں ہونے لگا۔ داراشکوہ جو طبعی طور پر علم پرست تھا اس کے دربار میں بھی اہل علم اور صاحب کمال ہستیاں جمع رہتی تھیں۔ برہمن کے حسن ولیاقت تحریر وتقریر، مذہبی مسلک نے داراشکوہ کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا۔ اور شاہجہاں سے انہیں مانگ لیا۔ اس نے بھی انہیں اپنے دفتر کا میر منشی مقرر کیا۔ داراشکوہ نے بھی سنسکرت اور عربی وغیرہ کی بہت سی کتابوں کو فارسی زبان میں ترجمہ برہمن کی زیرنگرانی کرایا۔

افضل خان کی وفات کے بعد جب سعداللہ خان شیرازی وزیر سلطنت ہوئے برہمن نے ان کو بھی اپنا کلام نظم ونثر سنانا شروع کیا:

"در عینی که کمترین بندگان در خدمت مرحوم مغفور علامه روزگار اصنهافه والا مقدار افضل خان کسب سعادت می نمود. اوهر روز غزلی تازه از نظر کیمیا اثرآن خان مغفرت کشان گذرانیده باصلاح میرساند. الحال بمقتضای مساعدت اختر در سلك پنهای سرکاری فیض آثار فائز گشته امروز سخن فهمی و قدردان منحصر است. در ذات ملکی ملکات لهٰذا بخود قرار داده که آنچه بعد ازین ازنظم و نثر از طبع ناقص سرزند بنظر نواب مهربان درآورده باصلاح برساند." ۴ے

۱۰۵۵ھ/۱۷۰۱ء میں سعداللہ خان شیرازی شاہجہاں کی وزارت پر سرفراز ہوئے اور ۱۰۶۶ھ/۱۲/۱۷ء میں انتقال کیا۔ اس وقت شاہجہاں کی مردم شناس نظر نے سلطنت کے اہم اور نازک کام کے لیے برہمن کا انتخاب کیا اور داراشکوہ سے واپس لے کر انہیں خطاب ''رائے رایان'' سے مفتخر کیا۔ اور منصب و جاگیر سے نوازا۔ حالانکہ وہ اس وقت میر منشی کے منصب پر فائز تھے۔ مگر اس شان تقرری سے ان کا افتخار اور بڑھ گیا جب برہمن کو شاہجہاں نے رائے رایان کا خطاب عطا کیا۔ اس وقت انہیں سلطنت کا کام انجام دیتے ہوئے بیس سال گذر چکے تھے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"همین روز سعادت اندوز کمترین بندگان را که مدت یك قرن درخدمت حضور پرنور و صحبت و مصاحبت وزرائی عظیم الشان شهباز پرواز آورده بخطاب رائے رایان سرفراز بخشید. خدمت مسودۂ نویسی مناشیرقضا تاثیر مقرر فرمودند." ۵ے

بہارگلشن کے مصنف بھی لکھتے ہیں:

''جب سعداللہ خان شیرازی وزیر سلطنت شاہجہان کا انتقال ہوا تو

اس وقت شاہجہاں کی مردم شناس نظر نے چندر بھان برہمن کا انتخاب کیا اور خطاب رائے رایان سے نواز کر قلمدان وزارت برہمن کے سپرد کیا۔''۶ے

شاہجہان نے برہمن کی قدر و منزلت میں اضافہ کیا اور دارالانشاء کے لیے انہیں واقعہ نویسان حضور میں شامل کرلیا اور خاص طور پر انہیں شاہی نسخے کی تحریر پر مامور کیا۔ وہ شاہجہاں کے سفر میں ہمرکاب رہتے تھے۔ چنانچہ وہ کابل وکشمیر جاتے ہوئے سفر کی کیفیات، آب و ہوا اور دوسری خصوصیات کو قلم بند کرکے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا کرتے تھے۔ شاہجہاں، چندر بھان برہمن کو ''ہندوی فارسی دان'' کہہ کر پکارتے تھے۔ جشنوں اور دوسرے متبرک تہواروں کے موقعوں پر شعراء اشعار پیش کرتے تھے تو چندر بھان بھی رباعیاں لکھ کر حضور میں لاتے اور انعام پاتے۔ ان رباعیات کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا۔ چہار چمن میں لکھتے ہیں:

"روزی...... بندگان.......... بادشاه .... در لاهور ...... جلوس فرمودند اکثرعمده هائی دربده های دولت باپیوند یاد داشتند۔ و قلم اشرف اقدس شرف نفاذیافت که متعلقان و منسوبان افضل خان مرحوم بحضور مبارك بگذراند۔ چون این نیاز مندرسید۔ خط شکسته فقیر که حالی از درستی نبود بنظر کیمیا اثر در آمد و پسند افتاد و از اشعاراین خاکسار رباعی بسم مبارك معلیٰ رسید درجه تحسین یافت۔ و مقتضائی مناسبت در سلك واقع نویسان حضور پر نور انتظام گرفت وخدمت تطهیر بیاض خاصه بادشاهی باین نیازمند مقرر گشت۔ چنانچه در راه کابل و کشمیر کیفیت هر منزل و واقعه هر مقام را از خصوصیات راه آب و هوا هر روز نوشته۔ بعرض انوار اعلیٰ رسانیده۔

بربیاض مرقوم شده است۔ در آغاز حال این برهمن
عقیدت کیش را بزبان الهام بیان هندوی فارسی دان می
فرمودند و در روزهای جشن ایام متبرک هرگاه اشعار
شعرائی شهوراز نظر اعلیٰ میگذشت رباعی این نیاز مند
سامع جاه و جلال میرسد۔ و باضافه منصب و انعام
سرفرازی می یافت۔" ۷۷

برہمن نے مغل دربار کے جن علماء وفضلاء سے فیض حاصل کیا۔ ان میں آصف خان خانان (سپہ سالار) شعروشاعری میں افضل خان، نظم ونثر میں اسلام خان وزیر سے استفادہ کیا۔ سعد اللہ خان وزیر سے تعلقات قائم ہوئے تو ان کے تجربات ومشاہدات میں اضافہ ہوا۔ ان کے بعد وزیر جعفر خان نے انہیں اپنا معتمد بنالیا اور جب راجہ رگھوناتھ داس وزیراعظم ہوئے تو ان کی خدمت میں رہ کر برہمن کی قدرومنزلت میں اضافہ ہوا۔

سلطنت شاہجہانی کے حصول کے لیے جب اس کے بیٹوں داراشکوہ اور اورنگ زیب میں جنگ ہوئی تو دارا جنگ میں مارا گیا۔ اور شاہجہان کو اورنگ زیب نے قید میں ڈلوا دیا لیکن برہمن کو دربار اورنگ زیبی میں وہ خوشی حاصل نہیں ہوئی۔ حالانکہ اورنگ زیب نے بھی ان کی اسی طرح قدردانی کی تھی۔ اس کے باوجود برہمن کی وہی علمی مصروفیت رہی۔ کیونکہ ان کی نظر میں ان کا کوئی قدردان باقی نہیں تھا۔ انقلاب سلطنت، شاہجہاں کی قید، شاہی خاندان کی بربادی اور دارا جیسے مربی وسرپرست کا قتل یہ تمام حالات ایسے رونما ہوئے کہ انہوں نے شاہی ملازمت کو ترک کرنے کا ارادہ کرلیا اور استعفیٰ لکھ کر اورنگ زیب کے دربار میں پیش کر دیا۔ اور تارک الدنیا ہوکر بنارس چلے گئے۔ تاریخی نقطہ نظر سے ان کا یہ استعفیٰ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"التماس که از نظر کیمیا اثر حضرت خلیفه زمان بادشاه عالمگیر
گذشته

شدیم پیر بعصیان و چشم آن داریم
که جرم ماجوانان پارسا بخشند

رادراین مور ضعیف آن بود که دربار گاه سلیمانی که مرجع فرمانروایان هفت کشوراست۔خدمت بوسیله ودام حضور سعادت ابدیٰ حاصل نماید۔ لیکن از انجاکه ایام جوانی که خلاصه اوقات زندگانی است در خدمت این دودمان خلافت نشان بسرآمد۔ هنگام شباب به شیب رسید توان حالی درحواس خمسه نمائنده و قوت و قدرت دربار فلك آثار خود کمتریافت لهٰذا استغنائی خدمت حضور پر نور نموده، بخاك روبی روضه منور مقدسه که درمیان اول و آخرت واقعه شده کسب سعادت جاوید می کند۔ بخدمائے که مامور است، زدوئی یافت و بے غرضی و معامله فهمی و نفس الامری که سالها دیوان خانه اعلیٰ مشق آن نموده، سرگرم می باشد، و برسوخ عقیدت وصفائی طوبت و اخلاص درست، بدعاء از و یار عمر ودولت ابدپیوند که بروضیع و شریف لازم اتم واجب است اشتعال میدارد، اگرچه حقیقت حال هر یك برضمیر نور که آئینه جهان نما عبارت از اوست پیدا و آشکاراست۔ لیکن بحسب ظاهر اکثر بندهائی سرکار فیض آثار شاهد حسن اعتقاد و اخلاص این برهمن گوشه گیراند۔" ۷۸؎

ترک ملازمت کے وقت برہمن کی عمر چالیس سال سے تجاوز کرچکی تھی۔ جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔

شبی به لطف خداوند ایزدمتعال
علاج درد گنه توبه شدیس از چل سال ۷۹؎

برہمن بنارس میں ایشور بھکتی میں بقیہ عمر صرف کر کے ۱۰۷۳ھ/ ۶۳-۱۶۶۲ء میں راہی بقا ہوئے تذکرہ نگاروں نے برہمن کی تاریخ وفات کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار مختلف انداز میں کیا ہے۔ مخزن الغرائب کے مولف رقمطراز ہیں:

"بعد قتل شدن داراشکوه وی ترک روزگار در شهر

بنارس بطرز هندوان گوشه گیر گشته۔" ۸۰؎

نتائج الافکار کے مصنف لکھتے ہیں:

"بعد اورنگ آرائی عالمگیر صد نوازشات فراوان، بتقرر خدمات نمایاں گشت۔ آخرکار از استعفانموده در شهر بنارس که معبد هنود است رحل اقامت انداخت و برریاضت بروفق راه ور سم فرقه خود پرداخت و در ۱۰۷۳ھ ثلث سبعین والف برق اجل خرمن حیاتش را سوخت۔" ۸۱؎

مولف شمع انجمن کا کہنا ہے:

"برهمن زنار دار ساکن آگره، خالی از وارفتگی نبود در سرکار داراشکوه عنوان منشی گیری داشت ۔ بعد قتل وی ترك نوکری نمود۔ شهر بنارس رفت، در انجا براه ورسم خویش مشغول بوده تا آنکه ۱۰۷۲ھ در آتشکده خاکستر فنا گردید۔" ۸۲؎

تذکرہ حسینی کے مولف رقم طراز ہیں:

"دیوانی و انشای بسیار ساده یادگار گذاشته ...... بعد قتل داراشکوه ترك روزگار خود گفته شهر بنارس ...... در سال هزار هفتا دوسه هجری فناگردید......" ۸۳

تذکرہ مراۃ الخیال کے مصنف کا بیان ہے:

"بعد از قتل داراشکوه بشهر بنارس رفت ...... تا آنکه فی مشهور سن الف و ثلث و سبعین در آتشکده فنا گردید۔" ۸۴؎

تذکرہ داغ معانی کی مولف لکھتے ہیں:

"......بعد هلاك سلطان داراشکوه ترك نوکری کرد و بشهر بنارس رفت و در آنجا براه رسم و آئین مذهب و

ملت خویش بعبادت مشغول بود تادر سنه هزار هفتاد وسه
۱۰۷۳ھ درآتشکده فنا خاکستر گشت۔" ۸۵

پروفیسر امیر حسن عابدی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں :
(ترجمہ)

''عمر کے آخر ایام میں برہمن آگرہ سے بنارس چلے گئے اور وہیں ۱۰۷۳ھ/۲۳-۱۶۲۲ء میں اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔'' ۸۶

حسرت موہانی اپنے رسالہ اردو معلیٰ میں رقم طراز ہیں :

''اورنگ زیب شاہ عالمگیر کے زمانے میں برہمن پر نوازشات شاہی مبذول ہوتی رہیں۔ اوران کا تقرر خدمات نمایاں میں ہوتا رہا۔ آخری عمر میں نوکری سے استعفیٰ دے کر شہر بنارس میں سکونت اختیار کی اور ۱۰۷۳ھ میں انتقال کیا۔'' ۸۷

اردو دائرہ المعارف اسلامیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دارا کی وفات کے بعد چندر بھان برہمن نے گوشہ نشینی اختیار کرلی اور ۱۰۷۳ھ میں بنارس میں وفات پائی۔ ۸۸

برہمن عظیم المرتبہ اور سلیم المزاج ہندو شاعر تھے۔ ان کی طبیعت میں ظرافت اور فکر کی بلندی نے انہیں دوسرے شعراء سے ممتاز و مقبول بنا دیا تھا۔ خط شکستہ درست لکھتے تھے۔ انشاء پردازی میں ابوالفضل کے پیرو تھے۔ شعروشاعری سے انہیں کافی دلچسپی تھی۔ ان کی فکروعقل اور قلم سے نکلا ہوا ہر لفظ ان کی سخن فہمی کی داد دیتا ہے۔ اپنی تحریروں میں وہ ہندو مراسم کا نہایت احترام سے ذکر کرتے ہیں۔ان کی طبیعت میں شوخی اور سوز گداز پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے معاصرین کے لیے شمع محفل تھے۔ علم و شعر میں قدرت رکھتے تھے۔ انہیں فارسی زبان پر عبور حاصل تھا۔

برہمن کی شاعری میں لطافت، باریکی خیال، عرفانی فکر کی صفائی اور پختگی ہے۔ ان کا شمار ہندوستان کے مشہور ومعروف ہندوشعراء میں ہوتا ہے۔ عام طور پر انہیں دوسرے درجہ کے ہندو شاعروں میں مانا جاتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کی شاعری کا رنگ

دوسرے شعراء سے جداگانہ ہے۔ ان کی شاعری میں شیرینی متانت، سادگی وسلاست دربار شاہجہانی کے دوسرے شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔ اور اسی بناپر انہیں عہد شاہجہانی کا مشہور و معروف اور پسندیدہ شاعر ہونے کا شرف حاصل ہے۔

برہمن نے عنفوان شباب میں فارسی زبان پر عبور حاصل کرلیا تھا۔ معاصر و متقدین شعراء کے احوال اور ان کے طرز تحریر اور شاعری کا مشاہدہ و مطالعہ کر کے اپنے کلام میں شاہانہ تخیل کے ساتھ مختلف خیالات و مضامین کو شعر کا جامہ پہنایا۔ برہمن چونکہ دارا کے منشی خاص تھے لہٰذا وہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا تھا اس لئے برہمن نے شہزادے کی طبیعت کے مطابق نظم و نثر میں اپنا کمال دکھایا۔ بزم تیموریہ کے مصنف اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''داراشکوہ نہ صرف شاعر تھا بلکہ شاعروں کا سرپرست اور مربی تھا۔ داراشکوہ اپنے منشی چندر بھان برہمن کی نثر و نظم کی سادگی کا دلدادہ تھا۔'' [۸۹]

مراۃ الخیال کے مولف اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ داراشکوہ خود بہت عمدہ مقفع و مسجع و مرصع نثر لکھتا تھا لیکن وہ برہمن کی سادگی کا دلدادہ تھا لکھتے ہیں کہ:

"عجب که شاهزاده بآن هم مستعدان که در عرصه روزگار رنگ آمیزی الفاظ آبدار صفحه خاطر ارباب دانش راچون شفقهائے موسم بهار هزار متلون می ساختنند خاطر مبارك سخن ساده اش فرود آورده بود این معنی خالی از چیز بنوده باشد مافراق تا هزار هما طرز آشنای داشت بااوبزور طالع بدین پایه رسید." [۹۰]

چندر بھان برہمن کے بارے میں تذکروں میں ایک ایسا واقعہ بھی ملتا ہے جس سے اس کی توہین وتخفیف کا پہلو نظر آتا ہے۔ سرخوش اپنے تذکرے میں اس کا ذکر کرتے ہیں کہ ایک دن بادشاہ کے حضور میں اسے شعرخوانی کا حکم ملا اس نے اپنا یہ تازہ شعر پڑھا:

مرادیست بکفر آشنا که چندین بار
بکعبه بر دم و بازش برهمن آوردم

شاہجہان کو یہ شعر مزاج کے خلاف اور دین سے منحرف لگا۔ سن کر بھڑک اٹھے اور فرمایا کہ یہ بدبخت کافر و مرتد ہے اسے قتل کرنا چاہئے۔ افضل خان جو بادشاہ کی طبیعت اور مزاج کے واقف تھے۔ بادشاہ کی حالت اور غصہ کو ختم کرنے کے لئے سعدی کا یہ فی البدیہہ شعر سنایا:

خرعیسیٰ اگر بمکه رود
چون بیاید هنوز خرباشد

بادشاہ مسکرائے اور دربار کے دوسرے امور پر متوجہ ہو گئے۔
مراۃ الخیال کے مولف دوسرے انداز میں اس قصہ کو بیان کرتے ہیں:

"گویند نوبتی داراشکوه رایکی از ابیاتش مطبوع افتاد روزی در غسل خانه که مجمع مستعدان هفت اقلیم بود. بعرض صاحبقران رسانید ند که درین ولاطرفه شعری از چندر بهان برهمن سر زده است اگر حکم شود بحضور آمده بخواند. و درین معنی شاهزاده را اظهار استعداد و ترقی وی ملحوظ نظر بود بادشاه باحضارش حکم خاص نمود چون حاضر شد فرمود که درین ایام شعری که بابا از توپسند کرده است. بخوان چندربهان این بیت بخواند

مراد یست بکفر آشنا که چندین بار بکعبه بردم و بازش برهمن آوردم

بادشاه متشرع دیندار از استماع آن برآشفت
آستین هابر مالید و گفت : کسی میتواند که جواب این کافر برساند. از امرای عظام افضل خان که بحاضر جوابی موصوف بود پیش آمده گفت : اگر حکم شود از شعر استاد جواب برسانم. بادشاه اشاره کرد افضل خان

این بیت حضرت شیخ را که از غیب دانی های چهار صد سال دردآن مردودگفته بود، بخواند:

خرعیسیٰ اگر بمکه رود چون بیاید هنوز خرباشد

خاطر مبارك بادشاه بشگفت و شکربجا آوردوگفت: در تصرفات دین محمدی بود که این قسم جواب رسید ورنه من از غصه هلاك می شدم۔ افضل خان را انعا مهافرمود۔ و شهزاده رامنع کرد که باردیگر همچنین مزخرفات را بحضور نیاورد و چندر بهان را از غسل خانه بیرون کردند۔" ۹۱

فارسی نثر نگاری میں برہمن نے شہرت دوام حاصل کی ہے۔ ان کو اپنی وقائع نویسی کے عہدہ پر فخر تھا اسی طرح شاعری میں بھی ان کا فارسی دیوان قابل قدر شہ پارہ ہے۔ ان کا کلام فارسی شاعری کی اصناف غزل، رباعی، مثنوی وغیرہ سے پر ہے۔ برہمن کی شاعری کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے اپنے خیالات کا اظہار مختلف انداز سے کیا ہے۔

گل رعنا میں شفیق برہمن کی ستائش اس طرح کرتے ہیں:

"...... ناقوس نوازبت خانه سخن و بیدخوان صنم کده این فن ......" ۹۲

تذکرہ ہمیشہ بہار کے مصنف اپنے تذکرہ میں برہمن کی شاعری کو اس طرح سراہتے ہیں۔

"...... به هنگام خواندان اشعار آب از چشهاروان می ساخت۔" ۹۳

عمل صالح کے مولف رقم طراز ہیں:

"......چون شعر خوددر کمال سادگی و بی تکلفی می زید۔ زبان قلمش بسیار خوش سخن است و طبعش بغایت ماهر درین فن......" ۹۴

ڈاکٹر سید عبداللہ، برہمن کی فارسی شاعری اور اس کے محاسن کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''برہمن ہندوستان کے پہلے مشہور و مقبول ہندو شاعر ہیں۔ انہیں عام طور پر دوسرے درجہ کا شاعر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشعار کی شیرینی اور لطافت عہد شاہجہانی کے اچھے شعراء کے لگ بھگ ہے۔ کلام میں سادگی اس قدر ہے کہ کسی دوسرے کے ہاں نہیں ملتی۔ یہ ہی وصف ہے کہ جس کی بنا پر برہمن کو عہد شاہجہانی کا پسندیدہ شاعر مانتے ہیں۔'' ۹۵

یہ برہمن کی خوش نصیبی ہے کہ بہت سے جدید تذکرہ نگاروں نے برہمن کی شاعری کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔

شیخ اکرام جو ارمغان پاک کے مولف ہیں برہمن کی شاعری پر اپنے خیال کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

''برہمن کی شاعری کا موازنہ غنی، سلیم اور نامور شعراء سے کیا جائے تو برہمن کے اشعار کم مرتبہ نہیں ہوں گے۔'' ۹۶

تاریخ شاہجہاں کے مصنف لکھتے ہیں:

''چندر بھان برہمن دور مغلیہ کا پہلا ہندو شاعر تھا جو خداداد قابلیت سے متصف تھا۔ وہ لاہور کا باشندہ تھا۔ بردبار اور وسیع النظر آدمی تھا۔ نثر و نظم دونوں اصناف میں خوش اسلوبی سے یکساں طبع آزمائی کا ملکہ رکھتا تھا۔ اگر چشم حقیقت کو یہ تلاش ہو کہ ابوالفضل کی تحریر کی کسی فنکار نے مکمل طور پر جذب کر کے اس کو باردگر پیش کیا تو بلاشبہ چندر بھان برہمن کو ہی اس کا اہل پائے گا۔ اس کا دیوان اور چہار چمن مرصع اور مسجع نثر نگاری کا نمونہ ہے۔'' ۹۷

پروفیسر امیر حسن عابدی کا بیان ہے:

(ترجمہ) ''یہ کہا جاتا ہے کہ برہمن کے دیوان میں ۱۳۰۷۷ اشعار

ہیں۔ لیکن علی گڑھ ۳۰۷ اور رامپور میں ۳۵۱۹۔ برہمن کا دیوان ۲۸۹ غزلیات ۲۰ رباعیات پر مشتمل ہے۔ اس طرح کل ملا کر ان کے دیوان میں ۱۵۴۳ اشعار ہیں۔ چہار چمن میں بہت سی رباعیات لکھی ہیں جو شاہجہاں بادشاہ سے متعلق ہیں۔ لیکن ان میں دیوان شامل نہیں کیا گیا۔ برہمن نے اپنے دیوان کے نسخے عمدہ جلد میں بنوا کر ایران اور توران اور دوسری جگہ بھیجے تھے۔"[۹۸]

برہمن کے کلام کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایرانی شاعری کے دلدادہ تھے اور اس سرزمین پر فخر کرتے تھے۔ ایرانی نژاد شاعروں کی دربار میں موجودگی کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ متقدمین شعراء کے کلام کو مطالعے میں رکھتے تھے۔

برہمن کی فارسی تصنیفات:

منشات کی ابتداء میں برہمن نے اپنی فارسی تصنیفات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً دیوان، گلدستہ، چہار چمن، بدیع الانوار، تحفتہ الانوار، تحفتہ الفصحا، مجمع الفقراء، مثنوی ہفت بحر وغیرہ لکھتے ہیں:

> "... دیوان غزلی و مثنوی بانسخه چند مثل گلدسته، چهارچمن، بدیع الانوار ، تحفته الفصحا و مجمع الفقراء ترتیب داده ازان هنگامی که این نیاز مند قلم بدست گرفته واقعات متفرقه در هرباب در امور اخیر نوشته، اگر نقل آن را احاطه می نمود نسخه علیحده ترتیب می یافت."[۹۹]

چہار چمن:

برہمن نے نثر کی شکل میں ایک مختصر مجموعہ مرتب کیا وہ علم و ادب کے لحاظ سے انشائی چہار چمن کہلایا۔ برہمن کی یہ تصنیف چار حصوں میں منقسم ہے۔ جس میں ان کے خاندانی حالات زندگی، خطوط جو انہوں نے اپنے والد اپنے دونوں بھائیوں اور اپنے بیٹے

کے نام پند ونصائح کی شکل میں قلم بند کئے ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف اشخاص اور نوابوں کے نام لکھے ہیں۔ ان میں بھی برہمن کی فلسفیانہ اور صوفیانہ نکات کو موثر انداز میں بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے رقعات وتحریرات کو خود جمع کر کے ایک مجموعہ رنگین مرتب کیا۔ اپنی اسی انشاء پردازی میں انہوں نے ابوالفضل کا تتبع کیا ہے۔

چہار چمن میں اخلاق وادب، پند ونصائح کے مختلف انداز ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر برہمن کا یہ خط جو انہوں نے اپنے بیٹے تیج بھان کو لکھا ہے۔ پند ونصیحت کا ایک مجموعہ ہے اس میں اس وقت کے حالات کو سامنے رکھ کر نصیحت کی ہے۔ جب اورنگ زیب نے اپنے باپ شاہجہاں کو زندان میں ڈال کر جو ظالمانہ حرکت کی اسے کوئی بھی باپ دل سے پسند نہیں کرسکتا۔ برہمن نے ایک تنبیہی اور تہدیدی خط اپنے سعادت مند بیٹے تیج بھان کو لکھا جس کا ہر لفظ داد وتحسین کا مخزن ہے اور پورے کا پورا خط ہر باپ کا بزرگانہ نصیحت نامہ ہے دیکھئے کس طرح برہمن اپنے بیٹے کو کن کن القاب سے مخاطب ہو کر خط کا آغاز کرتے ہیں:

"نصیحت نامه که بر فرزند سعادت نشان برخوردار تیج بهان نگارش یافت۔ "فرزند دلنبد، چراغ خانۂ زندگانی، شمع بزم شادمانی نوردیده آمد رسیده آرام خاطرغم کشید۔ قوت ایام پیری اعصائی هنگام دستگیری، گل گلزار، امید، مایه عشرت جاوید، درمان خاطر رنجور، مرهم زخم نامور، نور نظر سرورسینه بے کینه، پیوند دل، لخت جگر، سرمایه تجارت روزگار، حاصل گردش لیل و نهار، گلشن همیشه بهار، نشاط ساز، طریق تسلیم و رضا ...... فرزند برخوردار تیج بهان همیشه شاهد و مقصود درکنار و از آفات روزگار برکران بوده۔" ۱۰۰؎

خط کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر وقت اپنے فرزند کو نصیحت کرتے رہنا چاہئے کبھی بھی غافل نہیں رہنا چاہئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ہر وقت ہر جگہ سوتے میں

جاگتے میں، غفلت میں ہوشیاری میں اپنی عقل کو ہاتھ سے جانے نہیں دے گا:

"بمقتضائی این نسبت لازم است که لوازم نصیحت را
از ان گرامی فرزند دریغ ندارد. بباید که آن فرزند دلبند
درهمه جاهمه وقت در خواب و بیداری و غفلت و هشیاری،
سراسر عقل را از دست نداشته بفریب عروس پر نگار را ز
جائز و درنظر برنمودی بود. این سرای فانی انداخته جلوه
ظاهر را از خواب و خیال پیش نداند. ......"

لکھتے ہیں اگر چہ علوم کی نعمت خداداد ہوتی ہے لیکن بغیر عمل کے کوئی بھی چیز حاصل نہیں ہوسکتی۔ جس طرح عمل کے بغیر کوئی بھی عالم نہیں بن سکتا۔ علم کم ہو لیکن عمل زیادہ ہو:

"اگرچه کسب علوم نعمت خدادا است و کوشش در
آن علامت سعادت (علم و عمل) اما عالم بی عمل شاخ بی
بربود علم قلیل باعمل بهتر از علم کثیر بی عمل است.
اگرچه اصل عمل و نتیجه درست آنست که ترك تعلقات و
عوارض صورت نموده، نظر بر نمود بی بود و حاصل عمر
گرامی که عبارت از علم باعمل است بدست آورده...... بعد
از ان که بمقتضای نصیب و قسمت این زره بمقدار در
محفل خلد آئین و صحبت بزرگان نامدار شرف باریافت.
پیوسته مبالعه نصیحت می کرد که چون بکار آمده
هوشیار باش و این بیت شیخ سعدی علیه الرحمت برزبان
داشت بیت

که گفت بجیهون در انداز تن   چون انداختی دست وپای بزن

...... دیگر محسنات و خوبیهادلالت می نمود و بعنایت
الٰهی و توجه باطن آن قبله گاهی این رضا جوئی پدر آن

وعظ و پندرا دستوالعمل روزگار ساخته همان طریق سلوك می نماید......"۱۰۱

برہمن کا پورا خط اس طرح کی پند و نصیحت سے بھرا پڑا ہے۔ چہار چمن میں رائے رایان برہمن کا ایک واقعاتی خط سعد اللہ خان وزیر اعظم کے نام ملتا ہے جس میں برہمن لکھتے ہیں:

" هر روز غزل تازه از نظر کیمیا اثر افضل خان مغفرت نشان گذرانیده۔" ۱۰۲

برہمن کی کتاب چہار چمن میں برہمن شاہجہاں، اورنگ زیب اور اس کے درباری وزراء کے حالات پر صحیح روشنی ملتی ہے۔ خصوصاً اورنگ زیب کے عہد سلطنت کے تفصیلی واقعات ملتے ہیں۔

کلیات برہمن مرتبہ بہار سنامی میں برہمن کے تین مختصر قصیدے ملتے ہیں جو انہوں نے شاہجہاں بادشاہ کی مدح میں لکھے ہیں۔ ان میں شاہجہاں کے عدل و انصاف اور اس کے جود و سخا کی تعریف کی ہے۔ اس کے جاہ و جلال کی روشنی میں چاند، ستاروں کی روشنی کو بھی پھیکا کر دیا ہے۔

قصیدہ:

چراغ بزم شهنشاه شد چنان روشن	که شد زیر تو آن چشم آسمان روشن
بدور عدل شهنشاه بادشاه جهان	که شمع دولت او باد جاودان روشن
زبس کار جهان حسن اتفاق گرفت	بنور ماه شود دیدهٔ کنان روشن
چراغ دولت شاه زمانه روشن باد	کزو مست چشم و چراغ جهانیان روشن
جهان خدیو جهاندار بادشاه جهان	که شد جهان نه فروغش جهان جهان روشن
فگنده نیّر تابش بهر کران پر تو	نموده کوکب عدلش کران کران روشن
بمهرو ماه رسد روشنی زخاك درش	که بود رهگزرش چشم این و آن روشن ۱۰۳

دوسرے قصیدے میں برہمن نے شاہجہان بادشاہ کے صفائی قلب اور شان و

شوکت اور اس کے عزم و حوصلے کی مدح سرائی کی ہے اور اس کے دربار کی شان و شوکت کو حضرت سلیمان اور سکندر جیسا بتایا ہے اور عدل و انصاف میں نوشیروان کہا ہے۔ اور اس کے فہم و ادراک اور حکمت کو مثل افلاطون اور ارسطو۔

"قصیدہ"

شرف امروز فیض آباد در هندوستان دارد | زخوبی هر چه در اندیشه گنجدیش لزان دارد

زصبح اوصفائی سنه حاصل می کند دانا | ز شلم او شفق صد صرف رنگین هر زبان دارد

هوایش دلکشا او روح بخش و جانفزا باشد | فضائی صاف تراز سینه صاحبدلان دارد

عماد اتش مصفی و منزه چون دل پلکان | زر فعت هر مکانش سر باوج آسمان دارد

هوائی باغ و بستانش بیفزاید نشاط دل | که هر سو سبزه زارد هر طرف آب روان دارد

صفائی آب دریا دیده دل می کند روشن | زصافی یك بیك از فلك بر خود عیان دارد

گهر برکف گرفته هر نفس مستانه می آید | مگر شوق نثار بادشاه بحر وکان دارد

شهنشاه که خنك عزم اوهر سوکند جولان | سعادت در رکاب و بخت و دولت همعنان دارد

ز شوکت از سلیمان و سکندر تاج بستاند | بعدل و داد صد ترجیح برنوشیروان دارد

جهان امروز اگر برخویش ناز و جای آن دارد | که شهنشاه ملك آرای چون شاه جهان دارد

فلاطون از سبق خوانان ارسطو حکمت و عقلش | به بیند در کمالش هر که میل استهان دارد

زدست بندها غیر از دعا دیگر چه نمی آید

برهمن روز امشب درد عاشق برزبان دارد[۱۰۴]

برہمن نے یہ قصائد قدماء کی روش سے ہٹ کر لکھے ہیں۔ جیسا کہ قصائد لکھنے کا عام قاعدہ یہ تھا کہ اس کی تشبیب میں ممدوح کی صفات بیان کرنے سے پہلے اس کے گھوڑے، تلوار یا موسم بہار کی تعریف میں شعر کہے جاتے تھے پھر اس کے بعد شاعر اصل موضوع پر آتا تھا۔ برہمن نے ان سب باتوں سے گریز کرتے ہوئے براہ راست ممدوح کے اوصاف بیان کئے ہیں:

سخن زوصف شهنشاه سرتوان کردن　　براه اوچو قلم بار سر توان کردن
بروز بزم سخایش محیط عالم را　　بساط جیب فلك پرگهر توان کردن
در آن مقام که اکسیر لطف فرماید　　زفیض یك نظرش خاك زر توان کردن
چوبر مدیح شهنشاه شد تمام سخن　　سخن زهر که بود مختصر تو ان کردن

زروی لطف که داری دریغ نتوان داشت
بسوئ برهمن از یك نظر توان کردن[۱۰۵]

برہمن نے مزاج کے مطابق شاعری کی ابتداء غزل گوئی سے کی ۔ ان کے کلام میں غزلوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ان کی شاعری میں تغزل کی ایسی لطافت اور دل کشی پائی جاتی ہے جو اس عہد کے دوسرے شعراء کے یہاں نہیں ملتی۔ فارسی شاعری میں وہ اپنے خیالات و جذبات کا نہایت خوبی سے اظہار کرتے ہیں۔ فارسی الفاظ ایسے سلیقہ سے استعمال کرتے ہیں کہ کلام کا لطف بڑھ جاتا ہے۔ اپنے قدرت کلام سے بحروں کو ایسی شگفتگی سے استعمال کرتے ہیں کہ ان کی غزلیں گنگناتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ ان کی زبان کسی کے کلام و بیان سے متاثر نہیں ہوئی ہے۔ وہ اپنے طرز کے آپ موجد ہیں۔ ان کا کلام نئی نئی ترکیبوں اور طرز بیان سے دلکش اور پراثر ہے:

برهمن لب فروبستم و گرنه در سخنگوئی
ادائی تازه و طرز سخن از من شو دپیدا[۱۰۶]

دربوستان عشق برهمن فسانه گواست
مطرب ترانه ساز غزل خوانی من است[۱۰۷]

ایرانی شاعروں اور محققوں نے برہمن کی خوش کلامی سے محظوظ ہو کر انہیں بلبل ہندوستان سمجھا۔ اس طرح برہمن کی قابلیت کا شہرہ دیگر ممالک میں پھیلا تو انہوں نے مندرجہ ذیل شعر لکھ کر اپنی زباندانی پر فخر کیا:

بایران می برد افسانۂ هندوستان بلبل
برهمن را شکر افشانی ار باشد همین باشد۱۰۸

برہمن کی شاعری کا بیشتر حصہ سادہ سہل اور طرز بیان دلنشین ہے۔ ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہم عصر شعراء میں اپنی اسی طرز ادا کی وجہ سے انفرادیت کے حامل ہیں۔ ان کی شاعری دیگر ہم عصر شعراء سے جداگانہ نظر آتی ہے۔ ان کے کلام میں نازک خیالی اور بلند فکری ہے۔ اسی بناپر انہیں استادفن اور کامل سخن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کا کلام فطرت کے ہر راز سے پر ہے۔ برہمن کی قوت پرواز اور طرز بیان کی بے عیبی نے انہیں آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ ان کی شاعری میں خیالات کی رفعت، طرز ادا کی دلکشی، رنگ کی گہرائی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔ چست بندش، برجستہ ترکیب، بیساختہ پن ان کے کلام کی خصوصیت ہے۔

ان کی شاعری کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ کلام پڑھنے کے بعد ہر شخص کو یہ احساس ہوتا ہے کہ برہمن اپنے جذبات کی صحیح ترجمانی کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہندی زبان (سنسکرت) کی وجہ سے ان کی شاعری درجہ کمال کو پہنچی ہے۔ اتنا میں فارسی، عربی اور ترکی زبان میں مہارت نہیں رکھتا۔ جتنا مجھے ہندی میں ہے:

برهمن از لب هندی نژادان نکته می سنجد
زبان پارسی و ترکی و تازی نمیداند۱۰۹

برہمن اپنی شاعرانہ خصوصیت پر فخر کرتے ہیں۔ ان کا اپنے کلام پر فخر کرنا مغل دربار کی علمی آزادی پر روشنی ڈالتا ہے۔ ان کے فخریہ اشعار ایک خاص آب و تاب رکھتے ہیں۔ وہ اپنی سحر بیانی اور کلام کی الہامی خصوصیات کے بارے میں لکھتے ہیں:

يك نقطه از مطلع دیوانم آفتاب
يك برتوی ز شمع شبستانم آفتاب۱۱۰

گردند گردبرهمن از شوق قدسیان
گویا سخن ز عالم بالانوشته است۱۱۱

برہمن اپنے کلام کی تازگی اور برجستہ گوئی پر تعجب کرتے ہیں:

گفتی بتازگی غزل تازہ برهمن
این طرح تازه طرز کدام و کلام کیست ۱۲

وہ اپنے اشعار کو گوہر آبدار بتاتے ہیں:

اشعار آبدار برهمن چوگوهر است
پرکردم از جواهر معنی سفینه را ۱۳

ایک جگہ برہمن کہتے ہیں:

برهمن در ردیف تازه مضمون تازه تربستی
نهال تازه زیبا تر نماید نور بینی را ۱۴

برہمن کا دیوان فخریہ شاعری اور مذہبی رنگ سے بھرا پڑا ہے۔ انہوں نے غزل گوئی میں حافظ و سعدی کی شاعری و کلام سے استفادہ کیا ہے۔ اور بعض اشعار میں ان کی پیروی بھی کی ہے۔ وہ دانستہ یا نادانستہ اپنے کلام میں ان کے جملے اور مرکبات استعمال کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل شعر میں نہ صرف حافظ کی پیروی کی ہے۔ بلکہ الفاظ کی نشست و برخاست میں بھی حافظ کے اشعار سے ملتے جلتے ہیں:

بده ساقی می گلگوں که رنگ رو بگر داند
دماغ رفته را بسوی نشاط از بو بگرداند

''بدہ ساقی'' می گلگوں کا ٹکڑا حافظ کے اس اشعار سے ملتا جلتا ہے:

بده ساقی می باقی که در جنت نخواهی یافت
کناره آب رکنا بادو گلگشت مصلا را ۱۵

برہمن کے اشعار کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ برہمن حافظ کے کلام کے دلدادہ تھے انہوں نے ان کے طرز ادا کو نہ صرف پسند کیا بلکہ ان کی پیروی میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح برہمن کو سعدی سے بھی بے حد عقیدت تھی۔ ان کی دور رس نگاہوں نے حافظ، سعدی جیسے استاد شاعروں کا انتخاب کیا۔ سعدی کے قول کو وہ ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔

کہتے ہیں:

زمانی گوش کن برقول سعدی
چہ سعدی بلبل فرخندہ منقار[۱۶]

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ برہمن نے ایران کے مشہور و معروف شعرا کی نہ صرف تقلید کی ہے۔ بلکہ متقدمین شعراء کے طرز کو بھی اپنانے کی پوری کوشش کی ہے۔

برہمن کے کلام کا بیشتر حصہ اسلامی فکر میں رنگا ہوا ہے۔ وہ ہندو ہونے کے باوجود اسلام مذہب سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ تعصب ان میں نام کو نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عمر کے آخری حصہ میں انہوں نے ترک ملازمت کے بعد سنیاس لے لیا تھا۔ اور بقیہ عمر ریاضت و عبادت میں صرف کی۔ تصوف کے اسرار و رموز، عشق حقیقی کی کیفیات و حالات، محبت کی صعوبتیں اور وحدۃ الوجود کے جذبات کے بارے میں بے شمار اشعار ان کے کلام میں موجود ہیں۔

انہوں نے اپنی قوت تخیل سے مختلف مضامین کو شعر کا جامہ پہنا کر اسے شہرۂ دوام بخشا ایسے شخص کی زندگی کو صوفیانہ قرار دی جاسکتی ہے۔

برہمن کی شاعری ان کی صوفیانہ طبیعت کی عکاسی کرتی ہے۔ ان کا شمار ہندو صوفی شعراء میں ہونا چاہئے۔ ان کے دیوان میں اس تصوف کا پتہ چلتا ہے۔ جو عموماً مسلم صوفی شعراء کا مطمع نظر رہا ہے۔ برہمن کو جذبہ درویشی ورثہ میں ملا تھا۔ فقراء کی صحبت میں انہیں سکون و آرام حاصل ہوتا تھا۔ ان کا دیوان تصوف کے اسرار و رموز سے پر ہے:

ترا بدیر و حرم شیخ و برهمن جوید
بحیرتم که درین پرده این چه اسرار است[۱۸]

مست عشقم کعبه و بتخانه راگم کرده ام
وزسر مستی ره میخانه را گم کرده ام[۱۸]

عاشق آن است که زسرراز قدم نشناسد
بندۂ عشق شود دیر و حرم نشناسد[119]

وحدۃ الوجود کے وہ قائل تھے۔ حالانکہ مسلم شعراء نے بھی توحید اسلامی پر کچھ لکھا ہے۔اور اپنے کلاموں میں اس موضوع کو جگہ دی ہے۔لیکن وحدۃ الوجود کا موضوع برہمن کے دیوان کے ہر شعر میں نظر آتا ہے۔ برہمن نے وحدۃ الوجود کا فلسفہ فارسی زبان میں اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ خدا ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ سب اسی ذات واحد سے جڑے ہیں:

بانی خانه ومی خانه و بت خانه یکسیت
خانه بسیار ولی صاحب هر خانه یکسیت[120]

برہمن نے حقائق ومعارف کے ایسے دریا بہائے ہیں کہ بس دیکھتے رہ جاؤ:

برهمن هرچه خداخواست همان خواهدشد
نسبت هر چه بود غیر خدانتوان کرا[121]

انہیں معلوم ہے کہ روحانیت کا جذبہ کس طرح حاصل ہوتا ہے:

مقام عشق بلند است برهمن از شوق
براه ترک تعلق باین مقام رسید[122]

دوسری جگہ کہتے ہیں:

گل یکی، خاریکی، شاخ یکی تاك یکسیت
نزد ارباب نظر هر خس و خاشاك یکسیت[123]

هر طرف جلوه و هر لحظه تماشای هست
میتوان دیده اگر دیدۂ بینائی هست[124]

برهمن گرچه جهان پر بود از افسانه

لیک گوشی بود قابل افسانه یکسیت ۱۲۵؎

صوفیوں کا عقیدہ ہے کہ صوفی عشق خداوندی میں تمام دنیاوی چیزوں اور تعلقات سے الگ ہو کر محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور بعض کا عقیدہ ہے کہ وہ دنیاوی قیود میں بھی رہے۔ اور پھر اپنے دل کو ان تمام دنیاوی جھگڑوں سے آزاد رکھے اور خلوت میں رہے۔ برہمن بھی اسی خیال کو مانتے ہیں کہتے ہیں:

خلوت آن باشد که در کثرت بدست آیدترا

مرد دانا درمیان عالمی تنهانشست۱۲۶؎

برہمن کی شاعری ان کی صوفیانہ طبیعت کی عکاسی کرتی ہے۔ وہ اپنے دل و دماغ کے تاثرات کو سیدھے سادے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ جس کو پڑھنے کے بعد معنی کو سمجھنے میں مشکل نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے اثرات دل و دماغ پر بے اختیار نقش ہو جاتے ہیں۔ ان کے صوفیانہ کلام کے کچھ نمونے پیش کئے جاتے ہیں:

مامعتقد همت صاحب نظرائم

کونین بود مختصر اندر نظر ما۱۲۷؎

ماصوفیان صاحب دلائیم برهمن

نیرنگئ زمانه در آئین ماکم است ۱۲۸؎

چندر بھان برہمن چونکہ ہندو تھے۔ لیکن مسلمان علماء وفضلاء کی ہم نشینی اور فارسی زبان کے ادباء وشعراء کے مطالعے نے ان کے دل و دماغ سے ہندو عقائد کو ختم کر دیا تھا۔ ظاہر میں تو وہ زنار پہنتے تھے لیکن باطن میں وہ توحید کے قائل تھے۔ حشر ونشر اور ایمان پر یقین رکھتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ حسن عمل ہی نجات کا ذریعہ ہے۔ ذیل کے اشعار میں کہتے ہیں:

مردآزماست بادۀ توحید برهمن

ناآزموده مست بیك جام میشوی۱۲۹؎

چون روز حشر برهمن حساب پیش آرند
بآب دیده بشوئیم نامه اعمال[۱۳۰]

برهمن از عمل نیك زاده راه باید
بسوی ملك عدم باربستن آسان نیست[۱۳۱]

برہمن کے بارے میں محمد صالح کنبوہ لکھتے ہیں:

"اگرچه بظاهر زنار بنداست اما سراز کفربری تابد
وهرچند بصورت هند و است اما درمعنی در اسلام می
زند۔" [۱۳۲]

لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلامی افکار و احساسات رکھنے کے باوجود برہمن کو زنار دار ہونے پر فخر حاصل ہے۔ انہوں نے تشبیہات و استعارات، فقرات و محاورات میں جگہ جگہ زنار لفظ اس لطافت و خوبی سے بیان کیا ہے کہ وہ ان کے کلام کا ایک جزو بن گیا ہے۔ ان کے اشعار اس بات کے ضامن ہیں کہ انہیں اپنے زناردار ہونے پر ناز تھا:

مرزارشته زنارالفتی خاص است
که یادگار من از برهمن همین دارم[۱۳۳]

زاعتقاد برهمن اگر نشان خواهند
بجیه صندل و زنار در گلو کافیست[۱۳۴]

هرتارموئ ماشده زنار برهمن
مادرمیان چورشته زنار مانده ایم[۱۳۵]

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

بتار رشتہ زنار کردہ ام پیوند
نظر بقا عدۂ کیش برھمن دارم[۱۳۶]

فارسی شاعری، میں خاص کر غزلیات میں شاعروں نے مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن برہمن نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اس میں لطافت، چاشنی، شیرینی اور بیان میں شگفتگی وروانی ملتی ہے۔ سادہ اور دلفریب انداز سے ان مضامین کو شعر کا جامہ پہنا کر نہایت دلاویز اور لطیف کر دیا ہے۔ برہمن نے تصوف، حکمت واخلاق، بے ثباتی دنیا، حقائق و معارف، خاموشی راستی، یاس و امید، صبر واستقلال، صفائی باطن، عجز و نیاز، تسلیم و رضا، وفا وسخاوت، وحدۃ الوجود، شراب وسرمستی، واعظوں زاہدوں کی پردہ دری وغیرہ وغیرہ موضوعات کو نئی نئی ترکیبیں، نئے نئے الفاظ، اور کلام کو ضائع و بدائع سے مزین کر کے شعر کا جامہ پہنا کر نہایت دلاویز کر دیا ہے۔

برہمن کی اکثر غزلیں دنیا کی بے ثباتی پر ہیں۔ انہوں نے انقلاب سلطنت اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ ان مشاہدات و تجربات کو سامنے رکھ کر فنا ہونے والی ہستیوں کو عالم بالا کا پیغام سنانا چاہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ دنیا فانی ہے اس کی اصلیت سراب کی مانند ہے۔ اس کی نیرنگیاں کب تک ساتھ دے سکتی ہیں۔ اس جھوٹے طلسم سے اپنی زندگیوں کو آلودہ نہ کریں۔ یہ فلسفہ ان کی شخصیت پر چھایا ہوا ہے۔ اپنے اشعار میں وہ لوگوں کو تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کاروان بگذشت بانگی از درائی برنخاست
عالی گم گشت واز جای صدای برنخاست[۱۳۷]

برسرآب روان افگند طرح خانه را
ای برهمن هر که دل درديربی بنیاد است[۱۳۹]

رود بجانب معموره عدم روزی

کسی دو روز اگر درره خواب نشست۱۳۹؎

همیشه گرمی هنگامه جهان برخاست
جهانیان به فنا رفته وجهان باقیست۱۴۰؎

این جهان فانی است اما مردم هشیار را
عالم باقی در ای عالم فانی دروست۱۴۱؎

بنای قصرجهان را ثبات ممکن نیست
بجز اساس محبت که دیر بنیاد است۱۴۲؎

غم زمانه چو عیش زمانه می گذرد
درین رباط کهن برهمن شونمناک۱۴۳؎

دنیا چه بود کهنه سرائی و خرابی
خوابی، و خیالی و حجابی و سرابی ۱۴۴؎

لیکن دوسری طرف وہ انسان کو اس بات کی بھی صلاح دیتے ہیں کہ وہ دنیا سے لطف اٹھائیں۔ ان تھوڑے لمحات کو ہنسی خوشی گذاریں۔ وہ تمام دنیا کے لوگوں کو غم سے نجات پانے اور اس سے دور رہنے کا مشورہ دیتے ہیں:

جوانی بود فصل عیش و عهد کا مرانیها
کجا آن فصل و کو آن عیش و کی آن شادیانیها۱۴۵؎

زناهمواری دنیا گذر کردن بوئ اولی

برهمن هر چه پیش آید تحمل می توان کردن۱۴۶؎

ایک طرف برہمن یہ بھی کہتے ہیں کہ جس کے اعمال جیسے ہوں گے اس کو ویسا ہی پھل ملے گا۔ وہ سزا و جزا سے معاف نہیں کیا جائے گا۔ انسان کو یہ خیال ہمیشہ رکھنا چاہئے کہ اس کے اعمال ہی آخرت میں اس کے کام آئیں گے اور اس کا آخری سفر آخرت ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا میں رہ کر نیک کام کرنا بڑا مشکل ہے۔

بروز حشرتهی دست رفتن آسان نیست

مگر بدست برم نامه سیاه گناه۱۴۷؎

برہمن نے دیگر فارسی شعراء کی طرح اپنے عہد کے پرفریب، دکھاوٹی اور بناوٹی عارفوں اور زاہدوں پر بہت ہی خوبصورت پیرایہ میں چوٹیں کی ہیں۔ ان کا یہ طنزیہ شاعرانہ انداز خندۂ لطیف کا سامان مہیا کرتا ہے:

درلباس ظاهری باشد برهمن صدلباس

مرد راه از خرقه پشمینه آید بتنگ۱۴۸؎

صحبت صافی نهادن را صفائی دیگر است

صیقل زنگ هوائی نفس شیطانی دروست۱۴۹؎

برهمن امتحان حال باید مردعارف را

بقال من نظر نتوان توان کردن بحال من۱۵۰؎

مرد عارف خوش بآزادی و استغنا گذشت

زاهد مازیر بار خرقه پشمینه ماند۱۵۱؎

برہمن اپنے کلام سے انسانوں میں بلند حوصلہ، شجاعت و بہادری اور بلند خیالی

جیسی صفات پیدا کرنا چاہتے ہیں:

وجود مردم دانابود همیشه بهار
چو غنچه تنگ مباش اندرین شگفته ریاض ۱۵۲

عاقبت از منزل مقصود می یابد نشان
هر که در راه محبت همچو نقش پا نشست ۱۵۳

دوسری جگہ کہتے ہیں:

در معرکه عشق درآید چو برهمن
هر کس که بمیدان جگری داشته باشد ۱۵۴

مابرهمن مشکلات روزگار آسان کنم
هرچه مشکل تربود آثار آسانی دروست ۱۵۵

برہمن کی شاعری میں رندی و سرمستی کی کیفیت بھی پائی جاتی ہے۔ جو انہیں دوسرے ہم عصر شعراء میں ممتاز کرتی ہے۔ یہ جذبات ان کے ہاں اس زور سے پائے جاتے ہیں کہ فارسی شاعری میں خاص کر ہندو شعراء کی شاعری میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ شراب و شباب کے معاملات و کیفیات کو والہانہ انداز میں اور سادہ و عام فہم زبان میں بیان کرتے ہیں۔ ذیل کے اشعار اس کی ترجمانی کرتے ہیں:

می بده ساقی که دل راشست و شوی میدهد
درمیان بزم رندان آبروی مید هد ۱۵۶

مرا ساقی شراب ارغوانی میتوان دادن
بیك تهه جرعه آب زندگی میتوان دادن ۱۵۷

بهار آمدن سخن از جام و صهبا میتوان گفتن
سخن گر نشوساقی به مینای توان گفتن[۱۵۸]

همیشه گرمی میخانه جهان باقیست
هزار جام شکست و سبونشدخالی[۱۵۹]

لیکن دوسری جگہ برہمن کہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی شراب سے اپنے دامن کو آلودہ نہیں کیا ہے۔

برهمن بادۂ صافی دلان خون جگر باشد
به می هرگز نشد آلوده دامان ایاغ من[۱۶۰]

جذبات عشق اور اظہار محبت و الفت برہمن کے کلام کا خاص موضوع ہے۔ ان کے عاشقانہ جذبات دردوغم سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ان کی طبیعت میں رنگینی، شوخی، شگفتگی اور خوش مزاجی ہے۔ انہوں نے عشق و عاشقی کے مضامین کو شگفتگی خاطر کے کام میں لانے کی سعی کی ہے۔ حسرت و یاس اور ناامیدی کے موضوع پر وہ جو کچھ لکھتے ہیں وہ صرف شاعری کی دنیا تک ہے اور محض تقلید ہے۔ وہ جذبات کو سچائی اور جوش کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام سے عاشقی کو سادہ اور شائستہ زبان سے آشنا کیا ہے۔ عشقیہ جذبات اور احساسات کی تصویرکشی اور واردات قلب کی عکاسی ان کے کلام کی امتیازی خصوصیت ہے۔ اور دراصل یہی حقیقی، ملاحظہ ہو شاعری ہے:

چگونه برهمن از عشق احتراز کند
که حسن جلوه فروش است درزمانه ما[۱۶۱]

سخن زعشق مگو ورنه اول از سرهوش
بضبط راز محبت بیار حوصله را [۱۶۲]

حدیث عشق از گفتار و تکراراست مستغنی
برهمن در محبت کفرباشد قصه خواینها۱۶۳

حرام باد ترا امتحان لذت شوق
اگر زدرد محبت بری بدرمان دست۱۶۴

برهمن تانبود چاشنی لذت عشق
مزه از لخت دل و خون جگر نتوان یافت۱۶۵

مست عشقم کعبه و بت خانه را گم کرده ام
وزسرمستی ره میخانه را گم کرده ام۱۶۶

بدرد عشق برهمن بسازو خوشدل باش
که تنگ عشق بود خوابش دو اکردن۱۶۷

معشوق کی زلف پریشان ان کی بیتابی طبیعت میں اضافہ کرتی ہے۔ برہمن دلچسپ، پرلطف اور دلکش انداز سے اس مضمون کو باندھتے ہیں۔ اپنے ان اشعار میں وہ بہت ہی موثر انداز میں محبوب کی زلفوں کی تعریف کرتے ہیں:

همیشه زلف ترا اضطراب درکاراست
چگونه جمع کنم خاطر پریشان را۱۶۸

زلف مشکین پریشان کردسنبل رابخاک
طرۂ اوصد گره برطره شمشاد است۱۶۹

دلم قرار دران زلف بیقرار گرفت
قرار گونه نبود در عالم قرار یکسیت[۱۷۰]

در خیال تار زلف عنبرینش برهمن
برتن من هرسر مو رشته زنارهست[۱۷۱]

تارزلفش گر بدست مانیاید برهمن
بسته موی میانش موبموی مابه بست[۱۷۲]

صنائع و بدائع شاعری کی روح مانی جاتی ہے۔ برہمن کا کلام صنائع و بدائع سے مزین ہے۔ اس سے کلام میں ایسی خوبی اور حسن پیدا ہوتا ہے کہ سننے والے یا پڑھنے والے کی زبان سے ''آہ یا واہ'' جیسے کلمات داد و تحسین میں ادا ہوتے ہیں۔ انہوں نے بے شمار صنعتیں، دل آویز تشبیہات و استعارات و تلمیحات، مبالغہ، ایہام وغیرہ کو اپنے کلام میں ایک خاص انداز سے جگہ دی ہے۔ کلام کا ہر نمونہ ان صفتوں سے آراستہ ہے۔ یہ صنعتیں ان کی زبان کا ایک جز و معلوم ہوتی ہیں۔ وہ اپنے اس انداز سے موجد فن معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے بیشتر اشعار میں تلمیحات کے ذریعہ تاریخی واقعات کو بیان کیا ہے۔ جن کا تعلق اسلام سے ہے۔ اور یہ ان کے فطری میلان طبع کی عکاسی کرتا ہے۔

تلمیحات:

قوت بازوئ همت طلب اندر ره عشق
راه هر مورنه در بزم سلیمان باشد[۱۷۳]

برهمن یوسف من در دل من جاداد
من ببازار طلب همچو زلیخا نروم[۱۷۴]

صنعت تضاد:

یہ وہ صنعت ہے جب کلام میں دو الفاظ دیئے ہوں۔ لیکن ان کے معنی مختلف

ہوتے ہیں۔ برہمن کے کلام میں یہ صنعت کثرت سے ملتی ہے:

هرگز بخاك پائی نگاری نمی رسد

آن سر که خاکسار تراز نقش پانشست۵ے۱

مراۃ النظیر:

کلام میں مراۃ النظیر سے مرادایسی چیزوں کا ذکر کرنا ہے جن میں آپس میں مناسبت یا تعلق پایا جائے۔ اس صنعت کو برہمن نے بڑی خوبصورتی سے شعر کا جامہ پہنایا ہے۔ مثلاً

گل یکی خاریکی، شاخ یکی ، تاك یکسیت

نزد ارباب نظر هر خس و خاشاك یکسیت٦ے۱

گل، خار، تاک ان سب الفاظ میں باہمی مناسبت پائی جاتی ہے اور برہمن نے خس وخاشاک کواوپر دیئے گئے الفاظ سے مشابہت دی ہے۔

شعراء کا کلام حرف عطف کے بغیر ناممکن ہے۔ برہمن نے اس فن کو پیش نظر رکھ کر شاعری کی ہے:

سرشوریده، دل آزرده، دماغ افسرده

من از اسباب جهان این سروسامان دارم۷ے۱

برہمن تشبیہات واستعارات کا استعمال بڑی خوبی سے اپنے کلام میں کرتے ہیں:

چولاله داغ غم عشق برجبین دارم

چو گل ز سخت جگر خون در آستین دارم۸ے۱

بے ساختگی اور برجستہ گوئی اور تازگی خیال برہمن کے کلام کا ایک حصہ ہے۔ اور ان کے خیال کی تازگی انہیں دیگر شعراء سے معروف وممتاز کرتی ہے۔ اپنی اس صنعت پر وہ خودفخر کرتے ہیں:

برهمن نظم تو از عالم باید آید

گهر افشاند بروعقد ثریا امروز۹ے۱

ایران کے مشہور شاعر حافظ شیرازی بھی اپنے کلام پر اس طرح فخر وافتخار کا اظہار کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ برہمن نے حافظ کی شاعری کی بھی پیروی کی ہے:

غزل گفتی و در سفتی بیا و خوش بخوان حافظ
که بر نظم تو افشاند فلك عقد ثریا را

اپنی نازک ادائی اور نکتہ دانی کے وہ قائل ہیں۔ کہتے ہیں:

برهمن دارد سخن نازکتر از طبع بتان
این همه نازك ادای از کجا دانسته است[۱۸۰]

برہمن کے خیال کی پرواز انہیں کہاں سے کہاں لے جاتی ہے:

سماع اهل محبت از عالم دگراست
هزار و جد بآهنگ یك اصول کنم[۱۸۱]

ما برهمن صحیفه نویس محبتم
بیکار نیست کلك محبت نگار ما[۱۸۲]

هر شب گهرا فشان شود از گوشه مژگان
بر دامن صد پارهٔ ما چشم تر ما[۱۸۳]

وہ خود کہتے ہیں کہ ان کا کلام رمز وادا اور معمہ سے پر ہے:

برهر زبان برمز و ادا بگذرد سخن
امامیان اهل سخن این ادا کمست[۱۸۴]

قناعت، ترک تمنا اور ترک تعلق جیسے موضوعات کو وہ اپنے کلام میں کس خوبی سے بیان کرتے ہیں:

کیمیا ئیست قناعت که چو آید بعمل
آنچه زین خاك توان یافت زرنتوان یافت[۱۸۵]

کونین را بخلوت دل ره نمی دهد
آزادهٔ که ترک تمنا گرفته است[۱۸۶]

مقام عشق بلند است برهمن از شوق
براه ترک تعلق باین مقام رسید[۱۸۷]

برہمن اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و انکساری سے پیش ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اعمال اس قابل نہیں ہیں کہ اس واحد ہستی کا سامنا کر سکیں جو اس تمام کائنات کا مالک ہے۔

حاصل عمراز جهان نقد گناه آورده ایم
نامه اعمال سرتا پا سیاه آورده ایم[۱۸۸]

شد عجز ما وسیله عذر گناه ما
شستم زآب دیدهٔ جامی که داشتیم[۱۸۹]

وہ ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول نظر آتے ہیں:

ای عقل پیش پر تو ذات تو چون سها
وی چشم برکمال صفات تومبتلا[۱۹۰]

دربار گاه لطف تو جائی سوال نیست
این جا چه احتیاج باظهار مدعا[۱۹۱]

در حضرت جلال تو کس را جمال نیست
باشد گدائی کوئی تو هم شاه وهم گدا[۱۹۲]

برہمن تسلیم و رضا کے قائل ہیں۔ وہ اپنے تسلیم و رضا کے مالک کے سامنے سر بسجود رہتے ہیں:

برهمن میشود آسان برضا و تسلیم
این همه در ره تدبیر محالی که تراست ۱۹۳؎

برہمن نے نہایت دقت نظر سے اپنے دیوان کو مرتب کیا ہے۔ ان کی بیشتر غزلیات پانچ یا چھ اشعار پرمبنی ہیں۔ ان غزلوں کی بحریں مختصر ہیں۔سادہ سلیس زبان استعمال کی گئی ہے۔ان کے تخیل کی پرواز واضح اور انداز بیان صریح تر ہے۔مشکل اور پیچیدہ الفاظ کا استعمال کم کیا ہے۔ان کے دیوان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے غزل سرائی میں کافی محنت کی ہے۔ مراحل تصوف ومعرفت وطریقت، دنیا کی بے ثباتی، وحدۃ الوجود، زندگی کی ناپائیداری، رضاوتسلیم حشر ونشر پر ایمان، عشق حقیقی و مجازی، محبت کی صعوبتیں،مشکل کشائی،محبوب کے چہرے،ابرو،زلف،کمر کی تعریف (محبوب کے خدوخال کی تعریف) بادہ وساغر کی باتیں،اپنے کلام پرفخر وافتخار،صنائع بدائع سے مزین اشعار کلام میں جابجا نظر آتے ہیں جو ان کی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہیں۔ان کی کچھ غزلیں نمونے کے طور پر پیش کی جاتی ہیں:

کنم زساده دلی بند دیدهٔ مژگانرا — بمشت خس نتوان بست راه طوفان را
جگر فشان شده ام باز جای آن دارد — که لاله زار کنم دامن و گریبان را
همیشه زلف ترا اضطراب در کارست — چگونه جمع کنم خاطر پریشان را
شبی خیال تو آمد بخواب و آسودیم — وگرزهم نکشا دیم چشم گریان را
برهمن از تو سخن بی دلیل میخواهم
که اعتبار نباشد دلیل و برهان را ۱۹۴؎

جوانی بود فصل عیش و عهد کامرانیها — کجا آن فصل وکو آن عیش وکی آن شادمانیها
دو چشم خون فشان میکند دورا زلب لعلی — که هنگام تکلم میکند گوهر فشانیها
برد افسانه عهد شباب از دل غبار غم — که دل راتازه سازد یاد ایام جوانیها
بیلیک نکته از درس محبت خوان و فارغ بشو — که باشد نکتهای بیکران در نکته دانیها

حدیث عشق از گفتار و تکرار است مستغنی
برهمن در محبت کفر باشد قصه خوانیها۱۹۵

دنیا تمام خواب پریشانی منست
وین روز شب تصور حیرانی منست
دانا کند معالجه حال خویشتن
بیماریم زعلت نادانی منست
برهر زمین که می نگرم سجده میکنم
خاك نیاز صندل پیشانی منست
طوطی شکر فروش دکان زبان من
بلبل نمك چش شکر افشانی منست
در بوستان عشق برهمن فسانه گواست
مطرب ترانه ساز غزل خوانی منست۱۹۶

اگر تو جو دکنی مهر تو زجان نه رود
که عشق از دل عاشق بامتحان نرود
بحفظ راز محبت نخست این شرط است
که هر چه دردلت افتاده بر زبان نرود
درین خیال چو موگشتم و ز شوق هنوز
خیال موئی میان تو ازمیان نرود
هر پیچ و تاب خم زلف می کشد هربار
کدام دل که پی یاد دبستان نرود
برهمن از سخن گفتن و زشوق قبول
نگاه تربیت عشق رائیگان نرود۱۹۷

برہمن نے غزلیات کی طرح اپنی رباعیات میں بھی ایسے مضامین کو پیش نظر رکھا ہے جو اس عہد کے عالموں اور دیگر عمال حکومت کے لئے چراغ راہ تھے۔ ان رباعیات میں انہوں نے مربی و سرپرست بادشاہ، شہزادے کی شان وشوکت، حسن و عشق، زلف و سنبل، دنیا کی بے ثباتی، شرف نفسی دیگر مضامین اور کہیں وہ اپنے حالات زندگی کو بہت ہی موثر اور دل کش انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کی یہ رباعیات فارسی ادب میں بہترین اضافہ ہیں۔ ذیل میں چند رباعیاں نموتناً پیش کی جاتی ہیں:

برہمن اپنے تجربات ومشاہدات کو کس خوبی سے بیان کرتے ہیں، غور فرمایئے:

مایست و بلند روزگاران دیدیم — مافصل خزان و نوبهاران دیدیم
در راه طلب دواسپه می باید تاخت — ماتاختن شاهسواران دیدیم ۱۹۸

رباعیات کے مضامین ناصحانہ پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ رباعیات داراشکوہ کی موت کے بعد اورنگ زیب کے عہد میں لکھی گئی ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے مربی وسرپرست داراشکوہ سے یک گونہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ اس کے قتل کے بعد وہ اس قدر پریشان تھے کہ ان کا دل اس دنیا سے بھر گیا تھا۔ دنیا کی ہر چیز انہیں ہیچ نظر آتی ہے:

اسباب نشاط و کامرانیها همه هیچ — چون در گذشت زندگانی همه هیچ
گیرم که شدی گنج معانی همه هیچ — در هیچ ندانی و بدانی همه هیچ ۱۹۹

شاہجہان نے اپنے جلوس کے چودہویں سال میں ۱۰۵۴ھ/۱۷۰۰ء میں بیگم صاحبہ (جہاں آرا) کا جشن حصول صحت منایا تو برہمن نے ایک رباعی پیش کی:

در جشن مبارك شهنشاه جهان — شاهنشاه آفاق خدیو گیهان
دریا شد ز آب گهرروئی زمین — هر خانه شد از لعل بدخشان کان ۲۰۰

شاہجہان جب لاہور سے کشمیر کی سیر کے لیے روانہ ہوئے وہاں مجلس شعروسخن گرم ہوئی۔ برہمن نے ایک رباعی دربار میں پڑھی۔ اس بارے میں برہمن کہتے ہیں:

"در همین مجلس رباعی فقیراز نظر کیمیا اثر گذشت
و از روئی زره پروری بدست مبارك گرفته بنفس نفیس
مطالعه فرمودند۔"

ای از تو شرف یافته ایام شرف — خورشید رخ تو برد از ماه کلف
ای طنطنه هشت خوش دولت تو — ورنه فلك بستش جهت و چار طرف ۲۰۱

کشمیر سے واپسی پر شاہجہاں نے لاہور میں قیام کیا۔ برہمن نے یہ رباعی پڑھی:

ایام سرود و سیر و نخچیر رسید — صد گونه طرب بعالم پیررسید
از چار طرف نوید شادی برخاست — شاهنشاه آفاق ز کشمیر رسید ۲۰۲

ان ہی دنوں جشن سالگرہ منایا گیا اس جشن میں برہمن نے یہ رباعی پیش کی:

شد وزن مبارک شهنشاه جهان　　شاهنشاه آفاق خدیو گیهان

چون شاه جوان بخت بمیزان رسید　　صد پله بلند شد ز گردون جهان ۲۰۳

بادشاہ جب لاہور سے اکبر آباد تشریف لایا اس موقع پر جشن منایا گیا، برہمن اس طرح دعا دیتے ہیں:

پیوسته بکام و کامرانی باشی　　هر لحظه بعیش و شادمانی باشی

این اول قرن دارالسلطنت است　　صدقرن دگر بزندگانی باشی ۲۰۴

برہمن شاہجہان بادشاہ کی حکومت کی شان، شوکت و جاہ وجلال اور دبدبہ فوج کو کس خوبی سے بیان کرتے ہیں، ذرا غور فرمائیں:

شه　مبارک　شاهجهان　　شاهنشه آفاق خد یو گیهان

خورشید چو دریچه بیرون آمد　　صدا بلند شه گردون گیهان ۲۰۵

دوسری جگہ کہتے ہیں:

ای دبدبه فوج تو فلك و ملك　　وی طنطنه اوج تود رکوس فلك

مانند سبزه تو بردوش سماك　　آمد تو بر فرق سماك ۲۰۶

برہمن جب لاہور پہنچے تو ایک رباعی خط شکستہ میں لکھ کر شاہجہاں کی خدمت میں پیش کی۔ بادشاہ نے بڑی تعریف کی اور سلطنت کا میر منشی بنایا، رباعی یہ ہے:

شاهی که مطیع او دو عالم گردد　　خورشید چو چرخ بر پیش خم گردد

از بسکه بدورش آدمی یافت شرف　　خواهد که فرشته نیز آدم گردد ۲۰۷

برہمن نے شاہجہان کے وزیر افضل خان کی تعریف وتوصیف اور اس کے دربار میں فضیلت کو کس قدر سادگی، اختصار اور صداقت کے ساتھ بیان کیا ہے، ذرا غور فرمایئے:

علامه روزگار دانائی جهان　　سر دفتر ارباب کمالات جهان

دستور وزیراعظم هندوستان　　عنوان صحیفه خود فضل خان ۲۰۸

وحدۃ الوجود کے وہ قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کعبہ کا طواف یا تیرتھ یاترا ہی زندگی کا اصل مقصد نہیں ہے۔ منزل مقصود سب کی ایک ہے، میں ہندو اور مسلمان کو ایک ہی

سمجھتا ہوں:

ماسنبل و زلف رایکی دانستیم　　از یکتای دو تایکی دانستیم
مارا چو بخویش آشنامی دادند　　بیگانه و آشنایکی دانستیم ۲۰۹

شاہجہاں آگرہ سے چل کر جب سرہند پہنچا تو وہاں جشن نو روز کی محفل سجائی گئیں۔ برہمن اس وقت نہ صرف میر منشی تھے بلکہ شاہجہاں بادشاہ کے دربار کے شاہی شعراء میں شامل تھے۔ اس محفل میں برہمن نے ایک رباعی شاہجہاں کی خدمت میں پیش کی جو قابل قبول ہوئی اور داد و تحسین حاصل کی:

روز نودسال نو مبارك بادا　　ملك نو ومال نو مبارك بادا
ای آنکه خیال مست گیری داری　　پیوسته خیال تو مبارك بادا ۲۱۰

برہمن نے غزل، قصیدہ، رباعی کے علاوہ مثنوی پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی مثنوی 'ہفت بحر' جو ہماری دسترس میں ہے۔ ''کلیات بہار سنامی'' کے علاوہ کہیں نہیں ملتی۔

برہمن اپنی مثنوی کا آغاز ''ہو یعنی ''دریائی ہو'' سے کرتے ہیں۔ صوفیا کی نظر میں ہمہ اوست کا فلسفہ کافی اہم تصور کیا جاتا ہے۔ برہمن بھی دریای ہو میں غرق ہو کر اپنے وجود کو دریائی عدم کی نذر کر دینا چاہتے ہیں۔ برہمن خدائے تعالیٰ کی ذات اقدس سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

خداوندا دلی ده محرم راز　　که برروئش در معنی بود باز
بمعنی صورتم را آشنا کن　　دلم را چشم معنی بین عطا کن
چه شدگر حسن صورت دل پسنداست　　فریب جلوۂ معنی بلند است ۲۱۱

مثنوی ہفت بحر میں دوسرا عنوان ''در نیاز وستائش حضرت بے نیاز گوید'' میں بھی باری تعالیٰ کے صفات اور اس کی قدرت کی تعریف کرتے ہیں:

خدای جرم بخش بی نیازی　　خداوندی کریمی کارسازی
زبان قاصر بتقریر صفاتش　　برون زاندازۂ ادراك ذاتش
خرد از سیر راهش باز مانده　　زبال افتاده وز پرواز مانده ۲۱۲

اس مثنوی کا تیسرا عنوان ''در بیان جوش وخروش دل گوید'' قائم کرتے ہیں اور اس میں عشق ومحبت کے جوش و ولولے کو کمال خوبی سے بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد ''در صفت تازیانہ آ گاہی گوید''، ''در صفت طراوت گلشن جوانی و ندامت ایام نادانی گوید''، ''در صفت رہ نوردی کمیت قلم بعرصہ سخن گوید''، ''در کیفیت نشائے سخن گوید''، ''در صفت آ رائش بستان سخن گوید''، ''در صفت طنطنہ ساز بلند آوازہ عشق گوید'' اور ''در صفت گوہر فشانی صحائف مدح وثنای ذات ملکی ملکات اعلیٰ حضرت گوید'' میں شاہجہاں کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ وہ انہیں مظہر نور الہٰی کہتے ہیں۔ اور بادشاہ کی ملک گیری، ملک کا انتظام اور جود وسخا کی تعریف کرتے ہیں:

زبان هر که گویا دردهان است ثنا خوانِ شهنشاهی جهان است
فلك هر صبح سازد از بر خویش نثار خاك راهش گوهر خویش
شهنشاهی جهاندار و جوان بخت که خورشیدش سز د تاج آسمان تخت
بهر جا سر کشان در روزگار اند زمین آسا براهش خاکسار اند[۲۱۳]

ھوالرحمٰن کے عنوان میں خدائے برتر کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرا ہی زمزمہ پورے جہاں میں ہے۔ شیخ و برہمن سب کی نظر تیری طرف رہتی ہے اور تو دنیا کے کوئی بھی بھید وراز سے بیگانہ نہیں ہے۔ میں بھی خوش لبوں کے ساتھ تیرے ساحل کرم پر امیدوار کھڑا ہوں:

ای تواز اندازۀ دانش فزون دلی زتوبر گشته درون و برون
عقل باد راك تو دانا شده چشم بدیدار تو بینا شده
هر طرف طنطنۀ ساز تست هر دو جهان گوش برآواز تست
ای بمیان مه و بر گران زمزمه نام توبرهر زبان
شیخ و برهمن بتو دارد نظر در نظر لیك همه بی خبر
هیچ سر از سر تو بیگانه نیست از تو جدا عاقل و دیوانه نیست
بحر گهر موج زند هر طرف

خشک لب افتاده بساحل صدف[۲۱۴]

''در کیفیت نشاء شب مہتاب وجلوہ صبح گوید'' میں چاند کے جلوہ اور صبح کی کیفیت کو بہت خوش اسلوبی سے بیان کرتے ہیں۔ ''در انتباہ نفس امارہ گوید'' میں نفس امارہ سے انسان کو خبردار کرتے ہیں:

چشم تو مخمور ز جام شراب	بردل افتاده زغفلت نقاب
عمر تو در خواب سحر میرود	روز بهر روز بهتر میرود
این همه آرایش هنگامه چیست	لاف توبر خرقه و عمامه چیست
بر سرآبست بنائی جهان	خانه نساز ند برآب روان
تا بزر ومال فروماندهٔ	خانه بدام هوس افشاندهٔ
هر نظر تیز بدان دانه کرد	در شکن دام هوس خانه کرد
دانه فروریختهٔ راه تست	دانه شناس این دل آگاه تست[۲۱۵]

برہمن نے ھوالرحیم، ھوالمستعان، ھوالغنی اور دراظہار کیفیت نشاء روزگار گوید، خطاب برہمن بآفتاب، خطاب دیگر، ابعہ شاہجہان بادشاہ کی ستائش میں ''درستائش ذات قدسی صفات خدیو جہان خلیفہ زمان شاہجہان بادشاہ گوید'' یا حفیظ تعالیٰ شانہٗ، درثباتی اساس ناپائدار روزگار گوید، ھوالفرد، اور درمشاہدہ جلوۂ صبح وادراک کیفیت نسیم بہار گوید جیسے عنوانات سے مثنوی مکمل کی ہے۔ آخری عنوان ''درمراتب عشق گوید'' میں برہمن نے عشق کی کیفیت و حالت کو کس خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ عشق ایک ایسا چمکدار و روشن موتی ہے کہ جس کی چمک نے پورے عالم کو منور کر دیا ہے:

دردانه بی بهای عشق است	عالم همه رونمائی عشق است
بی عشق که آتش جگر سوز	بی عشق که جوهری دل افروز
گردی که زکوئ عشق خیزد	برچهره مهروماه ریزد
این جمله که کارگاه دنیاست	عشق است درد که کار فرما ست
چون آتش عشق بر فروزد	ناپخته و پخته هر دو سوزد

آید چونسیم عشق در باغ　　　چون لاله توان نشست در باغ
تاگردش روز روزگار است　　　هنگامهٔ عشق برقرار است
تاسورش حسن درجهان است　　　افسانهٔ عشق درمیان است

چون حسن زپرده گشت بیرون
دیوانهٔ عشق گشت مجنون ۲۱۶

کلیات برہمن

معروف بہ

گلزار بہار بزم نظم

افصح الفصحا ابلغ البلغا، بلبلِ ہندوستان، ہندوے فارسی داں

رائے پنڈت چندر بھان برہمن

مثنوی ہفت بحر

ہو

خداوندا دلی ده محرم راز
که بر روئش در معنی بود باز

معنی سورتم را آشنا کن
دلم راچشم معنی بین عطا کن

چه شد گر حسن صورت دل پسند است
فریب جلوهٔ معنی بلند است

چوچشم دل بمعنی بازگردد
فریب صورت از درباز گردد

جهان معنی از صورت برونست
بمعنی چشم معنی رهنمون است

بمعنی آنچنانم کن هم آغوش
که گردد جلوه صورت فراموش

بمعنی هر که دارد دیده را باز
بصورت کی تواند بودد مساز

بعالم نقش بی معنی است بسیار
مرا بصورت معنی بود کار

برهمن را بمعنی آشنا کن
بخود راهش ده و از خود جداکن

❁

در نیاز و ستایش حضرت بی نیاز گوید

خدای جرم بخش بی نیازی　　خداوندی کریمی کارسازی
زبان قاصر بتقریر صفاتش　　برون زاندازه ادراك ذاتش
خرد از سیر راهش باز مانده　　زبال افتاده و ز پرواز مانده
هوائش عقل را دیوانه سازد　　فزائش شمع را پروانه سازد
قیاس آنجاست مرغ پر بریده　　که غیر از کنج دیواری ندیده
کسی کز عقل دوراندیش باشد　　زعقل بیش حیران بیش باشد

بدانشهائی اوره کی بردکس
که دانشهائی او ارداندوبس

❁

دربیان جوش وخروش دل گوئد

کیم من خانه زادی خانه عشق　　برهمن زادهٔ بتخانه عشق
دل دارم بسی بیگانه از خویش　　براه عشق از من صد قدم پیش
زسرتا پا پرستاری محبت　　بگردن بسته زناری محبت
زدست پیچ و تاب عشق بیتاب　　سراپا آتش و از شرم چون آب
زیکرنگی هم آغوش محبت　　سراپا هوش بی هوش محبت
تهی دست از متاع کا مرانی　　دل آماده از گنج معانی
چوباشد گنج معنی در دل من　　دو عالم سهل باشد حاصل من
هنر باید چراغ خانه دل　　زمغنی کج در ویرانه دل
خداوندا دلی دارم همه ریش　　که مرهم رانخواهد محرم خویش
تهی دست دلی در اول کار　　متاع آشنائی را خریدار

دل من ذرهٔ آن آفتاب است — که گردش عالمی در پیچ و تاب است
دماغ آشفته و عشقم چوں سنبل — پریشان خاطری پیوسته چون گل
زخون دل برآنم هر زمان جوءی — که نقاشی کنم بر صفحه روءی
چو خواهد رنگ خونین روءی زردم — گل افشان از بهار دیده کردم
جراحت خانه او سینه من — محبت محرم دیرینه من
دل من طفل نادان محبت — سبق خوانی دبستان محبت
سرم سودائی بازار عشق است — دلم دل بسته زنار عشق است
زآه گرم آتش می فشانم — بآب دیدهٔ ترمی نشانم
گهی از آب و گهه از آتشم شاد — سروکارم بآب و آتش افتاد
نهانی آتشِ دارم بسینه — بآئینی که مئی در آبگینه
مرا ناخن بدل تاکارفرما ست — دلم را از خروش آسودگیهاست
زگر یه هر نفس افتم بگرداب — چراغی دیده روشن سازم از آب
چنانم مانده در طوفان دیده — که خس باشد بطوفانی رسیده
نه در مغز سرم بوءی محبت — نه خاك برسر از کوءی محبت
نه سوز ان و نه جوشان و نه خامم — زبس خامی نمی دانم کدامم
چوچشم خونفشانی کرد آغاز — مرا از غنچه دل شد گره باز
متاعی از جگر دارم فراوان — که آئین بسته ام در شهر یزدان
بود لخت جگر زیب کنارم — تو گوئی باغبان این بهارم
زمژگاں در گهر ریزی چنانم — تو پنداری محیط بیکرانم
سخن بس برزباں ناگفته. دارم — گلم در دست و مغز آشفته دارم
نفس از سینه ام بیرون نیاید — که صد جا پائش اندر خون نباید
هواها صاف و فصل نوبهار است — فلك چون چشم عاشق اشکباراست
نشسته هر یکی در کنج باغی — رسانیده زجام می دماغی

من اندر کنج تنهائی بصد سوز ندانم رنگ شب نالونهٔ روز
مراشد چهره از غم سر بسرزد برآرم آهِ گرمی بادم سرد
دلم تا بزم غم را تازه آراست صبوری از برم آهسته برخاست
بدریای محبت چون فتادم برفت اندیشهٔ ساحل زیادم
من و غواصی این بحر نایاب بدست آرم دری ورنه من و آب
زهی سامان طوفان چشم زارم چو خواهی امتحان اشکی ببارم
زهی همسایه آتش دل من بروئ آب و آتش منزل من
تنور سینه ام آتش فروش است سرشك دیده ام طوفان بدوش است
بناخن می شگافم سینه ریش که تا محرم شوم در خانه خویش
چنان درِ سینه دارم آتش تیز اگر گوئم زبان گردو شرررریز
چه مرغم کاتشین دارم نفس را که می سوزم درو بام قفس را
مرا رمزیست پنهان باخیالش کزان در پرده می بنیم جمالش
ازان رو بار غم بردل ندارم که باغم همچو شادی سازگارم
غم و شادی بود چون جمله ازدوست خوش است آن کان رضائ خاطراوست
شبی بردم به تنهائی هم آغوش بکلی کرده هستی را فراموش
شبی آمد پس از سالی بدستم
که از اندیشه عمری برستم

❁

درصفت تازیانہ آگاہی گوید

دلاتا کی شبت زینسان سود روز برآمد آفتاب عالم افروز
نسیم صبح باید کرد درکار که گردد چشم خواب آلوده بیدار
ترا چشم خرد تا در نقاب است نه بینی في المثل گر آفتاب است

بر عاشق جهان باشد سرابی بود معموره عالم خرابی
ترا لب تشنه در هبر سرابست تو معموری طلب عالم خرابست
ز علم بی عمل چندان که کاهی بیفزا در عمل گر مرد راهی
بقای مطلق ار خواهی فنا شو اگر خواهی بقا از خود جدا شو
مبین در غیر غیر ازوی مبین هیچ که غیراز وی همه هیچ است در پیچ
چو سرواز لاف آزادی زندکس کشدپای طلب در دامن جنس
چو غنچه رازدل باید نهفتن بخون خوردن چوگل باید شگفتن
اگرچون لاله بردل داغ داری میان خانه خود باغ داری
بگل افشان بهار کامرانی بگردان دور جام دوستگانی
تماشاهست در هر کوی بازار ولی باید تماشا را خریدار
دلت را گر فروغ آشنائی است بچشمت از حقیقت روشنائی است
خرد را پیشکار راه خودکن سخن ها بادل آگاه خودکن
چوآگه نیستی از آخر کار زآخرها باز اول شوخبردار
ترا در سر غرور توازانست تو بی مغزی غرور تو ازانست
گروهی! سر پراز مغز خردکن بدانش امتحان نیك و بد کن
دلت آماده چندین گناه است چه حاصل گر زبانت عذر خواه است
چو دل در کار خود باشد گرفتار ندارد درمیان عذر زیان کار
زیك رنگی زبان بادل یکی کن عمل بیش و حکایت اندکی کن
چه خوش باشدبروئی عقل و تدبیر سمند نفس را گشتن عنان گیر
که چون در تبه خواهد کرد جولان عنان گیری بصد تدبیر نتوان
[illegible] و رتبه چون تخمی فشاند نهال آرزو در دل نشاند
زدل بیرون کن این تخم هوس را مبین دانه ببین قید قفس را
بکش سردرگریبان خموشی شناسا تو بعلم غیب پوشی

کسی کز عیب خود گردد خبردار(خوب)کجا دارد به عیب دیگران کار
چو دامانت پراز آلودگیهاست(واه)ترا لاف صفائی نکته بیجاست

بدور ازدیدن غیر دودیده خوش آن دیدیم که غیر اوندیده
نقاب از پیشگاه دیده کن دور که یا بد دیده ات از هر کران نور
دلست از رنگ عصیان گرسیاه است پشیمانی علاج هر گناه است
تماشائی بگلزار وفا شو بآداب حقیقت آشنا شو
ترا آئینه دل گربدست است چه شد گر ظاهرت صورت پرست است
بهرکاری که کردی شغل بسیار قصوری در حساب عمر بشمار
نۂ بلبل ترا قید قفس چیست نۂ گر بوالهوس چندی هوس چیست
هوس را مرغ دست آموزکردن شب شادی بغفلت روز کردن
نظر بر کو تهی بسیار بستن خیالی یك خطا صد بار بستن

کسی کو گرد حال خویش گردد
خبردار مآل خویش گردد

۞

درصفت طراوت گلشن جوانی وندامت ایام نادانی گوید

جوانی جلوۂ دارد دل افروز که هر صبحش بود چون عید نوروز
جوانی فضل و عیش کامرانیست نشاط افزاست دل فصل جوانیست
جوانا قدریکدیگر بدانید بدانید آنچه باید تاجوانید
بباغ عمر اگر باشد جوانی ببار آرد نهال کامرانی
چه کار آید کسی گر پیر گردد که شاخ خشك آتش گیر گردد
سخن بر لب زحیرت بازماند نفس در سینه از آواز ماند
دریغا صرف شد نقد جوانی به تلخی رفت شیرین زندگانی

بکارای آنکه باید عاقبت کار | جوانی رفت ناگشتم خبردار
چو کم شد آب از خود دست شستم | چو نقداز کیسه بیرون رفت جستم
چو طاقت طاق شد هشیار گشتم | چو وقت از دست شد بیدارگستم
ولیکن تادمی از عمر باقیست | می هوش آفرین در دست ساقیست
مرا ساقیست پیری خرقه بردوش | که ریزد ساغر هوش از رهِ گوش
من ار پیرم هنوزم دل جو ان است | زبانم طوطی شکر فشان است
چه شد گر پیر باشد مرد هشیار | دلش باشد جوان در عرصه کار
هنوزم نشه در سر، باده در جام | هنوزم بخت صید و دانه در دام
سخن را رنگ وبوئی تازه از من | کتاب عشق را شیرازه از من
بساط غفلت از هم در نوردم | شبم نادم بیاد هر که کردم

بگیرم نامه اعمال در پیش
بخوانم ماجرائی قصه خویش

در صفت ره نوردی کمیت قلم بعرصه سخن گوید

قلم نقاش نقش روزگار است | قلم جادو ادائی سحر کارست
قلم را گر نباشد بند برپا | چو مرغ و هم برگردون کند جا
بیا ای کلك مشك افشان نگارم | که جز تو محرم دیگر ندارم
که با جادو اداها آشنائی | توان سحر آفرین جادوادائی
سخن را از تو باشد جسم و جانی | زتو باقی بود هرداستانی
سخن مرغیست صیادش تو باشی | فریب طبع آزادش توباشی
صبارا کس ندارد بند برپا | توداری از سخن صد رشته برجا
فزائی طبع گردداز توگلشن | سواد دیده باشد از تو روشن
به دلهارا ز تاداری نهانی | تو مجرم درمیان دوستگانی

نگار تازه برکش بر حریری   برآن آهسته بر دلها نغیری
بر آواز محبت نقش برکار
که بردلهای مشتاقان کندکار

در کیفیت نشای سخن گوید

بجوش آمد دگر طبع رسانم   مگر با چشمه فیض آشنا دم
سخن اندك اگر بسیار گویم   حکایت از زبان یار گویم
سخن گویم سخن چین بیشمار است   به بستان کم گل و بسیار خارست
بمعنی پر بودآنکه خموشست   دهل خالی بود زان در خروش است
خموشانی که در جلباب هوشند   زبان در کام چون غنچه خموشند
سخن لبریز مئ بر زبانم   بجوش آورد مغزاستخوانم
سر تیغ زبانم تندوتیز است   سمند طبع شو خم گرم خیزاست
دروبام سخن میدان من بس   بمیدان سخن جولان زمن بس
سخن چون راز داری چون منی یافت   تو گوئی گنج خود را مخزنی یافت
سخن بسیار دارم در خزانه   ولیکن رخصت گفتن مرانه
کسی در خلوت دل آشنا نیست   که آنجا جز سخن در مدعا نیست
چوگفت وگوئی خواهش درمیان شد   سخن چون بر زبان آیدعیان شد
نبودی گرسخن گفتن زبان را   که دادی از صفات حق نشان را
سخن خواهم که باشد برزبانم
چه شد گرنیست گوهر درمیانم

در صفت آرایش بستان سخن گوید

بخواب آمد مرا آن روئی گلگون — کزان کزدیده ام بیرون دود خون
هتزّی آن دو زلف عنبری بوی — گشددل را بصد پحش بهر سو
چو پیچد زلف او پیچد دل من — که شکل تر بود هر مشکلی من
صبا چون زلف او را شانه سازد — دل شوریده را دیوانه سازد
دلم زان پیچ و تاب زلف و کاکل — کندمشق پریشانی چون سنبل
خط سبزش کند روشن نظر را — لب لعلش کند شیرین شکر را
کنم کحل بصیرت خاك پایش — برون از دیده نتوان کرد جایش
نقاب از چهره خود چون کند دور — شود دیوانه او دیدهٔ خور
شکنج عرهٔ مشکین غزالان — فریب جلوه های نونهالان
برداز جادل افتادگان را — بقید آردسر آزادگان را
چه دامت آن کمند عنبرافشان — که اول رشته بندد بررگ جان
برِزویش بهار کامرانی — خط رویش نگار شادمانی
چو بگشاید شکنج کاکلی را — بهر موی توان دادن دلی را
لبش کان شکر آیا شکرریز — خیال شربت او مستی انگیز
گلش در گلبن خوی دمیده — ملاحت از جبین او چکیده
چو برلب مهر خاموشی نهادی — تبسم برلبش بیخو فتادی
فرو میریخت هنگام تکلم — شکر در خنده و گل در تبسم
نهال تازه قد آن پریزاد — خیال یاد طوبیٰ برده ازیاد
نهال غمزه آن ناوك انداز — برد دلها واستغنا دهد باز
زبوئی گل دماغ آن پر پروی — به نفرت میز ند چینی برابروی
عذاری نازك او برگی از گل — برونش چشم من چون چشم بلبل

برافشانم اگر اشکی زدیده　　برنداز دامن من گل کشیده

اگر در دیده ضبط گریه خواهم
چکد خون محبت از نگاهم

در صفت طنطنهٔ ساز بلند آوازه عشق گوید

چومستی آورد عشق زبردست　　نخستین تو به فرما را کند مست
الائی مست جام بادۂ عشق　　براه عشق کار افتاده عشق
شراب عشق مرد افگن ازان است　　که دروی آب و رنگ امتحان است
جنون عشق در پیشم گذر کرد　　مرا مجنوں زفیض یك نظرکرد
ز فیض عشق گشتم جمله تن گوش　　چو سوسن ده زبان و همه خاموش
جنون رونق فزای کار عشق است　　هوائش گرمئی بازار عشق است
خرد مزدور ارباب جنوں است　　خرد حمّال اسباب جنون است
جهان گر سبز خواهد سر بسر کشت　　نخواهد هیچ عاشق گشت سرگشت
جنون را پیش کار کار خود کن　　محبت شحنۂ بازار خود کن
زعشق آنانکه قرب وصل خواهند　　ز راه عاشقی گم گشته راهند
تو نقش ماسوا از سینه کن دور　　که برصافی تجلا می کند نور
تواز تخم هوس کن سینه را پاك　　که بینی عالمی دیگر درین خاك
چوبنهادی براه عشق گامی　　میان ره نه صیادی نه دامی
چوخس باید بروی آب رفتن　　چو بادازروی سحرا پاك رستن
هزاران فتنه در آغاز کار است　　ولیکن مرد همت برقرار است
نمی باید چنان در راه فتادن　　که در هر گام باید ایستادن
برون نه یك قدم از خویشتن پای　　که پائ در مکان عافیت پائی

خوشان پرهیزگاران نظر باز | بفکر عافیت بین محرم راز
جهان برجلوه اینها چشم بسته | فلك در گردش اینها شکسته
خموشان پراز جوش محبت | سراپا هوش و بیهوش محبت
ترادر دیده اول نور باید | که در چشم تو آن صورت نماید
من و سیر گل باغ محبت | فراغ سینه باداغ محبت
شرابی کز محبت بوئ دارد | هزاران رنگ یکرنگی فزائد
محبت چون شراری برفروزد | نه تنها خام اول پخته سوزد
نهانی شعله این آتش تیز | کنندامان مژگان راشررریز
به بنددلخت دل بردوش مژگان | شود خون ریز مژگان تابدامان
عجب سازیست ساز آشنائی | که با اونیست تار بیوفائی

برون آمدنوای تازه ترین ساز
دهد بیرون ازان پی ناخن آواز

❁

درصفت گوہر فشانی صحایف مدح وثنای ذات ملک ملکات اعلیٰ حضرت گوید

زبان هر که گویا در دهان است | ثناخوان شهنشا هی جهان است
فلك هر صبح سازد از بر خویش | نثار خاك راهش گوهر خویش
شهنشاهی جهاندار وجوان بخت | که خورشیدش سزد تاج آسمان تخت
بهر جا سرکشان در روزگاراند | زمین آسا براهش خاکساراند
پئ آرام دلهائ شکسته | ستم را دست و بازو سخت بسته
برآفاق است چترش سایه گستر | که باشد در شکوه از چرخ برتر

هما در سایه آن چتروالا — کند سرمایه دولت مهیا
فلك طاقست درکا شانه او — چراغ آسمان پروانه او
براق همتش آن تیزگامست — که جولان گاه عرش روم و شام است
شمار ملکش افزون از حساب است — که او در ملك گیری آفتاب است
فلك از بارگاهش خیمه داری — زملکش گنبد گردون حصاری
ضمیرش مظهر نور الهی — شناسائ سپیدی و سیاهی
بکثرت گرچه داردباجهان کار — دلی باشد بخلوت باجهان دار
دلش آئینهٔ صاف معانی — درو پیدا همه راز نهانی
چسان ماند برو راز نهفته — که می یابد بسی حرفی نگفته
گل افشانی کند گاهی تبسم — گهر ریزی کند وقت تکلم
نسیم خلق او عنبر شمیم است — نسیم روح پرورزان نسیم است
بعلم اندازه عالم کند راست — که درهر علم و در هر کار فرماست
دلش دریائ بی پایان پرجوش — بماهی تابماهش حلقه در گوش
بدورش هر که بینی کامیاب است — بنائ ظلم در عهدش خرابست
بود آفاق یمن در پناهش — سرنخوت فروشان خاك راهش
جهان شاهنشهی گردون سریری — چو خورشید فلك آفاق گیری
غبار راه او کحل بصرها — فروغ رای او نور نظر ها
بهر سوی که راند موکب خاص — باستقبالش آید فتح رقاص
سنانش آبدار و آتش افروز — عدو را آب تیغ او گلو سوز
ملك از بس که میگردد بکامش — همای مدعاء افتد بدامش
زبان در وصف او گوهر فشان را — تهی سازد دل دریا ؤ کانرا
چو بنشیند باو رنگ فلك سای — بود چون مهر تابان عالم آرای
چو اورنگ از فلك یکپایه برتر — فروزنده درو گوهر چو اختر

زرفعت کرسیش همسایه چرخ — شکوه پایه اش همپایه چرخ
کجا آید بچرخی سایه آن — چراغ کشورش ایران و توران
فلك خم گشته زیر پایه او — بود خورشید زیر سایه او
سراپایش زگوهر هائی ناب است — تو گوئی نور چشم آفتاب است
ثبات پای او را پائیدار است — همانا دور گردون را مدار است
نه چندان لعل گوهر شد در و صرف — که گنجد در سر هر لفظ و هر حرف
جوگردد تو سن او جلوه فرمای — بروی تو سن گردون زنده پای
غبارش کحل چشم آفتاب است — فلك از جنبش او در خشاب است
زگردون بگذرد بی جنبش پا — نسیم آسا رود برروئ دریا
سمند بادیای برق رفتار — سبك خیز و سبك سیرو گرانبار
نگنجدو صف او در حرف تحریر — نیاید نام او در قید تقریر
نوا سازان بزم شاه عالم — برانداز دست دلراو زدل غم
زند زانگونه مطرب زخمه در تار — که در جنبش در آید نقش دیوار
هوای دلنشین و تار طنبور — زدلهای حزین غمهائ بردور
بگو مطرب که تا دور زمان است — شهنشاه جهان شاه جهان است
مبارکباد بروی جاودانه — هزاران فتح نو در هر ترانه
چون وصف شاه افزون از بیانست — بیان آن نه یارای زبان است
بنازم برعمارات شهنشاه — کزو تاچرخ باشدیك قدم راه
زرخصت از فلك بگذشته شاکر — مه و خورشید خشت آستانش
طلای ناب شد چندان دروچرخ — که نتوان کرد در لوح فلك درج
زرنگینی پر از نقش نگاراست — زصافی سنگ او آئینه دار است
چه سان گوئم سخن از گوهر و سنگ — که از آئینه دلهابردزنگ
فضای نام او والا نشیمن — بود بر اوج گردون سایه افگن

بود هرجشن برفعت سرکشیده نظیرش دیدهٔ گردون ندیده
چوآراید شهنشاه جهانش نهد فردوس سربرآستانش
ز آب آئینه دارز هر طرف بیش که تاپیوسته دارد صورت خویش
چوفردوس برینش هر مکانی بود در هر مکانی بوستانی
خیا بانش چنان عشرت سرشتت که گوئی کوچهٔ راه بهشتت
زگل هر سو صبا دارد ره آورد بهر گامی مقامی میتوان کرد
دری گلشن زگلها دسته دسته صبا در هر طرف گلدسته بسته
بر عنائی و زیبائی چنانست که گوئی شاهد و ماك جهانست
هوایش دلکشاو دلنشین است طراوت خانه اواین زمین است
درین گلشن هوازین گونه سیراب که تادم میزنی آتش شود آب
بهارش نشه بخش هوشیاران خزانش آفت پرهیزگاران
بزلفی باز ماند شاخ سنبل بزیبای پریشان کردکاکل
شگفته هر طرف گلهای لاله گرفته برکف از غیرت پیاله
ریاحین باشقایق دوش بردوش ستاده هر یکی باهم هم آغوش
هزاران رنگ هر سو گل شگفته زشادی تاسحر بلبل نخفته
صباتا بردل بلبل نهد داغ بر افروزد چراغ لاله درباغ
زبان کو ته شود در وصف سوسن که این معنی نمی آید بگفتن
بدیدم آب و رنگ بوستان را صلای بیش دادم دوستان را
زبان در وصف گل بیتاب گردد سخن تابر لب آید آب گردد
بسان غنچه پر گل شد دهانم سخن رنگین برآمد از بیانم
مرابوی گل از جا آنچنان برد که بردوش نسیمی میتوان برد
همی پیچید درسر شور بلبل علاجش گرنگردی نکهت گل
دماغ از بوی گل گرد چناراست که برهر گل توان صدره شد از دست

زخاکش بوی عنبر میتوان یافت زموجش آب کوثر میتوان یافت
در گلشن سرای زاب ز انسان که پنهان دید دروی رازپنهان
در و راز فلك يكيك عيان است تو گوئی عینك چشم جهان است
صدای آب نی پیچید بفرسنگ ولی آهسته از دلها بردزنگ
زهنرش چون توان گفتن سخن را که آبی میدهد روی چمن را
چنان زین نهر شد فواره در جوش که کرد اول سرو پارا فراموش
مگر شد نهزاین گلشن گهر ریز که شد فواره اش آبی گهر ریز
بگیرد چشمه خورشید از و آب ز آبش مزرعه چوخست سیراب
بسازد هر زمان لولوی لالا نثار راه شاهنشاه والا
نهان در سینه دارد آنقدر دُر که گربیرون کند دریا شود پر
بود سیراب از و پیوسته گلشن سرش برآسمان و پابدامن
عمارت بود با گردون برابر چراغان بود در رخشنده اختر
چو بازار چراغ شاه شدگرم چراغ ماه شد در پرده شرم
زعکس این چراغان جهانتاب کشیده صد هزاران نقش برآب
ز حفظ عدل شاه عالم آرا میان آب و آتش می کندجا
دل او آنچنان روشن چراغست که هر سراز فروغ او فراغست
چراغش بسکه دارد نور جاوید بود پروانه این بزم خورشید
بگردش قلعه سنگیں چنانست که از رفعت نظیر آسمان ست
فلك بركنگرش اختر فشانده از و تا آسمان يك زيكه نمانده
بگرد او فلك در پیچ و تاب است به برج او نزول آفتاب است
زطاق او رواق چرخ نزديك به نزد او فراز كوه باريك
بود همسایه خورشید انور بود همپایهٔ سد سکندر
کنون فیض دگر بخشم زبان را ز شهر شاه گویم داستان را

چه شهری آنکه مصر ازدی نشانی | هرات از کوچه او داستانی
بمعموری و آبادی چنان است | که در کوچه اش صداصفهان است
سخن کوته شود ز طول بازار | بعرض اندر زبان ماند بگفتار
نشسته هر طرف گوهر فروشی | برآورده زدریا ها خروشی
فتاده هر طرف صد لعل بد خشان | بود در هر دکان کان بدخشان
متاع هند در دکان و بازار | فتاده هر طرف چندین شتربار
بهردکان متاع چیده چندان | که باشد در تما شا دیده خندان
برآمد از برای امتحانی | متاع هفت کشور داستانی
زاهل روم و شام و چین و ماچین | متاع خویشتن را داده آمین
عراقی و خراسانی زحد بیش | نهاده پیش خود سرمایه خویش
فرنگی از فرنگستان رسیده | نوادر از بنادرپیش چیده
چو شاه از ملك خود آگاه باشد | زمشرق تابمغرب راه باشد
خدایا تاکه دور روزگار است | فلك را دور گردون رامداراست
شهنشاه جهان شاه جهان باد | بدولت کام بخش و کامران باد

۞

هوالرحمن

ای تو از اندازهٔ دانش فزون | وی ز تو پرگشته درون و برون
عقل بادراك تودانا شده | چشم بدیدار تو بینا شده
هر طرف طنطنهٔ ساز تست | هر دو جهان گوش برآواز تست
ای بمیان مه و بر کران | زمزمه نام تو بر هر زبان
شیخ و برهمن بتو دارد نظر | در نظری لیك همه بی خبر
هیچ سر از سرَ تو بیگانه نیست | از تو جدا عاقل و دیوانه نیست

بحر گهر موج زند هر طرف
خشك لب افتاده بساحل صدف

❁

در کیفیت نشاء شب مهتاب وجلوه صبح گوید

بود شبی صاف چوروی بتان
صاف تر از سینهٔ صاحبدلان

ساده شداز نقش نگینی ملك
صاف شد از غصه حسینی ملك

ماه که هم ساقی وهم جام بود
دست و گریبان بلب بام بود

من بچینی شب بچراغ خرد
هم بحزد کرده سراغ خرد

پیر خردشد ادب آموز من
جلوه ده ماه شب افروزمن

ملك من از فیض گوهر بارشد
اندك من مایه بسیارشد

شب همه شب بادل معنی فروز
گرم سخن بوده بهم تا بروز

من بسخن گرم سخن پروری
کرده بهم طبع هنر یاوری

من بسخن داشته هنگامه گرم
من بسخن گشته بیك جامه گرم

رمزشناسان که درین پرده اند
رمز شناسی بسخن کرده اند

غیر سخن نیست درون و برون
نکته ز خون جگرآید برون

چیست سخن گوهر ناسفتهٔ
نکته ناگفته به از گفتهٔ

گریه سخن فکر فراوان بری
گوهر نایاب بدست آوری

چون به سخن دست و گریبان شدم
تابدر صبح خرامان شدم

صبح چو از چهره کشادم نقاب
دست زدم در کمرآفتاب

ماو سحر صاف چو آئینه ایم
هر دو بهم محرم دیرینه ایم

من بد سحر که بدماغ آدم
پیشتر از صبح بباغ آمدم

نغمه سرا بلبل دستان سرا
زد بجگر زخم تو ازهر نوا

مرغ چمن بر سر هر نخل گل نغمه فرو خوانده زهر فرد گل
ترشده از فیض هوا صحن باغ تازه شد از باد بهاران دماغ
سبز شود بردل پروانه داغ شعلهٔ سر سبز بریزد چراغ
مغز تر و نور نظر بیزشد خون دل و لخت جگر تیز شد
دست هوا طرفه طراوت گریست آتش اگر سبز شود دور نیست

دسته گل گشته زبان در دهن
سبز شده برلب گویا سخن

درانتباه نفس اماره گوید

چشم تو مخمور زجام شراب بردل افتاده زغفلت نقاب
عمر تو درخواب سحر میرود روز بهر روز بتر می رود
این همه آرایش هنگامه چیست لاف تو بر خرقه و عمامه چیست
برسرآبست بنای جهان خانه نسازند بر آب روان
تا بزور مال فرو مانده خانه بدام هوس افشانده
هر نظر تیز بدان دانه کرد در شکن دام هوس خانه کرد
دانه فرو ریخته راه تست دانه شناس این دل آگاه تست
دانه این دام بدندان مخا تانشوی دانهٔ این آسیا
پای طلب گرم هوس کردهٔ تیز روی ها چو نفس کردهٔ
کام باندازه خود می گذار هر دم اول دم آخرشمار
ای که نهٔ سنگ گرانی مکن بادنهٔ بیهوده رانی مکن
هر چه کنی از پئ نفع ضرر عیب توانست که دانی هنر
برسر هر گل که تماشا کنی دشمنئ بلبل شیداکنی

غنچه درین باغ خموش آمده | لاله بصد داغ بجوش آمده

وای بفکر دل نادان تو | حیف برین فکر پریشان تو

آئینه از چاك گریبان بس است | لخت جگر زینت داماں بس است

چشم جهان بین خدا بین شود | کارتو بسیار بآئین بود

کثرت دانش همه در وحدتست | وحدت دانش همه در کثرتست

پرده چو از چشم برانداختند | محرم خلوتگه حق ساختند

د! نت آلودهٔ آلایش است | یاد تو بیهوده در آسایش است

دست بدامان ارادت بزن | خیز در صبح سعادت بزن

برگ ره پیش و پس خود بساز | هان نفسی بانفس خودبساز

ای شده به مست شراب هوس | داشته چشم نقاب هوس

چند شوی مست مئ ناگوار | جرعه کشی بادهٔ ناسازگار

چند کنی دود هوس در دماغ | تیره بایں دود چه سازی چراغ

مرد رهی پائ بدامان بکش | غنچه صفت سر بگریبان بکش

راه روانند بشبهای تار | تابدر صبح کشایند بار

هر که شب لذت این راه یافت | ماحضر از فیض سحرگاه یافت

قطع تعلق کن و آزاد شو | مشق تجردکن واوستادشو

یك سخن از در س محبت بخوان | بند کن آنگاه چو غنچه زبان

سوخته جانی که محبت در دست | همچو گل تازه پراز رنگ وبواست

ای زده برسرز هوس کج کلاه | سوده کلاه گوشه بخورشید و ماه

جامه و عمامه بیاراسته | برهم افزوده زدل کا سته

چشمه دل منبع فیض خداست | زنده دل آنکس که بدل آشناست

بادل خود محرم دیرینه باش | راست هم صاف چو آئینه باش

حیف بود دوستی تن بدل | چهره خورشید نهفتن بگل

برگ گل باغ دو لخت جگر — آب دو برگ گلی چشم تر
سوز ترا کزنمك شوق نیست — کام ترا چاشنی ذوق نیست
اهل هوس را جرس بی صداست — قافله سالار محبت خداست
شمع ترا روغن تدبیر نیست — نور تو جز شعله تزویرنیست
طبع تو سر خوش زشراب غرور — عقل تو صد قافله از راه دور
گر توز خود کرده پشیمان شوی — دم بخود و سربه گریبان شوی
طبع تو لبریز معانی شود — محرم اسرار نهانی شود
آئینه حال تو زانو بس است — طوطی طبع تو سخن گوبس است
در نظر همت ارباب کار — کار جهاں هیچ نداد مدار
از تو بود تا بابدینم کام — کام بکن دام و بوحدت خرام
مغز بداری چو کدوی تهی — از سر بی مغز چه خواهی بهی
شمع خرد تاننهی پیش روی — راه حقیقت بتکلف مجوئی
هستی ذات تو حجاب توبس — پردۀ افکار نقاب تو بس
شمع دل از آتش دل برفروز — هر چه بود غیر محبت بسوز
اهل محبت چو گل تازه اند — نسخه دل را همه شیرازه اند
چند چو ماه چهره بیاراستن — چهره برآراستن وکاستن
گوش تو بر نغمه تزویر چند — پای خود بستۀ زنجیر چند
علم تو تاچند بود بی عمل — عمر تو کوتاه بطول عمل
هست درین باغ خزان و بهار — جلوه گرایند نظر هوشیار
چشم تو برخاردگر برگل است — هر چه تو بینی همه جزو کل است
این همه یك قطره زدریای اوست — یك ورق کهنۀ اجزائ اوست
سره تواں انداریوں راه فرس — تانشود واقف ره هیچکس
راه روانان که درین راه شدند — از پس واز پیش نه آگاه شدند

سر ز سرا پردهٔ وحدت برار　　سایه خود نیز زخود دور دار
بی اثر است این ره دوراز حساب　　تو سر خود از سراین ره متاب
به که اثر یابی ازین راه دور　　ظلمت این راه شود بر تو نور
خیز و باندازهٔ خود کاری کن　　هر چه کنی بادل هوشیاریکن
راهرو ملك قناعت شدن　　به زگرفتار اطاعت شدن
حرف گنه از ورق دل تراش　　صاف تر از چهره آئینه باش
خواست حق بهر تو بیخواست ست　　معده در خواهش ناراست ست
توبجز از قطرهٔ خونی نهٔ　　غیر نشانی و نحونی نهٔ
لاف تو برپا کیٔ طینت ز چیست　　چین تغافل به جبینت زچیست
کج رویت کو ته و تنبار چه　　لاف تو براندك و بسیار چه
راستی آموز و خطا بین مشو　　کج رو و کج بازچون فرزین مشو
قافله عزم تو تادر بس است　　راستی کوه تو رهبر بس است
چشم کشا راه سفر را به بین　　هر چه توان کرد باندازه کن
گرقد می پیش نهی پس مخواه　　همرهتی مردم ناکس مخواه
زاد ره عشق به از درد نیست　　غیر دل گرم و دم سرد نیست
چند نشینی بغم روزگار　　غم نتوان خورد برو میٔ بیار
گرد غم از صفحه خاطر بشو　　عیش دوعالم زغم دل مجو
خاك شود هر که بعالم دراست　　گرمیٔ ما از پیٔ خاکستر است
راست کی جز قدم دل نرفت　　هر که غلط رفت بمنزل نرفت
گربگریبان دل آئی درون　　راه نیابی که بیائی برون
تاببری اهل هوس جای تست　　باد هوس مرحله پیمای تست
صاف ترا ز چشمه دل چشمه نیست　　منبع خورشید و دل تو یکیست
چند بخود لاف تجرد زدن　　چند بزنجیر تعلق شدن

خار که در راه توکل بود | در نظر اهل نظر گل بود
خارو گل اندر نظر رهروان | میدهد از گلشن معنی نشان
آب رخ مرد توکل گزین | بس بود از قطرهٔ خونی چنین
چون سخن از باغ توکل کنم | دامن اندیشه پر از گل کنم
مرد چو در راه توکل شود | خار مغیلاں برهش گل شود
هر که درین مرحله رهرو بود | خون جگر را ذره او بود
زهرو شکر در جگر او یکی | خارو گل اندر نظر اویکی
عارف از آئینه صاف درون | شد بتما شای دو عالم برون
کثرت و وحدت ببراویکی | شادی و غم در نظر اویکی
مستی عرفان الٰهی درو | خاك ره وعالم شاهی درو
دست نینداخته برخوان دهر | یکشب ناآمده مهمان دهر
راحت عالم نفسی بیش نیست | ملك دو عالم نفسی بیش نیست
هرچه دری دائره آورده اند | تانفسی راست کنی مرده اند
بادهٔ سرشار بهر جام نیست | مغز سخن در سر هر خام نیست
باد جگر کاوی شبهای تار | ز اول شب تابسحر بیقرار
خون دل و لخت جگر زادمن | مرحله غم دل ناشاد من
شمع صفت چهره برافروختن | چهره بر افروختن و سوختن
سوختن از آتش دل تاسحر | ساختن از عیش بالخت جگر
خون خورم و سربگریبان کشم | غنچه صفت پای بدامان کشم
شعله بود داغی این لاله زار | داغ بود سوخته این بهار
خاك خورد سبزه درین بوستان | گل بود از لخت جگر باغبان
از غم هر صبح بکنج چمن | غنچه نخوننانه بشوید دهن
سبزه و سنبل همه را زد بخاك | لاله و گل شد همه تن جامه پاك

پیك دم صبح نسیم سحر　　از که از عمر رساند خبر

غافلی از عمر که چون میرود
هر نفس آغشته بخون میرود

هوالرحیم

هر یکی رسوای او باشد نیاز　　در رکوع و در سجود و در نماز
ذرهٔ خالی زمهر دوست نیست　　در جهان یك مغز اوبی پوست نیست
هر که بینی مظهر لطف خداست　　گرهمه بیگانه باشد آشناست
آشنا هستند باهم هر که سست　　عاقل و دیوانه و هشیار و مست
عالم هر سو فدای ناز ودست　　هر طرف صد گوش برآواز دوست
دل فدای ناز آن طناز کن　　طاقت دل بر سریك نازکن
توندانی راه کج تاراه راست　　ورنه ره روشن تراز آئین هاست
این همان بگذشت جای بیش نیست　　نفس او نفس از دعای بیش نیست
تو دران افتاده بی پاوسری　　همچو بی مهرهٔ در شش دری
محمل عمراست روز و شب روان　　تو بغفلت مانده شد کاروان
چشم عبرت بین کشا در روزگار　　تا ترا گل گل نماید خار خار
خار و گل رابهرکار آورده اند　　در حساب اندر شمار آورده اند
خاك باشد زر بچشم عارفان　　خاك را زری شمارند ابلهان
ای برادر مست می باید شدن　　در طلب از دست می باید شدن
ای برادر جمله از خاکیم ما　　یك گریبان است صد چاکیم ما
هست مردان را نشان مردمی　　آدمی را مردمی کرد آدمی
چند هر دم نفس را سر کش کنی　　خویشتن را طعنهٔ آتش کنی
هر چه بینی در جهان بی بقا　　چشم تا برهم زنی گردد فنا

عمر اگر بسیار دگر کوته بود — هر که بندد دل در و ابله بود
اهل دنیا را بزرگی گفت نغز — پوست بگذار ند تایابند مغز
گرد رنگ و بوئی دنیا خوش همه — همچو خاشاك اند در آتش همه
ترك کن این جیفه مردار را — بهتر از گفتار کن کردار را
مرگ بر تو جهل نادانی بس است — قاتل تو نفس شیطانی بس است
ای برادر رفته حکمت بشو — هرچه می گوئی زنادانی بگو
دردمنداں را نشانی دیگر است — بی زبانان را زبانی دیگر است
ای که داری زیب ظاهر را شعار — زینت ظاهر نمی آید بکار
تانگیرد دل بجای آشنا — کی شوی از نفس شیطانی جدا
نفس چون آتش میان خرمن است — نفس پنهان شعله زیر دامن است
ای برادر ای گرامی ای عزیز — میتوان کردن بحال خود تمیز
تانگردی آشنای حال خویش — کی شوی آگاه براعمال خویش
بنده حسن عمل باید شدن — ورنه پیش خود خجل باید شدن
مرددانا پیش خود شرمنده است — هست در شرمندگی تازنده است
کارهای این جهان و آن جهان — فی المثل باشد چومشت استخوان
کزبدست آری بدل خواهد خلید — در بیندازی بپا خواهد رسید
ای برادر ماو تو هم خانه ایم — تانگا هی می کنی افسانه ایم

برسرهم خانگی بیگانگی
وای بابیگانگی هم خانگی

هوالمستعان

ای بسوئ تو نیاز همه کس — وی بروئ تو نماز همه کس

از تو آگهه نه حقیقت نه مجاز | وز تو واقف نه نماز و نه نیاز
همه کس روی بسوئیت دارد | آرزوئ سر کویت دارد
کوئ تو قبله حاجات همه | منزل وجدو مناجات همه
دام عشق است که گستردهٔ تست | هر کجا زنده دلی مرده تست
رهرواننددرین عالم و بس | که نیابد اثری زانهاکس
همه در راه خدا می پوئیذ | سخن از وحدت حق می گوئید
دامن از لوث جهان نابوده | پانه در راه هوا فرسوده
هیچکس خالی.ا زین عالم نیست | نیست محروم اگر مجرم نیست
از تو کوشش کشش از جانب دوست | گرچه کوشش همه از جانب اوست
مشك عشق است که پنهان نشود | ماه پنهان بگریبان نشود
خام آنکس که زنددم زهوس | پخته آنکس که شود بیخودوبس
پختگانند که خونی جگرانند | پختگان دگر و خامان دگرانند
مرد باید که سبکبار بود | که گرانبار گرفتار بود
به که تمکین و وقار اندیشی | از هوس گنج و کناراندیشی
محرم حق ز حق اندیشه بس | بگسلد از همه جاو همه کس
چند در مرحله های آسودن | باید این راه بسر پیمودن
سر درین راه قدم باید کرد | نیزگامی چو قلم باید کرد
صبح شد صبح سراز خواب برآر | کشتی عمر زگرداب برآر
در ره عشق زبوئ خالی | سربود همچو کدوی خالی
عشق گلگونه رخسار دل است | باعث گرمئی بازار دل است
عشق در دل چو بود شعله فروش | برزند خون جگر در دل جوش
یارب از فضل خودم شادان کن | دل ویران من آبادان کن

هوالغنی

ای زاندازه خرد افزون　وی ز شیرازه سخن بیرون
عقل در کُنه ذات تو حیران　در صفات تو فهم سرگردان
نه بفهم آید آنچه می باید　نه زعقل آید آنچه می شاید
عقل هر چند دور بین باشد　در رهت چشم برزمین باشد
عقل هر چند در رهت نازد　نارسیده سپر باندازو
آنکه فارغ بود زکون ومکاں　کی درآید صفات اوبزبان

برهمن رابخود شناساکن
چشم بنیش به بخش و بیناکن

❁

دراظہار کیفیت نشاء روزگار گوید

چیست دانی جهان پر شروشور　خانه تنگ و تیره چون دل مور
تابغم خانه جهان باشی　بغم و غصه میهمان باشی
غم تو در عمل فزودن تو　عرصه پی گشته بردرون تو
گرمسِ خویش کیمیاداری　در نظر نقد مدعا داری
گرنخواهی دل جهان افروز　کورۂ امتحان بیارو بسوز
تا در آتش گداخته نشوی　سترۂ وصاف ساخته نشوی
چند آلوده برجهان بودن　بر خود از بار خود گران بودن
ای بغفلت سپرده سر رشته　پرده بر روی دل فروهشته
در نظر ریزۂ خذف تاچند　وی در ناب در صدف تاچند
در جهان دیدۂ تماشائی　چند بندی و چند بکشائی

نظری کن بجلوه معبود — گزری کن بمنزل مقصود
شب دیجور صبح نوروزی — زوست در روزنامه ات روزی
عمر در فکر سود و سودا رفت — همچو وی صد هزار فردارفت
چه فرو ماندۀ بخواب گران — میرود عمرهمچو آب روان
مایۀ فقر و سایۀ دیوار — بهتر از صد هزار باغ و بهار
سینه باید بنور عرفان پاك — گر حقیر است ظاهر تو چه باك
صورت ار زشت باشد و گر خوب — معنی از آدمی بود مطلوب
مهر باید به سینه جاده فروز — دشمن خود را خس بدان و بسوز
بر تو چون نور حق ظهور کند — باز در دیدۀ تو نور کند
چه باین پرده های تو برتو — ماندۀ در حساب خویش گرو
علم باید نمود جزو وجود — که بجز علم کس گره نکشود
مرد مشغول به بعلم و عمل — کز کمالات می شود اکمل
در نظر های خاص اهل کمال — يك جوی علم به زخرمن مال
علم علم خدائی آمد و بس — بخدا آشنائ آمد دبس
به شناسائی حق بیچوں — نبود غیر علم راهنموں
علم گر با تو باعمل گردد — مشکلات تو جمله حل گردد
نیك داند کسی که عقل دروست — کز همه نیکوئی خرد نیکوست
ای برادر درین سرای خراب — نقش ماو تو چیست نقش جناب
در دل هر که روشنائی هاست — هر نفس گرم آشنائی هاست
خویشتن را بگیر وخیره مکن — دل بدود دماغ تیره مکن
دشمن تست نفس سرکش تو — در کمینگاه کرده کاهش تو
نفس فرمود هرچه خواهش تست — خواهش تست آنچه کا هش تست
جرخ راجا مه ایست نیلی رنگ — چیست پرشیشه آستین برسنگ

قرب حق خواهی ای برادر من
سنگ برشیشه تعلق زن
برتنت جامه سفید چه سود
که دلت از گنه گشته کبود
تاتو آموزگار خودبشوی
قابل روزگار خود بشوی
غنچه شوتادلت کشاده شود
برسرت تاج زر نهاده شود
چه زنی لاف کار در هر کار
چند بی مایه گرمئ بازار
غنچه خاموش باهزار زبان
تو باین یك زبان بصد دستان
جوهری مرد کی شناسه کس
مرد را مردمی شناسدبس
مرد باید که چشم باز کند
سیر دلهای اهل راز کند
گرنداری زفهم و عقل شعار
تو همانی که نقش بردیوار
تو بکردی و باز بشکستی
تو مگر مردۀ نه بدمستی
چنددرقید آب و گل بودن
از خود و کار خود خجل بودن
ای دلت آفتاب نورانی
چه فر و ماندۀ بحیرانی
دل بساهان آرزو بستن
طوق پندار در گلو بستن

خطاب برہمن بآفتاب

ای جهان گردوی فلك رفتار
وی زمهر تو گرمئ بازار
جنبش روزگار دانه تست
دانه در خوشه چشم بر ره تست
چون سحر بر سپهر به شتابی
روئ ناشسته لعلهایابی
باغ در سایۀ تو پرورده
سایۀ تو نگارها کرده
گل زدست تو چاك در سینه
لاله را از تو داغ دیرینه
ای تو در ابتدای فصل بهار
تازگی بخش گلشن روزگار
کان لعل است در خزینه تو
مئ رنگیں در آبگینه تو

تو بهر آستان که می آئی زنگ ظلمت زخانه بزدائی
تو برآتش نهاده زرین طشت یار گرد تو کی تواند گشت
در گلوئ سحر برهمن دار
تو دهی تاب رشته زنار

خطاب دیگر

تو که مغز خرد بجوش آری دل افسرده در خروش آری
تو بجنگ فلك سوار شوی سایه افگن بهر دیار شوی
بردرو بام سایه اندازی تو بهر خانه محرم رازی
ای تو سر دفتر جمال و جلال روزن خانه از تو مالامال
چرخ در دامن تو سرگردان ماه در پیش جاهش تو نهان
از فروغ تو شمع گردد داغ چه کند پیش آفتاب چراغ
شمع هر چند سربرافروزد پیش تو سر بخاك اندازد
شب روانان که راه پیما اند بردرت بار خویش بکشایند
تو دهی رونق و رواج همه از تو حاصل شود خراج همه
دست هر کس بجیب دامن تست هندوی خاص تو برهمن تست
بر رخ گلر خان عرق از تو برفراز فلك شفق از تو
مه که برفرق کج نهاده کلاه بر در جاه تو ندارد راه
با تو در گردش است ملك و ملك
از تو در جنبش است چرخ و فلك

❁

درستائش ذات قدسی صفات خدیو جهان خلیفه زمان شاهجهان بادشاه گوید

بار طبعم چو کارفرما شد هرچه میخواستم مهیا شد
تازه بستم نگار جادوکار همه آراسته بنقش و نگار
از سخن های روشن و مرغوب درج در گشت صفحه مرغوب
چون قلم را اجازتی دادم بتماشا بگوشه استادم
کلك من از سریر شیرین کار کرد دلهای خفته رابیدار
خاطرم موج خیز دریا ئیست آسمان سیر و چرخ پیمائیست
چون زبانم گهر فشان گردد مدح سنج خدائیگاں گردد
بادشاه زمانه شاهجهان حکم اوهر طرف چون آب روان
عدل او در رواج دولت وداد ملك او از عدالتش آباد
روزگارش بشادی آمون عالمی در زمانش آسون
دل و دستش بگاه جود و سخا مایهٔ بخشد بدامن دریا
بادشاهی که درجهان داری شب و روزش رود بهشیاری
ذات او سایه خداباشد سایه از ذات کی جداباشد
دست اوابر را دهد مایه چتر او راست چرخ درسایه
روشنی بخش چهره خورشید عشرت افزای مجلس ناهید
بزم او خلد را دهد تزئیں رزم او فتح را دهد آئین
هر کجا رونهد ظفریابد هر چه در عزم پیشتر یابد
آنکه شیر فلك شکارکند شیر در پیش اوچه کارکند
شیر گردون بزیرران دارد شیر در پیش اوچه جان دارد

شیر هرچند برفلك نازد
پیش او سر بخاك اندازد

❁

یا حفیظ تعالیٰ شانہٗ

خدایا مرا محرم راز کن — در فیض بر روی من باز کن
بفضل خودم کن شناسای خویش — بده بینش ساز بینائی خویش
دلم کوه طور است تو گنج طور — تجلی توان کرد برکوه طور
چو شد صاف آئینه سینه ام — فتد عکس معنی در آئینه ام
غبارِ که دارد ز راهت نشان — بود سرمۂ چشم صاحبدلان
بیکتائ تو نگنجد دوئی — توئی و توئی و توئی و توئی
چومن سینه خویش را کافتم — بکام نخستیں ترا یافتم
کنون دامن از من توانی نماند — ترا دیدم از من نشانی نماند
ندانم که دیگر چه خوانم ترا — توئی در من و من ندانم ترا
چومن خویش را در تو کم ساختم — چنین بردم و آنچنان باختم

شود محو در حضرت پاك تو
برهمن کند سجده خاك تو

❁

درثباتیٔ اساس ناپایدار روزگار گوید

جهاں دام گاهست و پروانۂ — نیفتد در و مرد فرزانۂ
نظر تیز بردانه کردن خطاست — که این دانه آن دام را رهنماست

اگر واگذار ند در گوشه ام زلخت جگر بس بود توشه ام
بآن توشه عیش نهانی کنم نهان از همه زندگانی کنم
نگیرم وگرنام دنیای دون بلخت جگر سازم وجام خون
گهر بر گهر زان فروچیده ام که دریای لبریز شد دیده ام
نگنجد چو دریا به مژگان من رودسیل خونین زدامان من
فلك آسیائیست دندان شکن نه دندان شکن بلکه سندان شکن
شب و روز باگردش زود دیر بگردد چو دولاب بالاو زیر
چوبی ماو تو بگزرد روزگار دمی زندگانی غنیمت شمار
خوشان روزگاری که بادوستان چو بلبل کنی سیر در بوستان
چگوئیم که آن روزگاران گزشت جوانی چو ابر بهاران گزشت
شدی پیر در دامن روزگار کنی ناز چون کودك شیر خوار
نه آگه که زهر است در شکرش نه واقف که خون است در ساغرش
ازان رولب جام خندان بود که لبریز از خون مستاں بود
دلی دارم آماده بر مهر دوست که از شادمانی نگنجد به پوست
چو در ملك معنی کشایم دکان که اهل سخن راکنم میهمان
زخون جگر پیش آرم شراب زلخت جگر تازه سازم کباب
دماغ مرا تازگی در سراست مرانشاء از بادۂ دیگر است
بده ساقی آن جام مرد آزما که لختی کند دومارا زما
کند یکزمان بیخود از خویشتن
برون آرداز خطرۂ ماومن

۞

هوالفرد

ای محرم دیده های نمناك مرهم نه بزخم سینهٔ چاك
دانائی زبانِ بی زبانان سرمایه حال ناتوانان
هنگامه شوق تازه از تو چهرهٔ حسن غازه از تو
از جلوهٔ ماه تابماهی بروحدت تو دهد گواهی
چون حکم تو برهمه روان است هر نقش که بسته همان است
از ذات تو برهمن چه گوید
چون نیست سخن سخن چه گوید

❁

درمشاہدۂ جلوہ صبح وادراک کیفیت نسیم بہار گوید

دریاب که فصل نو بهاراست بنگر که نسیم درچه کاراست
چون صبح دمید خواب تاچند معمورهٔ دل بخواب تاچند
برخیز که صبح جلوه فرماست برخیز که آفتاب برخاست
باصبح ز خویش میتوان رفت گام دوسه پیش میتوان رفت
صحرا همه سبز و باغ شاداب دریاب نسیم صبح دریاب
این سرو چه در دماغ دارد کارایش روی باغ دارد
از نگهت کیست نگهت گل وز طره کیست تاب سنبل
این آب صفا که در روانیست همسایه آب زندگانیست
در غنچه نهفته دفتر راز بلبل زادای آن خوش آواز
گلهای چمن بجلوه ریزی کرده زبنفشه مشك بیزی
صد صفحه نهان به برگ گل بین در هر سر بزونقش کل بین

ای مست شراب زعفرانی زین خنده بنال تاتوانی
از عیش اگرچه خنده زاید ارگریه گره دل کشاید
ای غافل ازین سرای فانی فارغ به نشاط جاودانی
برعمر چه اعتبار باشد با باد چه اختیار باشد
امروز که اختیار داری غافل منشین که کارداری
این قبه که چرخ نام دارد یك گردش و صد خرام دارد
برصد نسق است کارگردون سر رشته کسی بر آوردچون
دامان فلك که زرنگار است چو درنگری سیاه کار است
چوں مرد زعقل گردد آگاه از عقل به عقل می برد راه
آنجا که زعقل کاربندد در دفتر آسمان پسندد
آن نسخه که از خرد نویسد اندازهٔ نیك و بد نویسد
از نیك و بداست عقل آگاه باعقل تواں فتاد درراه
راهی که عقل پئ سیرشد هنگام دگر به از دگرشد
دل از ره چشم عقل بینا است دل قطرهٔ عقل خون دریاست
عقل است چو محرم الٰهی از عقل بخواه هرچه خواهی
بر غیب کسی مکن نظر تیز از آتش عیب خود بپرهیز
هر کس کو بعیب خود نه بیند گنجینه عیب خود نه بیند
بی عیب اگرچه آدمی نیست گرفاش کنی زمردی نیست
آن دیده برون ز سر نیفتد
برعیب کسی اگر نیفتد

❁

در بیان مراتب عشق گوید

در دانه بی بهای عشق است   عالم همه رونمای عشق است
بی عشق که آتش جگر سوز   بی عشق که جوهری دل افروز
گردی که زکوی عشق خیزد   بر چهره مهرو ماه ریزد
این جمله که کارگاه دنیاست   عشق است درد که کارفرماست
چون آتش عشق برفروزد   ناپخته و پخته هر دو سوزد
آید چو نسیم عشق در باغ   چون لاله توان نشست در باغ
تا گردش روز روزگاراست   هنگامه عشق برقرار است
تاسوزش حسن در جهان است   افسانه عشق درمیان است

چون حسن زپرده گشت بیرون
دیوانه عشق گشت مجنون

محمد اسلم سالم کشمیری

سالم کشمیری کا شمار شہزادہ محمد اعظم شاہ کے دور کے مشہور شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کے والد ابدال بٹ کشمیر کے مشہور رئیس برہمن خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم وطن میں ہی ہوئی۔ شاعری کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ جب انہوں نے ہوش سنبھالا اور شاعروں کی صحبت میں بیٹھنے لگے تو اس دوران ان کی ملاقات ایک عارف فاضل استاد شاعر محسن فانی سے ہوئی۔ ان کی شاگردی میں سالم کا شاعرانہ ذوق پختہ ہوا۔ انہوں نے ان کی ظاہری و باطنی تربیت کی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ سالم کشمیری مشرف بہ اسلام ہو گئے اور ان کی مذہبی زندگی یکسر بدل گئی۔ سالم کشمیری اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد دہلی آ گئے۔ ۱۷۰۷ء میں شاہزادہ محمد اعظم شاہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ وہاں وہ شہزادہ کے لیے خان سامان اور داروغہ ابتیاع خانہ جیسی خدمت انجام دیتے تھے۔ سفینہ خوشگو کے مولف لکھتے ہیں:

"اصلش جنت نظیر کشمیر است گویند برهمن پسری بود شیخ محسن فانی که عارف فاضل و شاعر و استاد ملا طاهر فیضی غنی بود چنانکه ذکرش گذشت او را مسلمان کرده و همچنین مسلم نامی دیگر از نظر کردهای شیخ بود ...... و مدتی بخدمت پادشاه زاده عالی جاه محمد اعظم شاه اعتبار کلی داشت۔" ۲۱۸

تذکرہ شعرائے کشمیر کے مولف کا بیان ہے:

"اسرار علم الیقین سخندانی را عالم، اسلم خان سالم والد ماجد فقیر عمری در هند دل بند، در صحبت اعظم

شاه عالیجاه خلف حضرت عالمگیر خلد منزل بوده ...... و خدمات عمده پادشاهی مثل خانسامانی و داروغگی ابتیاع خانه وغیره داشته گاه به پشیزی، باوصف آنهمه کارهای عالی، دست طمع درا زنکرد در فضل و کمال سخنان عصر خود بود۔" ۲۱۹ے

مجمع النفائس کے مولف سالم کشمیری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"از شاگردان بلکه پسر خوانده شیخ محسن فانی است گویند از نژادبرهمه است۔ اما هدایت ازلی راهبر او گشت که متعمد بایمان شد۔ و کسب فضائل صوری و فواضل معنوی نموده، مرتفی بمدارج علیاگردید تا اواخر عمر ملازم محمد اعظم شاه پسر عالم گیر پادشاه بود۔" ۲۲۰ے

پارسی سرایان کشمیر کے مصنف رقم طراز ہیں:

"محمد اسلم هندو زاده بود که به دین اسلام آمد در تاریخی نامعلوم در کشمیر متولد شد۔ و بعداز تحصیلات ابتدائی به دهلی مسافرت کرد۔ در آنجابه منصبداری اعظم شاه ۱۷۰۷ء درآمد۔" ۲۲۱ے

سالم نے اپنی طبعی استعداد اور صلاحیت کی بنا پر اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ کیا۔ ان کے اندر شاعری کا جذبہ فطری تھا۔ جب وہ گجرات گئے وہاں ان کی ملاقات میرزا عبدالقادر بیدل، شہرت اور راسخ سے ہوئی۔ وہ میرزا عبدالقادر بیدلؔ سے دلی وابستگی رکھتے تھے۔ ملازمت کے دوران وہ شہزادے کی اجازت سے فریضہ حج سے فیضیاب ہوئے۔

خوشگو کا بیان ہے:

"وقتی که شاه (اعظم شاه) در احمد آباد گجرات بود، رخصت حاصل کرده به سعادت حج فائز شده باز به

هند آمد و بعد کشته شدن پادشاهزاده با عزم وطن چون
به دهلی رسید به شوق ملاقات حضرت میرزا بیدل
اخلاص قدیم داشتندرفت و صحبت شور بیان آمد۔" ۲۲۲

اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب تخت نشینی کے لیے اعظم شاہ اور معظم شاہ میں جنگ ہوئی۔ اور اس جنگ کے دوران ان کا مربی و سرپرست اعظم شاہ قتل ہوگیا تو وہ اپنے وطن کشمیر واپس آنے کے لئے روانہ ہوگئے۔ لیکن اس سے پہلے معظم شاہ جو شاہ عالم کے نام سے تخت سلطنت پر بیٹھا تھا ان کو بلایا اور کشمیر کے وقائع نگار کی خدمات ان کے سپرد کردیں۔ وہ کشمیر لوٹ آئے اور اسی سال، سن (۱۱۱۹ھ-۱۷۰۸ء) خدمات انجام دیتے ہوئے ان کا انتقال ہوگیا۔

نتائج الافکار کے مولف سالم کی وفات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"پس از وقوع محاربه فیمابین بهادر و محمد اعظم
شاه و کشته شدن اعظم شاه تنگ دل شده۔ دل بعزیمت
کشمیر نهاد و بتقریب انزو اخدمت وقائع نگاری انجام از
حضور شاه عالم بهادر شاه حاصل نموده۔ بکشمیر رفت،
درهمان سال ۱۱۱۹ﻫ تسع عشره و مائة والف تن بقضا
درداد۔" ۲۲۳

مجمع النفائس میں مذکور ہے کہ وہ فرخ سیر کے عہد میں کشمیر واپس آ گئے تھے اور فوت ہوگئے۔

"تا اواخر عمر ملازم محمد اعظم شاه پسری
عالمگیرپادشاه بود و بعد کشته شدن او در سلطنت بهادر
شاه بادشاه ۱۱۱۹ﻫ-۱۱۳٤ﻫ هم بآبروی تمام گذرانید و
در عهد محمد فرخ سیر بادشاه (۱۱۲٤ﻫ-۱۱۳۱ﻫ) به
کشمیر جنت نظیر رفته بفردوس اعلیٰ خرامید۔" ۲۲۴

صحف ابراہیم کے مولف کا بیان ہے:

"...... در سلطنت بهادر شاه نیز بآ بروگذرانیده بعهد فرخ سیر بادشاه در کشمیر بسال یکهزار ویکصدو نوزده ۱۱۱۹ھ هجری ارتحال نمود." ۲۲۵

مولف شمع انجمن نے بھی سال وفات ۱۱۱۹ھ ہی لکھا ہے:

"سالم در سایه عاطفت شاهزاده محمد اعظم شاه بسر برد در کشمیر ۱۱۱۹ھ تن بقضا در داد." ۲۲۶

تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ سالم کشمیری کا انتقال ۱۱۱۹ھ میں ہوا ہے۔

سالم نے دیوان کے علاوہ متعدد قصیدے، رباعیات، قطعات لکھے ہیں اور چونکہ وہ اپنے مربی اور سرپرست شہزادہ اعظم شاہ سے دلی لگاؤ رکھتے تھے۔ لہٰذا آخری عمر تک انہیں کے فرمانبردار اور ان سے متعلق رہے۔ "انہوں نے شہزادے کی مدح سرائی میں "فیل جنگ شہزادہ" کے عنوان سے ایک مثنوی بھی لکھی جو ماثر عالمگیری میں موجود ہے۔" ۲۲۷

سالم کشمیری کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ نمبر شمار ۲۶۳ رام پور رضا لائبریری، رامپور میں ہے۔ جو ۲۶۳ اوراق پر مشتمل ہے۔ راقم الحروف نے اسی نسخہ سے استفادہ کیا ہے۔ اور ان کی شاعری کے ناقدانہ تجزیہ میں اسی نسخہ کو بنیاد بنایا ہے جس کا ذکر آگے صفحات میں آئے گا۔

"بانکی پور لائبریری میں سالم کے دیوان کا جو نسخہ موجود ہے اس میں کم و بیش آٹھ ہزار اشعار ہیں۔ اس میں غزلیات، قصائد و قطعات، ترکیب بند اور مثنویاں ہیں۔ قصائد حمد اور نعت کے علاوہ عالمگیر اور اعظم شاہ کی مدح میں بھی قصیدے ہیں اور بعض تاریخی قطعات ہیں۔ ایک مختصر مثنوی عیدگاہ کشمیر کی تعریف میں ہے۔ دوسری مثنوی لاہور کے ایک نوجوان کی عشقیہ داستان پر منحصر ہے جو ایک پری کے دام عشق میں گرفتار ہوگیا تھا۔ اس مثنوی کا نام "گنج معانی" ہے اور اس کا سال تالیف ۱۰۸۳ھ/۷۲-۱۶۷۱ء ہے جیسا کہ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے۔

بجو تاریخ این گنج معانی   زدلجو نسخه درد نهانی ۲۲۸

۱۰۸۳ھ

سالم کا شمار اپنے عہد کے نامور شعراء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ اور استادانہ جوہر دکھائے ہیں۔ ان کا کلام پختہ اور معنی سے پر ہے۔

خوشگو بھی ان کی شاعرانہ خصوصیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"خیلی شاعر بلند تلاش، عالی فکر، نازك خیال، والاپایه بود اگرچه دیوانش زیاد از ده هزار بیت نخواهد بود لیکن همه استادانه است۔" ۲۲۹

مجمع النفائس میں خان آرزو لکھتے ہیں:

"سالم خیلی شگفته رو و خوش صحبت بود۔ در مضمون یابی و خیال بندی و خوش محاورگی مثل اواز کشمیر چه که از جای دیگر هم بسیار کم برخاسته و اکثر اشعارش دو سه تشبیه بدیع تازه دارد که کمال مراعات علم بیان است۔" ۲۳۰

صحف ابراہیم کے مولف نے سالم کشمیری کی شاعرانہ خوبیوں کو اس طرح بیان کیا ہے:

"شاعری معنی تلاش و نازك خیالست۔ اکثر اشعارش دربادی النظر بفهم نمیر سدبدین جهت در دل سخنوران فصاحت بیان کلامش چیستان نیست۔ اشعارش مدون است۔" ۲۳۱

پروفیسر نورالحسن انصاری رقمطراز ہیں:

''ان کی شاعری میں غنی کی گہرائی، بینش کی رومانیت فانی کا سوز و گداز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سب سے بڑے معاصر بیدل ان کے بے حد قدر دان تھے۔ اور بڑے شوق سے ان کا دیوان پڑھتے تھے۔'' ۲۳۲

سالم اپنے دیوان کو خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا سے شروع کرتے ہیں۔

ای ذات تو مبداهمه آثار عیان را — وی اسم تو همه مصدر همه اسمای جهان را

زد جوش زباغ دل انسان کل عرفان — از خاک عیان ساخته کج نهان را

همه آینیه هم عکس تماشای حسن است — نور تو محیطست مکین راومکان را ۲۳۳

وہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں نعت بھی کہتے ہیں اور ان کی جو صفات، کرامات، معجزات اور بشری خوبیاں ہیں ان کو اشعار کے قالب میں بھی ڈھالتے ہیں۔ سالم حضور کے امی ہونے کے بارے میں جانتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کس طرح لوگوں کے دلوں میں انہوں نے ایمان کو زندہ کیا۔ خداتعالیٰ نے آپ ؐ کا نام اپنے نام کے ساتھ شامل کیا ہے اور اپنی کتاب قرآن کی شکل میں آپ ؐ پر نازل فرمائی۔ آپ ؐ پر مہر نبوت کی مہر لگائی۔ آپ ؐ کا مشہور معجزہ ''شق القمر'' ہے جو کفار مکہ کے سامنے صداقت کی گواہی دینے کے لیے انگلی کے اشارے سے چاند کے دوٹکڑے کر کے یہ معجزہ دکھایا تھا۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کو صرف کفار مکہ پر ظاہر کرنا تھا تاکہ ان لوگوں پر عیاں ہو جائے کہ پیغمبرؐ ربانی کی صداقت کی گواہی کائنات کا زرہ زرہ دیتا ہے۔ آسمان، زمین، چاند، سورج غرض ہر چیز ان کی صداقت کا ثبوت ہے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ سالم نے گہرائی سے کیا تھا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کا رنگ ان پر پوری طرح غالب تھا۔ اور اس رنگ سے متاثر ہو کر ہی کوئی بھی شاعر اس قدر دلکش انداز میں پیغمبر کی تعریف کر سکتا ہے، ملاحظہ ہو:

در نعت حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

ای که سرو فرایجادی وامی لقبی — نسخه کن فیکون را سخن منتخبی

عالمی یار دگر زنده بایمان کردی — لوله ایجاد همه خلق جهانرانسبی

ربط جادت بقدیمست همین برویت — بخدا نام خدا را هنما عجبی

فیض خلقت همه اعجاز آیات کتاب — رحمتت عام چو قرآن آیات عربی

تاقیامت اثر معجز بشق القمرست — ماه را نور کمالی که بود کتبی

خلق را دعوت عام تو یا اسلام دلیل — حکم شرعت جرس قافله حق طلبی

پیش از آنروز که آدم همه اسماء ایست | از شرف بود بنای تراسم نبی
درهمه خیل رسل مهر نبوت باشد | مهر تملیك توبر منصب والانصبی
یا رسولی و شفیعی در جای اشفع | انت مقدمی بحیولی وبامی وابی

خوشه دمی که گریبان بطرف باغ کشائی
ذکر دعا رضه دامن فشان چون بوی گل آئی ۲۳۴

درنعت حضرت سید المرسلین علیہ وآلہ افضل الصلوت والتسلیمات

وحی ناحق لب با معجزه دمساز تو بود | روز قرآن همه در پردهٔ آواز تو بود
خویش را سایه ات از شادی دولت گم کرد | کبریا داشت که پروردهٔ اعجاز تو بود
روز محشر چو شفاعت زیست جوش زند | وحی آید که کرم کوش برآواز تو بود
توجه رحمت عامت باید پیوستن | وقت بخشش بادل یك نظرانداز تو بود
هر در فیض ازل داشت کشادوبستی | آنکه تاحشر نشدبستهٔ دربارزتوبود
مدبسم الله خلقه همه نامیم رحیم | اول و آخر انجام تو آغاز تو بود
سینهٔ آدم خاکی که شد آئینه غیب | اینقدر صافیش از قدرت پرواز تو بود
شدشجر محرم معراج مناجات کلیم | آنجه کشنده ملك همه بخدا را از تو بود
روز محشر که سالم فکر می خواهم گفت | خاك تا اوج فلك کرده سرافرازتو بود ۲۳۵

سالم کی شاعری غزل کی شاعری ہے۔ غزل کا بنیادی موضوع حسن و عشق ہے۔ لیکن کوئی بھی شاعر ایسا نہیں ہے جس کی غزل اسی موضوع تک محدود رہی ہو۔ سالم نے بھی تصوف و معرفت، دنیا کی بے ثباتی، رندی و سرمستی، عشق و عاشقی، عارفوں و زاہدوں کی پردہ دری جیسے موضوعات کو اپنی غزل میں جگہ دی ہے۔ سوز و گداز اثر و تاثیر، رنگینی و دلکشی یہ تمام

خصوصیات ان کی غزلوں کو شرف قبولیت بخشتی ہیں۔ انہیں ہر قسم کے مضامین کو دل نشین انداز میں ادا کرنے کی صلاحیت ہے۔ ان کی بیشتر غزلوں میں حسن و عشق کی کرشمہ سازیاں نظر آتی ہیں۔ خیالات کی بلندی و پاکیزگی اور مضامین میں شگفتگی پائی جاتی ہے۔ یہ عشق کی کرشمہ سازی ہے کہ انہیں کائنات کی ہر شی سے محبت ہے۔ عشق کو ہی وہ اپنا ساتھی اور اپنا غم گسار جانتے ہیں۔ عشق خدا سے ہے اور خدا ہی عشق سے حاصل ہوتا ہے۔ صوفیا کے نزدیک عشق مجازی ہی عشق حقیقی تک پہنچاتا ہے۔ انسان پہلے اللہ کے بندوں سے عشق کرتا ہے اور اسی انسانیت کے راستے سے وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے۔ اور اس کی آخری منزل عشق حقیقی ہی ہوتی ہے جہاں پہنچ کر وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ سالم عشق کی انہی کیفیات کو اپنی غزلیات میں کمال خوبی سے بیان کرتے ہیں۔ وہ عشق کے مفہوم و معنی کو دلنشین انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

بینش عاشق بینا عشق است — زره را چشم تماشا عشق است
می شناسم روش جلوۀ ناز — این سراسر روز عناعشق است
بهوس مسند شاهی نرسید — قبله عالم دلها عشق است
وحدتش شك در آغوش كشد — هر كه چون سليه سراپا عشق لست [۱۳۶]

عشق راهمسرو همتاعشق است — باخدا عشق و با خدا عشق است
كيست در خلوت وحدت گفتم — آمد آواز كه تنها عشق است
اينچه شورست زدل پرسيدم — گفت خاموش كه گويا عشق است
هم كشد كوه بلاهم نالد — ناتوان عشق و توانا عشق است
شد نباز آئينه شوخی ناز — طرفه خود بين و خود آرا عشق است
باعدم هم غم او در جوشست — محرم خلوت عنقا عشق است
شدنياز آئينه شوخئ ناز — طرفه خود بين و خود آرا عشق لست [۱۳۷]

سالم نے بھی اپنے ہم عصر شعرا کی شعری روایت کو برقرار رکھا۔ انہوں نے

سعدی، نظیری، ظہوری جیسے ممتاز ایرانی استاد شعراء کے کلام کو پیش نظر رکھا۔ ان کے کلام سے استفادہ بھی کیا۔ سالم نے ان شعراء کی تعریف وتوصیف اپنے کلام میں بیان کی ہے۔ کہتے ہیں کہ میری شاعری کی مقبولیت آج سعدیؔ ہی کا فیض ہے:

قبول نظم تو سالم ز فیض سعدی بود
رضای دوست مقدم براختیار منست ۲۳۸؎

ایک اور شعر میں کہتے ہیں کہ میری اس غزل سے نظیری کی شاعری کی یاد تازہ ہو جاتی ہے:

سالم ازین غزل مپرس یاد نظیری آه آه
برسر دورش سر دهی گریه هایهای را ۲۳۹؎

این غزل سالم بمصرع نظیری کی رسد
برسرراهش می ندارید مکتوب مرا ۲۴۰؎

زبان کی صفائی اور سادگی ان کی شاعری کی خاص خوبی ہے۔ خیال کی پرواز اور فکر کی قوت کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں عشق کی سرمستی بھی شامل ہے۔ اس موضوع کو اپنے لطیف انداز بیان سے دل پذیر اور پرتاثیر بنا دیتے ہیں:

فیض خاك صیدگاه عشق سالم هر که یافت
در کمین بیخودی چون سایه سرتاپانشست ۲۴۱؎

شراب و سرمستی کی کیفیتوں کو سالم نے نہایت بلیغ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ خیالات و احساسات کو سادہ اور عام فہم زبان میں ادا کرنے پر سالم کو غیر معمولی قدرت حاصل ہے:

مپرس از ساقی بزمی که خورشید جام آنجا — شود کامل هلال از یك نگاه ناتمام آنجا
بهار از جلوه داری آرزو در کوی منشین — تجلی را گل افشان می کند موج خرام آنجا
سیه مستی میفروشان رنگها دارد — نشد موج هوا تصویر فیض صبح و شام آنجام

بپای خم مد تها سایه در خمخانه میرقصد زمستی میجهد مهتاب هم از طرف بام آنجا
بزم هر دو عالم صد قدح لبریز میبینم دهد ساقی بدستم ملکدام اینجا کدام آنجا
مرود رصیدگاه آن بری ای بوالهوس غافل که چون آئینه تصویر برنگشت دام آنجا
بمسجد میروی مست شراب از بزم مازاهد حرامت بادمیگوی حلال اینجا حرام آنجا
قدم بردار چون کار دوراه سبك روحی که سالك رابمنزل میر ساندیم کام آنجا
چو افلاطون نشین در سایه خم تاشوی کامل که کارعقل ناقص میشود سالم تمام آنجا[۲۴۲]

سالم نے متعدد جگہ شراب و مستی کے مضامین کو بہت ہی دلکش انداز میں بیان کیا ہے کہتے ہیں:

جوش شراب مستی طرز نگاه کیست
موج پیاله سایه طرف کلاه کیست [۲۴۳]

جوش شراب شادی خمیازه خماریست
میزد تبسم طفل نقش برآب طفلی

لب تشنه در عدم بود سالم دل کبابم
قلاب ماهیم شد موج شراب طفلی [۲۴۴]

سالم اپنے وطن کشمیر کی تعریف وتوصیف بھی بڑی خوبی سے کرتے ہیں:

سالم زهند منحنی و پیرمیروی نصف دل تو خوش که بکشمیر میروی
در نو بهار عمر به هند آمدن چه بود بدرد زود آمدی و بر میروی
از هند دلکشای کشمیر دلپذیر خوش و پناه قسمت و تقدیر میروی
راحت چه خواهی از وطن از حق امان طلب خوابی دیده از بی تعبیر میروی[۲۴۵]

سالم بھی دیگر شعراء کی طرح عارفوں زاہدوں کی پردہ دری کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

زاهدان وا شد در میخانه چشمی واکنید		می بجوش آمد شما هم غیرتی پیدا کنید
دست غیبی سائلی شاید بفریاد می رسد		غرق دنیا کشتگان دست کرم بالاکنید۲۴۶

دنیا کی بے ثباتی اور زمانے کے تجربات اور مشاہدات کو پیش کرنے کے لیے سالم نے ایسا انداز بیان اختیار کیا ہے جس سے کلام کی دلنشینی میں اضافہ ہوتا ہے:

عمر راچند کند زیر و زبر		آمد ورفت نفس درد سر است
نامه رانیست شعوری سالم		آنکه داردخبری بیخبر است ۲۴۷

دوران گرفت از مایك یك حساب طفلی		ای وادی بود بری تعبیر خواب طفلی
موج تبسمی بود این عمر برق رفتار		شد صبح تلنشستیم در ملهتاب طفلی۲۴۸

از موج فتنه جوش چه جوی زلال عشق		صهبای تلخ دود بنمای آنست
عمری که صرف حرص شود آه حسرتی		مانند آب ریخته بالای آنست۲۴۹

سالم زسعی مردم دنیا طلب مپرس		مشت خسی شناوردریای آنست۲۵۰
روزگار جوانی و فیضهایش مپرس		که دیده ایم عجب باغی وهوائ چند
کشیده ایم درین باغ چون صباهوای		که دیده ایم عجب باغی و هوائی چند۲۵۱

سالم نے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد دین اسلام اور پیغمبر اسلام کے واقعات کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا۔ اپنے کلام میں انہوں نے ان واقعات کو تلمیحات کے ذریعہ نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔ اہل ادب کی اصطلاح میں تلمیح اس صفت کا نام ہے جس سے نظم یا نثر میں اشارے کے طور پر کسی تاریخی واقعے، قصے اور احادیث و آیات کا اجمالاً ذکر کیا جائے۔ کلام میں مختصراً دو ایک الفاظ سے کسی واقعے کی طرف ذہن دوڑ جاتا ہے۔ سالم نے اس صفت کو اپنے کلام میں بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے۔ یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے متاثر ہو کر انہوں نے اس واقعہ کو نظم میں یوں بیان کیا ہے:

یوسف از تعبیر خواب خویش آگاهی نداشت

چارہ ساز دیگران در کار خود بیچارہ بود[۲۵۲]

آہ کنعان بانسیم مصر میگوید هنوز
یوسف من صبر ایوب است یعقوب مرا
برگذار صبر من رحم آیدت گربشنوی
صبر یارب ایوب مرا ایوب مرا[۲۵۳]

سالم وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ کہتے ہیں کہ:

سالم نوای وحدت و کثرت شنیدہ نیست
در پردہ یکصدوبرون یك ترانہ را[۲۵۴]

مقام رضا وسلوک کے بارے میں فرماتے ہیں:

برخویش در مقام رضا چون رہ کان
هموار ساز پست و بلند زمانہ را[۲۵۵]

ان کا کہنا ہے کہ خدا کا نام لینے سے دل نور سے منور ہو جاتا ہے:

نام خدا زوادی دل نور میدهد — در حبیب هر نفس یدبیضای دیگراست
شور طلب چو قبیلہ نما در سرم فتاد — هوشم در اضطراب تمنای دیگر است[۲۵۶]

سالم نے چھوٹی چھوٹی بحروں میں بھی غزلیں لکھی ہیں۔ ان کے خیالات پاکیزہ، زبان سادہ اور پراثر ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ماہر زبان اور فن شاعری کے استاد ہیں:

گفتم این و عدها وفادارد — گفت مهیهات از کجا دارد
در تمنا چاہ غبغب تو — گرشود بوسہ آب جادارد
بی نیاز یست معنی تازت — نکہت رنگ کبریا دارد
جلوۂ ی چنانکہ درمیناست — شوخیت برقع از حیا دارد
هست در هرسری نهان سری — هر قدح نشاء... دارد

هست ماریست بوی گل بچمن　　تکیه بر موجه هوادارد
سالم از آفتاب حشرچه باك　　سرما سایۂ خدا دارد۲۵۷

سالم نے نہ صرف غزلیات پر طبع آزمائی کی ہے بلکہ رباعیات میں بھی مشکل مضامین کو سادہ اور عام فہم الفاظ میں ادا کرنے پر سالم کو غیر معمولی قدرت حاصل ہے۔ زندگی کی تلخیوں اور پریشانیوں، دنیا کی طلب اور قیامت کے خوف، جیسے موضوعات کو انہوں نے رباعیات میں بہت ہی پراثر انداز کے ساتھ بیان کیا ہے ذیل میں چند رباعیات نمونے کے طور پر پیش کی جاتی ہیں:

چنان در انتظارت زندگانی تلخ میدیدم　　که چون ملر در سر نفس دل می گزید امشب
از قزافش بود شوری درسری سالم　　که شدخواب پریشان عضوم مرمبداشب۲۵۸

دربحر کرم غوطه خورد بسکه عملها　　گرداب شود کفه میزان قیامت
سالم نگهه غافل دنیا طلبا نست　　تعبیر کن خواب پریشان قیامت ۲۵۹

بام جور فرستد بعاشق از محبوب　　شکن چوتیر نشیند به پهلوی مکتوب
هر دو عالم مادعاما از شراب از ماشراب　　می کشلنر انشاں عقبی بلشد و دنیا شراب۲۶۰

فیض شبهاز شمیم دل بریان مطلب　　جز شهر خموشان زخموشان بطلب
شورش بحرکند دامن ساحل پرور　　فیض صاحبدلی از سینۂ جوشان بطلب ۲۶۱

غزلیات و رباعیات کے علاوہ سالم نے ایک مثنوی ''فیل جنگ شہزادہ'' کے عنوان سے لکھی جو ماثر عالمگیری میں مذکور ہے۔ سالم نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ شہزادہ اعظم شاہ کی ملازمت میں گذارا۔ اور متعدد قصیدوں، رباعیوں اور قطعوں میں شہزادے کی مدح سرائی کی۔ اورنگ زیب کے ۲۶ ویں سن جلوس ۱۰۹۴ھ میں جب شہزادہ اعظم پر ایک ہاتھی نے حملہ کر دیا تھا اور شہزادے نے اپنی بہادری سے اس ہاتھی کو مار دیا تھا۔ سالم نے اس سیہ مست فیل کو ابر سیاہ سے تشبیہ دی ہے۔ اور اس کو برق سے زیادہ چالاک تر اور طاقت میں کوہ جیسا

بے باک کہا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ کہ جس کے دل میں کوئی ڈر خوف نہ ہو۔ لیکن شہزادے کی شجاعت و دلیری کے سامنے وہ مست فیل بے بس ہوگیا۔ شہزادے کی جان بچنے کی خوشی میں دربار میں ایک زبردست جشن منایا گیا۔ سالم نے اس واقعہ کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنی مثنوی میں بیان یوں کیا ہے:

سیه مست فیل چو ابر سیاه | سراپا غرور آمد از پیش شاه
چوابری و از برقی چالاك تر | چوکوهی و از سیل بیباك تر
بحیرت ازو هوش نظاره بود | که گنجیده در تنگنائی وجود
چوافتد گذارش بملك عدم | نماند درو باز جای قدم
اگر سایه او فتد برسحاب | نشیند بروی زمین همچو آب
بهرگام از بار دستش زمین | فرورفته در خود چو خط نگین
چنان زور سنگینیش در قدم | که گاو زمین راشده شاخ خم
چو زانو زند بر زمین وقت کین | زمرکز فروتر نشیند زمین
چو خر طوم راگاه بالاکند | شکم را فلك پشت فرساکند
سیه چاه واژون حیرت فزاست | که باطالع خصم شاه آشناست
معلق بلای ست وحشت نشان | سزاوار آن خصم صاحب قران
مگر بی ستون بود آن کوه تن | که شدفیلبان برسرکش کوه کن
لب عرض زد موج از هر کنار | که می آید این فیل دیوانه وار
اگر شاه فرمان دهد بندگان | برآرنداز مغز او عطر جان
کجا شاه را التفاتی بفیل | خضر راچه پروا زغول محیل
بفرمود تاوا گذارند کار | که دارد تماشا غرور شکار
چوآن فیل زد چند گام دگر | قضا ریخت خاك حیاتش بسر
اجل بردماغش فسونی دمید | که چون گردره رنگ عمرش پرید
دوید آنچنان رو بصاحب قرآن | که لرزید برخود زمین و زمان

بهر دیدهٔ شد غباری قرین / هوا تیره ترشد زروی زمین
قضا گشت لبریز کلفت چنان / که افتاد برهردلی آسمان
دعا بر دعا ریخت از هرلبی / زهر سینه ای جوش زدیاربی
برآمده بهم اسب و فیل سوار / که ره یافت آن فتنه روزگار
شهنشه چوآن فتنه نزدیك دید / کمانراز قربان کشیدو کشید
بدست شه خصم افکن کمان / همایی ظفر راشده آشیان
شد آغوش سوفارلبریززه / کمان زد برابروزپیکان گره
چنان صاف تیراز کمان شد رها / که از هم نپا شید موج هوا
شده از کمان تابفیل تباه / باندازهٔ تیریك کوچه را
بهم نیاورد موج هوا / هنوز از خلد در مکان زخمها
که وا کرد آنت تیر قدرت غایی / چؤ پیك اجل در تن خصم جای
گرفت آنچنان جایی در مغز فیل / که غواص لب تشنه دردِ فیل
دردناوك شاه والاشکوه / چو آتش نهان گشت در مغزکوه
بحیرت از ان عقل پیروجوان / که در کوه چون شدرگ کان نهان
دگرفیل شد محشر اضطراب / چو شیطان که لرزد زتیر شهاب
شد از تیرشه شور مغزش زیاد / که در چاه سیماب برق اوفتاد
چوگردی که یکبار خیزه زراه / قرین شد بظل همایون شاه
علم کرد خرطوم فیل سیاه / که پیچد بیکبار براسب شاه
ندارش امان قهر شاه دلیر / که خرطوم آرد زبالا بزیر
کشید از میان شاه تیغ ظفر / زمدنگه چابك و جلا تر
پی زخم خرطوم او بیدریغ / برانگیخت رخش و علم کرد تیغ
زجلای بانداز میل عنان / کمیت شهنشاه جست آنچنان
که زد شد بخرطوم ارتیغ کین / برنگی که گفت آسمان آفرین

شد از خسم کاری چنان فیل دست — که چون سایۂ خفته درخودنشست

جو از پادر افتادآن فیل دون — غرورش چو خرطوم شد سرنگون

سبك جست از اسب صاحب قرآن — شه جرأت آموزرستم دلان

که بی شك دلیریست در کارزار — بخصم پیاده درافتد سوار

ولی شاه چون دیدکان تیره روز — بسر می کند خاك نخوت هنوز

علم کرد شمشیر نصرت قرین — ظفر گفت برجرانش آفرین

دوزخم پیاپی ز قهر آنچنان — بران فیل زدشاه صاحب قران

که شد کار فیل سیه دل تمام — بروهستی حشر هم شد حرام

شهنشه عدو راچو افکندزار — بیفشرد دامن زخون شکار

دگرفیل شد محشر خاص و عام — کشیدند شمشیر ها از نیام

زبس برهم از تیغها زخم ریخت — هوا سرفیل یکسر گریخت

چنان پاره پاره شد اعضای فیل — که هر پارۂ گشته یك خال فیل

درد استخوان جوهر فروشد — همه جوهر استخوان گردشد

بولطف حق یاورشاه دین — همین است حال عدویش همین ٢٦٢ے

بھوپت رائے بیغم بیراگی

سوامی بھوپت رائے بیغم بیراگی کا شمار بارہویں صدی ہجری اور اورنگ زیب کے ان مشہور ومعروف صف اول کے فارسی شعراء میں ہوتا ہے جنھوں نے فارسی شاعری میں خاص کر مثنوی گوی میں رومی کی پیروی کی ہے اور ہندوستانی فارسی ادب کو مالا مال کیا ہے۔ بیغم کھتری خاندان میں قصبہ نیہان وصوبہ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ آج کل یہ قصبہ صوبہ ہماچل پردیش میں ہے۔ ان کے والد اس قصبہ میں قانون گو تھے۔ بیغم بھی ان کی وفات کے بعد اسی عہدے پر فائز ہوئے۔ بیغم کی جائے پیدائش کے بارے میں تقریباً تمام تذکرہ نگار متفق ہیں:

تذکرہ ہمیشہ بہار کے مولف کا بیان ہے:

"سوامی بھوپت رای بیغم تخلص متوطن قصبه پٹھان سرکار جمومضافات صوبه پنجاب قوم کھتری از قانون گویان آن ضلع است۔" ۲۶۳

خوشگو اپنے سفینہ میں رقم طراز ہیں:

"بھوپت رای بیغم بیراگی تخلص از قوم کھتری بود آبا و اجدادش قانون گوئی نیهان عمله سرکار چون تابع صوبه پنجاب اند۔" ۲۶۴

گل رعنا میں شفیق لکھتے ہیں:

"بھوپت رائے مانند این مولف این صحیفه از قوم کھتری بود آباو اجدادش بقانون گوئی نیهان از اعمال سرکار چون تابع صوبه پنجاب قیام داشتند۔" ۲۶۵

صحف۔ ابراہیم کے مولف بیغم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"نامش بھوپت رای قومش کھتری از قانون گویان نیھان مضاف صوبہ پنجاب است۔" ۲۶۶ے

مخزن الغرائب کے مولف لکھتے ہیں:

"متوطن قصبہ نیھان سرکار جمو مضاف صوبہ پنجاب قوم کھتری از قانون گویان آن ضلع بودہ است۔" ۲۶۷ے

مولف روز روشن کا بیان ہے:

"بھوپت رای پنجابی از نسل کھتریان قانون گوی ملك پنجاب بود۔" ۲۶۸ے

.... ان تمام تذکرہ نگاروں کے متفقہ بیانات سے یہ بات پایہ تصدیق کو پہنچتی ہے کہ بیغم کھتری قوم کے ایک فرد تھے۔ اور انہوں نے پیشہ بھی آبا و اجداد کی روش پر چلتے ہوئے ''قانون گو'' کا ہی اختیار کیا۔ لیکن ان کا مزاج شاعرانہ تھا۔ وہ ایک ہندولڑ کے نرائن چند کے دام عشق میں گرفتار ہو گئے۔ اور گھر بار چھوڑ کر بیراگی بن گئے۔ اسی درمیان ان کے والد نے انہیں دہلی کے ایک صوفی بزرگ جو انبالہ کے رہنے والے تھے، کی خدمت میں بھیجا۔ کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہ کر استفادہ حاصل کیا۔ ان بزرگ کی صحبت کے زیر اثر ان میں تبدیلی آئی۔ ان کا مزاج شاعرانہ کے ساتھ ساتھ قلندرانہ بھی ہو گیا۔ اور جذبہ عشق اس درجہ غالب ہوا کہ آخر وہ اپنے ہمنام نرائن بیگی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مزید دھیان گیان کی باتیں سیکھی۔ اس کا اثر ان کی شاعری میں بخوبی نظر آتا ہے۔

ہمیشہ بہار کے مولف ان واقعات کو اس طرح لکھتے ہیں:

"وبو ساطت والا بندہ بخدمت شیخ الشیوخ محمد صادق انیائمی کہ دھلی بریمن قدوم ایشان حکم بسطام داشت مشرف شد۔" ۲۶۹ے

سفینہ خوشگو میں لکھا ہے:

"اور اجذبه در رسید ترک تعلق کرده عاشق نرائن چند هندو پسری شد و مردانه (وار) سه طلاق بگوشه چادر این عجوزه شوهر کش دنیابست نام و لباس بیراگیان در برکرده۔ مرید نرائن نام بیراگی که مرد وارسته و فهمیده بود گر دید از مجاز به حقیقت رسید۔"۲۷۰

تذکرہ مخزن الغرائب، سفینہ خوشگو، گل رعنا اور صحف ابراہیم سے ہمیں بیغم کے حالات زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات فراہم نہیں ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان تذکرہ نگاروں کے بیانات کی روشنی میں زیادہ لکھنا ممکن نہیں۔ لیکن ان کے کچھ اشعار سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کی زندگی اور خاص کر جوانی کا زمانہ فارغ البالی سے میسر نہیں ہوا جس کا انہیں احساس تھا۔ وہ اس کا اظہار ان الفاظ میں ایک رباعی میں کرتے ہیں:

افسوس که ایام جوانی بگذشت — دوران نشاط و کامرانی بگذشت
سرمایه عمر زندگانی نماند — شد عمر بیاد وزندگانی بگذشت ۲۷۱

بیغم کو بڑھاپے میں اپنی جوانی کے دن یاد آتے ہیں۔ وہ عمر رفتہ پر کف افسوس ملتے ہیں۔ ان کی زندگی اسلامی تصوف اور بھگتی تحریک کے ملے جلے ماحول میں بسر ہوئی۔ ان کا انتقال ۱۱۳۲ھ/۱۷۲۰ء میں ہوا۔ جیسا کہ سفینہ خوشگو میں مذکور ہے:

"در هزار و صدوسی و دوازده از قید جسمانی برآمد۔" ۲۷۲

بیغم کی تصانیف کے بارے میں تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ان کے کلام میں صرف مثنوی قصص الفقرائے ہند کا قلمی نسخہ دستیاب ہے جبکہ ان کی کتاب پربود چندر نا یک اور دیگر مثنویاں اور ایک دیوان کا بھی ذکر ملتا ہے۔

تذکرہ گل رعنا میں لکھا ہے:

"اشعارش طبع زادو مشهور آفاق و داخل در گرنته

بابا نانک است۔'' ۲۷۳

بیغم کی شاعری کا بیشتر حصہ متصوفانہ شاعری کا ہے۔ جو فکر و عرفان کے جذبات سے پر ہے۔ بیغم پر اپنے پیرو مرشد محمد صادق اینائی اور نرائن بیراگی سے بیک وقت وابستگی کے گہرے اثرات تھے۔ اس کے علاوہ وہ داراشکوہ اور ان کے مرشد ملا شاہ بدخشی سے بھی بہت زیادہ متاثر تھے اور ان کے کلام میں اسلامی تصوف اور ہندو بھگتی تحریک کے ملے جلے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ افسوس بیغم کا دیوان اور ان کی دیگر تصنیفات زمانہ کے ہاتھوں مفقود ہوگئیں۔ اور ہمارے پاس صرف ان کی مثنوی کے علاوہ ان کے نظم کا کوئی مجموعہ یا دیوان نہیں ہے۔ تذکروں میں جو ان کے متفرق اشعار موجود ہیں۔ ان کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں جس کی روشنی میں ان کے کلام پر جامع تبصرہ کرنا تو مشکل ہے لیکن ان کے اشعار ان کے فلسفۂ عرفان کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔ خوشگو کا بیان ہے کہ:

"کلیاتش قریب پانزده هزار بیت به نظر آمده. دیوان غزلی و رباعی شش هزار بیت است باقی مثنویات." ۲۷۴

خوشگو کے بیان کے مطابق بیغم کا ذخیم کلیات اس زمانہ میں موجود تھا۔ لیکن وہ دست برد زمانہ کی نذر ہو گیا ہے۔ آج ہم کو صرف ان کی غزلیات کے چند اشعار تذکروں میں ملتے ہیں۔ خوشگو نے بھی بیغم کی غزلیات کے چند شعر اپنے تذکرہ میں نقل کئے ہیں۔ اور ان ہی اشعار کو تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے اپنے تذکروں میں نقل کیا ہے۔

همچو صبح از جیب دل خورشیدی آید برون
ده جام است این کزو جمشیدی آیدبرون

مده از دست دامان یقین وصل از میسر نیست
که این مشاطه هم در خوبی از معشوق کمترنیست

در قضای عشق جانان بوالهوس را راه نیست

هر سری شائسته سنگ و سزای دارنیست

دل چوشد بیکار دست از کار بایدداشتن
کار در بی کاری دل بود دیگر کار نیست

ای محو حقیقت نظر افگن به مجاز
بیرنگ بصدرنگ چسان جلوه نماست

ای آنکه تراهوای معنی است بسر
زنهار ز آئینه صورت مگذر

صورت آئینه است ومعنی تمثال
بی آئینه کی فقه بتمثال نظر

فلك تاکی بدست مردم مغرورم اندازد
چوسنگ ره بپای هر که رفتم دورم اندازد

مراابروکمانی می کشددر بروی ترسم
که این در برکشید نها چوناوك دورم اندازد۲۷۵

مثنوی بیغم بیراگی کا جو قلمی نسخہ حوادث زمانہ سے محفوظ رہ گیا وہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہے۔ بیغم کی شاعری کے بارے میں جو کچھ لکھنے کی جسارت میں نے کی ہے وہ اسی نسخہ کو پڑھ کر کی ہے۔ یہ نسخہ میرے سامنے موجود ہے۔ اور یہ بلاعنوان ہے۔ جبکہ تمام تذکرہ نگاروں نے اس کا نام ''قصص الفقرای ہند'' لکھا ہے۔ شاعر نے بھی پوری مثنوی میں کہیں اس عنوان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کی ابتداء میں کوئی پیش لفظ بھی نہیں ہے جس سے اندازہ ہو کہ اس مثنوی کا عنوان حقیقت میں کیا ہے۔ اس نسخہ کو دیکھنے کے بعد

یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ شاعر نے اس پر کوئی نام نہیں لکھا ہے۔ دوسری ایک خاص بات یہ ہے کہ اس مثنوی میں فقرائے ہند کے علاوہ دیگر اکابرین اور صوفیا جیسے حضرت بغدادی کا ذکر بھی کمال خوبی سے کیا ہے۔ جس کی تفصیل اگلے صفحات میں آئے گی۔ سید عبداللہ کی بھی اس مثنوی کے بارے میں یہ ہی رائے ہے۔ لکھتے ہیں:

"اس کو قصص کے نام سے یاد کرنا صحیح نہیں ہے اس میں ویدانت،
فلسفہ اور اسلامی تصوف کے نازک اور لطیف مسائل موجود ہیں۔"[۷۶]

بیغم کی مثنوی کا جو نسخہ (قلمی) پیش نظر ہے۔ اس میں ابتدائی بارہ صفحات پر کوئی نمبر نہیں ہے۔ اوراق پر متفرق رباعیات لکھی ہوئی ہیں جن میں پہلی رباعی یہ ہے:

تامن بودم اسیر خوبان بودم — در عشق بتان بی سروسامان بودم
روزی که نداشتم بکف زلف بتی — آشفته و بدحال و پریشان بودم[۷۷]

مثنوی کے اس نسخہ کا آخری صفحہ بہت شکستہ حالت میں ہے۔ جس میں اس کے لکھنے والے کاتب کا نام نظام لکھا ہوا ہے۔ یہ مثنوی ۱۱۴۲ھ میں لکھی گئی جس کی تصدیق مندرجہ ذیل اقتباس اور شعر سے ہوتی ہے۔

"روز شنبه بوقت پنج پهر مطابق یکهزار و یکصد و
چهل و دو هجری دستخط فقیر ترا ب الاقدام بنده۔"

(شعر)

تحت شمار شد کارمن نظام
نسخه مثنوی بیغم من تصمیم گرفتم[۷۸]

(رباعیات)

بیغم کی رباعیات بھی اس کے متصوفانہ فلسفہ کی نمائندگی کرتی ہیں جو فلسفہ وحدۃ الوجود کی عکاسی ہیں:

عارف که از اسرار ازل آگاه است — گویندش خلق ملحد و گمراه است
دردیده حق شناس خورشید نگاه — که زده که بینی که همه وجه الله است[۷۹]

ای دل اگر آن عارض دلجوبینی
در آب جهانرا همه نیکوبینی
درآئینه کم نگر که خود بین نشوی
خود آئینه شو تاهمگی او بینی

بادهر به گفتم ثرت فهم وذکاست
حرف من و تو هیچ نمی آید راست
تو منکر خالقی و من منکر خلق
بنگر که تفاوت زکجاتا بکجا است

دریا در موج و موج اندر دریاست
درذات و صفات حق تفاوت ز کجاست
ای محو حقیقت نظر افگن بمجاز
بی رنگ بصد رنگ چسان جلوه نماست

رفتم سحری زپیش زاهد ناگاه
پرسیدم از و که چیست کیفیت راہ
گفتا که همیں صوم وصلوة است اینجا
برگشتم و گفتش که الله الله ۲۸۰

بیغمؔ نے رباعیات میں اپنے تخلص کا استعمال بڑی خوبصورتی سے کیا ہے۔ وہ انسانیت پر یقین رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دونوں جہاں کی بھلائی اسی میں ہے کہ انسان دنیا کی لغویات سے کنارہ کش ہوکر دھیان گیان میں مشغول رہے:

نی ملا مشو نه فاضلی آدم شو
آزاد هر یك عیبی و مریم مشو
خواهی که مشوی بیغم از هر دو جهان
با بیغم یك چند نشین بیغم شو ۲۸۱

بیغم کی مثنوی جو ''فقرای ہند'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں ہندوستان کے صوفی، درویشوں، بھکتوں اور سادھوؤں کے علاوہ بیرونی صوفیا حضرت جنید بغدادیؒ وغیرہ کے قصے تمثیلی انداز میں بیان کئے ہیں۔ ان حکایات کے ذریعہ انہوں نے اسلامی تصوف اور ہندو بھکتی کے اسرار و رموز کو واضح طور سے بیان کیا ہے۔ کیونکہ بیغم عرفان و بھکتی کے اس دبستان سے وابستہ تھے جس کی سرپرستی داراشکوہ نے کی تھی۔ شیخ محمد صادق ایناکی اور نرائن بیگی سے ان کی بیک وقت وابستگی نے ان کے میلانات کو اور مستحکم بنا دیا تھا۔ جس کی نمائندگی وہ اپنے اشعار میں کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ بیغم داراشکوہ کے پیرو مرشد ملاشاہ

بدخشی سے بھی متاثر تھے جس کا تفصیلی ذکر اگلے صفحات میں آئے گا۔

مثنوی بیغم ادبیات فارسی میں متصوفانہ مثنویوں میں اور خاص کر ہندو ایرانی فارسی ادبیات میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ فکر وفن اور زبان و بیان کے اعتبار سے یہ ایک نمائندہ فن پارہ ہے۔ اس کے مطالعے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ مولوی رومی کی مثنوی سے بیغم بہت زیادہ متاثر تھے۔ دوسرے معنوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مولانا روم بیغم بیراگی کے روحانی استاد تھے۔ بعض جگہ بیغم کی مثنوی میں مولانا روم کے خیالات کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اور یہ تو حقیقت ہے کہ بیغم مثنوی رومی کے بہت زیادہ شیدائی تھے جیسا کہ اس مثنوی کی ترتیب اور اس کے خیالات کی نوعیت اور عارفانہ انداز میں حکایات کے تمثیلی بیان سے ظاہر ہے کہ بیغم کی مثنوی کا اصلی سرچشمہ فیض اور منبع مولانا رومی کے عرفانی اور صوفیانہ خیالات تھے۔ بیغم کی مثنوی کا آغاز بھی اسی انداز سے ہوتا ہے:

دل تپیدنها حکایت می کند	چشم خوبانباران روایت می کند
تاز اصل خود جدا فتاده ام	داد بیتابی چو بسمل داده ام
گاه چون بسمل طپم در خاك و خون	گرچه بوی گل روم از خود برون
گاه گریم هم چو ابرنوبهار	گاه پیچم هم چو زلف تابدار
گاه نعره می زنم برروئی گل	گاه می جو شم نجم دورنگ مل
آتشی در سینه دارم شعله زن	چیست آن آتش بدل حب الوطن[۲۸۲]

یہ اشعار مولانا روم کی مثنوی کے ان اشعار سے ملتے ہیں مثلاً:

بشتو ازنی چون حکایت می کند	وزجدائیها شکایت می کند
کزنیستان تا مرا ببریده اند	از نفیرم مردو زن نالیده اند[۲۸۳]

جس طرح مولانا رومی نے اپنی مثنوی کے دفتر اول میں عشق حقیقی کی گرمی و تپش اور سوزش کو اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اسی طرح بیغم نے بھی عشق کی حقیقت اور معرفت تک پہنچنے کا ذریعہ بتایا ہے۔ کہ کس طرح صوفیا عشق حقیقی میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ اس کو وہ بہت ہی موثر پیرایہ میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

عشق در جان و روانم زد علم — چون شرر درسبك چون گوهر بتم
فاضلان را عشق کور وکر کند — دفتر صد عقل را تیره کند
عشق که واله گهی فرزانه است — گه صدف گردد گهی دردانه است
آتش عشق است نی هیزم نه دود — خودبخود بسوزانست نی نقص نه سود ۲۸۴؎

سینه خواهم زدردعشق چاك — تا برون ریزم شرار سو زناك
گوش خواهم از پر پروانه — قصه عشق است نی افسانه ۲۸۵؎

بیغم مانیست بیغم زاهل خویش — دایما جوید کنار و صل خویش
گرنیم دیوانه این سودا ز چیست — ور نیم بیگانه این غوغاز چیست ۲۸۶؎

''بیغم برسبیل فہرست'' کتاب کے عنوان سے اس مثنوی کی وجہ تسمیہ بتاتے ہیں کہ جو کچھ حق کی طرف سے میرے دل میں آیا۔ میں نے بلا تکلف اس کو قلم زد کر دیا:

وقت آن آمد که از جوش جنون — برزنم از دید باسیلاب خون
کوه صحرا را کنم چون لاله زار — برخون چکان آید نسیم نوبهار ۲۸۷؎
آنچه می آید بدل از سوئی حق — بی تکلف می نگارم برورق ۲۸۸؎

اس کے بعد ''جوش دیگر در بیان آ نکہ ہر چیزی بجای خود خوب است'' کے عنوان سے ایک مثنوی لکھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی قدرت کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام انسان بلا لحاظ رنگ ونسل اور مذہب اس کی نظر میں برابر ہیں:

داد شورشها و مستیها دهیم — داد شوق و حق پرستیهادهیم
هر همه برجای خود و زیبا بود — هرهمه برقدر خود یکتا بود
کافر و مومن و زنگی و یهود — ارمنی وگبر و ترسا و جهود
هیچ کس از جودحق محروم نیست — سراین معنی بکس مفهوم نیست ۲۸۹؎

بیغم مثنوی کے ابتدائی مراحل میں اللہ جل جلالہ کی شان میں مناجاتیں نظم کرتے

ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح دعا کرتے ہیں کہ اے خدا تو ہی ہماری غلطیوں اور خطاؤں کو معاف کرنے والا ہے۔ ہماری یہ عمر دنیا کی جاہ وتمنا میں گذر رہی ہے۔ انہوں نے یہ مناجاتیں بہت ہی موثر اور دلنشین انداز میں نظم کی ہیں:

''درمناجات حق سبحانہ وتعالیٰ''

وقت آن آمد که از جوش طرب	نغمه رنگین زنم باصد ادب
ای خدا از خاکساران توایم	ای خدا از دل فگاران توایم۲۹۰
جز تو دیگر کیست در ارض و سما	جز تو دیگر کیست تابخشدبما
من خطا کردم خطا کردم خطا	تو عطا کن تو عطا کن توعطا۲۹۱

بیگمؔ ''مناجات دویم بدرگاہ حق سبحانہ وتعالیٰ دراستدعاء دعا'' میں اپنی ہستی اور خودی کے بارے میں لکھتے ہیں:

ای دریغا عمر من برباد رفت	برنیا مداز دلم یك آه تفت
ای دریغا خویش رانشا ختم	خاك در هر جا بسر انداختم
کوه و صحرا اند همه تاراج پا	زیر پاد ادم همه ارض و سما۲۹۲

ایک اور عنوان ''جوش دیگر'' قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں صرف ذکر خدا کے اور کوئی بات نہیں لکھی ہے۔ اور میں بھی اس کی وحدت کے باغ کا ایک عندلیب ہوں:

در کتابم نیست جز ذکر خدا	مثنویم نیست غیراز یك نوا
عندلیب مست باغ و حدتم	سوخته جای زداغ وحدتم ۲۹۳

سلوک کے راستے پر چل کر ایک صوفی مختلف مراحل سے گذرنے کے بعد محبوب حقیقی کی قربت حاصل کرتا ہے۔ صوفیا کی اصطلاح میں وہ مدارج جیسے عبادت، ریاضت، فقر اور صبر وقناعت، توکل و رضا وغیرہ کہتے ہیں جب ان مدارج سے ایک صوفی گذر جاتا ہے تو پھر وہ فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ محبوب حقیقی کے تصور میں غرق رہنے لگتا ہے۔ اس بات کو

وہ حضرت جنید بغدادیؒ کے ایک واقعہ سے بیان کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت جنید بغدادیؒ کے مریدوں میں سے ایک نے ان سے سوال کیا کہ آپ کس کا تصور باندھا کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا "بلی کا"۔ اس سے متعلق بیغم ایک قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بلی ان کے کمرے میں آئی اور آتے ہی کیا دیکھتی ہے کہ ایک چوہا ایک سوراخ سے نکلا لیکن فوراً ہی وہ بلی کو دیکھ کر اپنے بل میں گھس گیا۔ اور اس پر بلی نے متواتر کئی گھنٹوں تک نہایت استقلال اور صبر وضبط سے انتظار کیا۔ بالآخر وہ چوہا بلی کے پنجوں میں آ گیا۔ چنانچہ اس کے بعد سے اس بلی کو ہادی راہ سمجھتا ہوں۔ بیغم اس حکایت کو ان الفاظ میں شروع کرتے ہیں:

گفت شخصی از مریدان باجنید — کای فروغ جبهه صبح امید
در تصور کیست سیرت از شیوخ — از توی پرسم من از صدق ورسوخ
در جوابش گفت ای شیخ زمن — در تصور گربه آمد سیرمن
در طریقت ها کم از گر به مباش — چند گو پندت سخن هافاش فاش[۲۹۴]

بیغم ایک اور دوسری حکایت "حکایت دیگر در بیان سلوک" میں فرماتے ہیں کہ حق سے ہی طلب کر اور اس سے مانگنے میں کسی قسم کی شرم محسوس نہیں کرنی چاہئے۔ وہی عالم کا پالن ہار ہے اور جو لوگ اس پر یقین محکم رکھتے ہیں وہ ان کی غیب سے مدد کرتا ہے اپنے اس خیال کو بیغم بہت ہی دلکش اور دلنشین انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

دختری ذوالنون مصری وقت شب — گفت مادر را که جان آمد بلب
خشك شد چون نافه خونم در بدن — آتش سوزانست اندر جان و تن
من بمردم زاشتها نام خدا — پارچه نانی بده بهر غذا
گرندادی پارچه نانی بمن — جانم اینك شد برون از قیدتن
گفت مادر آنکه جان را آفرید — واین مه و خورشید زو آیدپدید
آنکه انسان را صفات خویش داد — آنکه باب رزق بر عالم گشاد
زوبخواه ای سازو غذا — زوطلب کن جامن برگ و نوا
گفت دختر این چه شرم و حیا است — کز خدا سازم طلب برگ و نوا

کی حیات نفس خواهم من زحق　　من بخوانم دردبستان این سبق۲۹۵

بیغم اس داستان کے تمثیلی پیرایہ بیان سے یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ راہ طریقت اور طلب حق میں ہمت اور حوصلہ اور جدوجہد ہی انسان کو اس کے مقصد تک پہنچاتی ہے جس طرح اس لڑکی کا حوصلہ بلند تھا۔ اسی طرح انسان بھی اگر یاد حق میں مشغول ہو جائے اور اپنے آپ کو مثل پروانہ جلا ڈالے تو اس کو کامرانی نصیب ہوگی۔ اور وہ حقیقت کے قریب ہو جائے گا:

همت دختر ربود از جامرا　　کرد فارغ یکسر از چون و چرا
همتی کوتازند آتش به تن　　همتی کو بگذرد ازماومن
دست همت از همه بالا بود　　دست همت دست یکتان بود
همت پروانه باید در طریق　　کو بسوز د خویشتن را در رفیق۲۹۵

بیغم نے اپنی مثنوی میں بہت حد تک مولانا روم کی پیروی کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا روم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس موضوع کو بھی تمثیلی پیرایہ میں بیان کرتے ہیں اسے عام فہم اور اس قدر آسان بنا دیتے ہیں کہ عام قاری بھی ان کی اصل بات کو سمجھ جاتا ہے۔ بیغم کا تخیل اگرچہ اس پایہ کا نہیں ہے۔ تاہم ان کی شاعری میں ہلکا سا مولانا روم کا رنگ نظر آتا ہے۔ ایک حکایت میں اس بات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عارف پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ عارف کے لیے ''اناالحق'' کہہ دینا جائز ہوتا ہے۔ اس کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

آن اناالحق آن زمان گفتن سزاست
در معنی آن زمان سفتن رواست۲۹۷

اور پھر اس کلمہ ''اناالحق'' کو ایک اور حکایت میں نظم کرتے ہیں کہ ایک ہرن نے بیابان میں شیر کو دیکھا اور اس سے بچنے کے لئے جتنی اس میں طاقت تھی اتنی تیزی سے دوڑا اور جیسے ہی شیر اس کے نزدیک پہنچا۔ آہو بے طاقت ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اور بے ہوش ہو گیا۔ اور اپنے آپ کو شیر کی ہستی میں محو دیکھا:

"حکایت آن آھو که شیر رادر بیابان دید واز شیر بگریخت تاآنکه طاقت بود آھو میروید۔ چون شیر از دنبال نزدیك او رسید آھو بی طاقت شد و بر زمین افتاد و بیھوش شدو ھستی خود را درھستی شیر محو دید و نعره "اناالحق" شیر برزد۔" ۲۹۸ے

بیغم ایک حکایت ''دربیان بے ثباتی و ناپائداری کونین'' کے عنوان سے قائم کرتے ہیں کہ ان کی نظر میں یہ دنیا ایک کہانی اور افسانے کی مانند ہے۔ اور جو اس دنیا سے دل لگائے گا وہ اس دیوانے کی طرح ہے جس کو اس دنیا کی اچھائی برائی کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ یہ دنیا ایک خیال، حباب و سراب کی مانند ہے اور بے وقوف لوگ بچوں کی طرح اس دنیا کے خواب میں سرمست رہتے ہیں اپنے اس بیان کی وضاحت میں بیغم نے اس حکایت کو شعر کی زبان میں بہت اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

این جهان مانند این افسانه است — هر که بند د دل برین دیوانه است

غافلان طفلند واین عالم چو خواب — یا خیال و یاحساب و یاسراب

غافلان را چشم بر صورت گشاد — عاقلان را دیده برمعنی فتاد

چشم معنی بین اگر حاصل شود — صورت هر دو جهان زایل شود ۲۹۹ے

داراشکوہ بابالعل کا چیلا تھا۔ اور اکثر و بیشتر مذہبی مسائل پر ان سے گفتگو کرتا تھا۔ اس کتاب ''نادر النکات'' میں ان ملاقاتوں کا مفصل حال درج ہے کہ ایک بار داراشکوہ نے بابالعل سے تصور و استغراق کے معنی معلوم کئے۔ اس واقعہ کو بیغم نے نظم میں بہت ہی موثر اور عام فہم انداز میں بیان کیا ہے۔ اور اس کا عنوان بھی ''پرسیدن داراشکوہ از بابالعل کہ معنی تصور واستغراق چیست'' ہے۔ بیغم نے تمثیلی انداز میں ایک صیاد اور آہو کی داستان اس کمال وخوبی سے بیان کیا ہے کہ کس طرح ایک ہرن شکار ہو کر بیمار ہو گیا۔ صیاد نے اس کی دیکھ بھال کی۔ جب وہ صحت مند ہو گیا تو صیاد نے اس کو آزاد کر دیا۔ لیکن وہ اس سے اس قدر مانوس ہو گیا کہ بجائے جنگل کی طرف جانے کے وہ اس کی الفت میں اس کے پیچھے پیچھے آ گیا اس

حکایت سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص محبوب حقیقی سے لو لگاتا ہے اور ہمہ وقت اس کے ذکر میں گرفتار رہتا ہے تو پھر اس کا دل مالک حقیقی سے جدا ہونے کو نہیں چاہتا۔ صوفیا کے اس خیال کو بیغم نے بہت ہی موثر انداز میں نظم کیا۔ نمونے کے طور پر چند اشعار پیش خدمت ہیں:

گفت بابا لعل با داراشکوہ — کای توی در استقامت هم خواه
آنکه خواهندش تصور خاص و عام — آنکه استغراق آمد در کلام

یك زمان بی صید گیر آرام نیست — دیگر از حاجت به بندد دام نیست
چون نماند حاجتش پابند و دام — هست استغراق در معنی تمام[۳۰۰]

بیغم ایک اور حکایت ''دربیان آنکہ قید و آزادی مرد موقوف بیہوش است'' کے عنوان سے لکھتے ہیں جس میں ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان قید و آزادی میں اس وقت امتیاز کر سکتا ہے جب وہ فہم و ادراک رکھتا ہو۔''[۳۰۱]

اس کے بعد دوسری حکایت ''دربیان آنکہ حق فراموش کردن بہ از یاد کردن است'' میں وہ استغراقی کیفیت کو بیان کرتے ہیں کہ جب انسان اللہ کی ذات میں فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو وہ نام حق کو فراموش کر دیتا ہے۔ اور یہ بات ایک عام فہم آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ یہ سوائے ولی اولیاء کے کوئی دوسرا شخص اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس کو سمجھنے کے لئے بوعلی قلندر جیسی عبادت و ریاضت کی ضرورت ہے جن سے گذر کر صوفی اس مقام پر پہنچتا ہے وہ اس خیال کو شعر میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

نام حق مرشد فراموش خوب شد — خوب شد از سربلا مغلوب شد
کا نچنان بودیم اکنون آن شدیم — جسم و تن بودیم اکنون جان شدیم
سالها باید که فهمی این کلام — عمر ها باید که دریابی مقام
این سخن را کس نه فهمد جزولی — گربود در فهم همچون بو علی[۳۰۲]

بیغم حقیقت کے معنی جاننا اور اس کی تلاش میں عمر بسر کرنے کو حقیقت الحقائق کہتے

ہیں۔ اور ان کی نظر میں اس کا جاننا وجود اعظم کے برابر ہے۔ اس بات کو وہ ایک حکایت ''حکایت در معنی حقیقت و پی بردن حقیقت کہ آنرا حقیقت الحقائق خوانند وجود اعظم دانند'' کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جس شخص نے حقیقت کی فکر میں اپنے آپ کو جلا ڈالا تو وہ اور زیادہ روشن تر ہو گیا:

آنکه در فکر حقیقی سوختی — آتشی رنج و طلب افروختی
رنج هابردی هزاران صبح و شام — خون دل خوردی پیالی جام جام
از لطافت ذات حق نه آید پدید — ذات حق پی برده چون گردد پدید
هست لامحدود آن ذات اله — نیست غیر ازآن حقیقت درنگاه ۳۰۳؎

بیغم نے اس ذات مطلق کی تعریف و توصیف میں متعدد اشعار لکھے ہیں۔ جس میں وہ باری تعالیٰ کی ذات کو ذات مطلق کہتے ہیں:

هست ذات پاك آن رب البشر — هر دو گونه الغدیر دیده ور
زآن دوگونه بی صفت آمدیکی — وآن دیگر راباصفت و آن بی شکی ۳۰۴؎

بیغم نے حکایت در حکایت فلسفہ توحید وحدت، وجود عدم قہر و جمال، جلال و تجدد کو شیخ اور مریدین کی گفتگو میں امثال و جواب سے بیان کیا ہے جو ان کے اندرونی احساسات اور عارفانہ نظریات کی نشاندہی کرتا ہے۔ بیغم کہتے ہیں:

منکر ما منکر تو حید حق — منکر مامنکر تقعید حق
منکر ما منکر رب الانام — منکر مامنکر وحی وپیام
منکر ما منکر اهل صفا — منکر ما منکر ارض و سما ۳۰۵؎

اسی حکایت میں بیغم اپنے اظہار کی تصدیق کے لئے ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرید نے اپنے شیخ سے کہا کہ میں نے علم ظاہر میں سب کچھ سیکھ لیا۔ لیکن رنج والم کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ صرف ونحو، منطق و طب و نجوم اصول فقہ اور دیگر علوم پر دسترس حاصل کی۔ منقولات و معقولات و ریاضی کی تعلیم حاصل کی۔ لیکن میری حرص و ہوا کم نہ ہوئی اور قیل وقال سے طبیعت افسردہ ہوگئی۔ علم ظاہر نے مجھ کر رنج والم دیئے اور پھر مرید نے شیخ

سے یہ کہا کہ ای شیخ زمان مجھ کو علم وحدت کی تعلیم دے تا کہ مجھے اسرار سے آگاہی ہو۔ شیخ نے جواب دیا کہ انسان اگر دنیا میں با ادب ہے تو اس کو دنیا کی تمام چیزیں حاصل ہیں اور اسی کے ذریعہ سے وہ خدا کا دیدار بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اس بات کو مولانا روم نے بھی اپنی ایک مثنوی میں شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ بیغم نے اس حکایت میں نہ صرف مولانا کے فلسفیانہ نظریات کو اشعار میں بیان کیا ہے بلکہ مولانا کی مثنوی کے مصرع پر ایک مصرع اپنا لگایا ہے جس سے ان کی بات میں اور زیادہ زور پیدا ہو گیا ہے۔ اور اشعار کی زینت میں بھی اضافہ ہوا ہے اور بعض جگہ پورا شعر نقل کیا ہے:

منکر ماکیست بیغم بی ادب — بی ادب را نیست حاصل جز تعب
بی ادب را نیست دیدار خدا — بی ادب غافل ز اسرار خدا
بی ادب را آتشی اندر دل است — بی ادب را در جهان این حاصل است
بی ادب محروم مانداز فضل رب — بی ادب باشد همیشه در تعب
بی ادب تعظیم خواهد از خدا — بی ادب باشد همیشه در تعب

(رومی)

بی ادب تعظیم خواهد از خدا — بی ادب را سر نورد زیر پا
وه چه خوش فرمود مولانای روم — وزبحق آن بی ادب نخل زقوم
بی ادب تنها نه خود داشت بر — بلکه آتش در همه آفاق زد[۲۰۶]

بیغم اپنے لڑکے کو مراتب ستہ کے بارے میں بتاتے ہیں کہتے ہیں کہ ای پسر اولین رتبہ وحدت کا ہے جس کی حقیقت دیدہ ور ہی جانتا ہے۔ اس کی ذات کا ظہور ہر ذرہ میں ہے۔ اور اس کی مثال قرآن کریم کی آیت کو شعر کے درمیان میں بیان کرتے ہیں۔ "لم یکن معہ شئ" اور یہ ہی اہل دید کے نزدیک رتبہ ثانی ہے اور اہل کمال کے لیے رتبہ سوم عالم ارواح ہے۔ اسی طرح انہوں نے چہارم، پنجم، ششم مراتب کے بارے میں کہا ہے کہ وہ اہل دین، اہل شہود اور فرخندہ حال لوگوں پر ہی آشکارا ہے۔ غرض تمام جملہ مراتب اسی کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اور دونوں عالم اسی کی پی اسبات ہیں۔ ان مراتب ستہ کو بیغم اشعار میں اس

طرح بیان کرتے ہیں:

در بیان مراتب ستّہ

از مراتب سته میگویم سخن　تاشود مکتوب اسرار کهن
رتبه اولین وحدت ای پسر　کان حقیقی هست پیش دیده ور
جز ظهور ذات آنجا هیچ نیست　فهم کن حرفم که اینجا هیچ نیست
خود ظهور ذات او باشد بذات　نیست اینجا غیردانش از صفات
متقی آمد همه اشیاء درآن　لم یکن معه شی شدبیان
بعدازان شد عالم معنی پدید　رتبه ثانی هست پیش اهل دید
رتبه سیوم براهل کمال　عالم ارواح دان ای خوش مقال
رتبه چارم مثال است ایخوان　وصف و اکنون همی سازم بیان
رتبه پنجم برم ای هوشیار　عالم اجسام آمددر شمار
هست ترکیبات رادروی ظهور　کان کشیفه باشدای اهل ظهور
هست این رتبه براهل شهود　عالم حسن وشهادت در وجود
این مراتب اولین و آخرین　رتبه ها دار ندپیش اهل دین
رتبه آخر به از اول بود　تاکمالات ظهور اکمل بود
مرتبه ششم آمد اکنون گفتی　زودمی یا بد مرا دو منقنی
هست این مرتبه براهل کمال　جامع هر هیچ ای فرخنده قال
آن حقیقت هست انسان بدان　که شود خورشید و کاهی آسمان
جامع جمله مراتب ذات اوست　هر دو عالم در پی اثبات اوست
هیچ وصفی نیست ز اوصاف خدا　کان نشد در ذات انسان برملا ۳۰۷؎

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفات کو نظم میں کمال خوبی سے بیان کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے پیرومرشد ملا شاہ بدخشی کے ارشادات کو بیان کرتے ہیں اور اپنے پیرو

مرشد اور مولانا رومی کا ذکر عقیدت و محبت سے کرتے ہیں علاوہ ازیں ان دونوں کے خیالات کی پیروی بھی کی ہے۔

هم سمیع و هم علیم و هم بصیر　　هم مرید و هم کلیم و هم قدیر
وصف هفتم حی لایموت　　تو بود شایسته حمدونعوت
واه چه خوش فرمود ملا شاه من　　شاه من عارف من آگاه من
مولوی هم گفته اندر مثنوی　　شاه بیت رنگریز معنوی[۳۰۷]

بعنوان "در بیان حقیقت دہر" کے عنوان سے روز و شب ہفتہ و ماہ و سال کی گردش کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

روز و شب هرهفته کثرت بود　　هفته خود این جمله را وحدت بود
ماه شد و حدت این هفته ها　　هفته ها درمه بکثرت رفته ها
سال آمد وحدت این ماه ها　　ماه ها درسال برده راه ها
قرن هارا وحدت این سالها　　کثرت این سالها درسا لها
قرن هارا وحدت آمد دهرما　　دهر ما سر مد بود این بهر ما[۳۰۹]

لالہ شیورام داس حیاؔ

لالہ شیورام داس نام، حیاؔ تخلص کایستھ قوم کے معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ کسی معاصر یا متاخر تذکروں میں حیا کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کوئی واضح اشارہ نہیں ملتا ہے۔ اور نہ ہی حیاؔ نے اپنے کلام میں کہیں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ کب پیدا ہوئے۔ ان کے حالات زندگی تلاش و جستجو کے بعد جس قدر فراہم ہو سکے ہیں اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

حیاؔ رائے بھگتی مل کے دوسرے بیٹے تھے۔ عالمگیر اورنگ زیب کے وزیر اعظم اسد خان کے دربار سے وابستہ اور اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ اسی مناسبت سے ان کو اسد خانی کہا جاتا ہے۔ تذکرہ نگاروں نے انہیں رائے بھگتی مل یا بھگوتی مل اسد خانی لکھا ہے۔ جیسا کہ مختلف تذکرہ نگاروں کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ خوشگو حیا کے بارے میں لکھتے ہیں:

"پسر دویم رای بهگوتی مل اسد خانی که مرد عمده متصدیان بی نظیر و معتبر روزگار بوده۔" ۳۱۰

مقالات الشعراء کے مولف کا بھی تقریباً یہی بیان ہے:

"خلف رائی بهوکن کایستھ دیوان اسد خانی و برادر بزرگ راجه دیامل امتیاز مذکوراست۔" ۳۱۱

تذکرہ گل رعنا میں شفیق رقم طراز ہیں:

"حیا لاله سیو رام اکبر آبادی پسر دوم بهوکنی مل اسد خانی است که متصدیان عمده اسد خانی وزیراعظم سلطان اورنگ زیب عالمگیر بود۔" ۳۱۲

صحف ابراہیم میں نواب علی ابراہیم خان کہتے ہیں:

"اسمش شیورام داس قوم کایت پدرش از سلکان
نواب اسد خان وزیراعظم حضرت عالمگیر بود۔" ۳۱۳

مولف سفینہ ہندی کی بھی یہی رائے ہے:

"رائے بھوگنی کایست دیوان نواب اسد اللہ خان و
برادر بزرگ راجہ دیامل امتیاز مذکوراست۔" ۳۱۴

نتائج الافکار کے مولف تحریر کرتے ہیں:

"نکتہ شناس لالہ شیورام داس کہ حیاؔ تخلص می کند
اصلش از اکبر آباد است۔ پدرش لالہ بھگوتی مل در
متصدیان عمدہ سرکار اسد خان وزیراعظم عالمگیر
پادشاہ انتظام داشت۔" ۳۱۵

صبح گلشن کے مولف لکھتے ہیں:

"لالہ شیو رام اکبرآبادی قوم کایتھہ بود۔ پدرش
بھگوتی مل از متصدیان نواب اسد خان وزیرعالمگیر
بادشاہ گوئی بلند پائگی سیر بود۔" ۳۱۶

تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ حیاؔ اکبرآبادی قوم کے کایستھ تھے اور عالمگیر کے وزیراعظم اسد خان کے یہاں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ اسی مناسبت سے انہیں اسد خانی کہا گیا ہے۔

لالہ شیورام حیا فارسی زبان و ادب کے دلدادہ تھے۔ ان کا شمار اپنے زمانے کے قابل اور سنجیدہ شاعروں میں ہوتا تھا۔ بچپن سے ہی ان کا رجحان علم و ادب کی طرف مائل تھا۔ عمدہ شعری ذوق رکھتے تھے۔ شروع میں نشاط تخلص کرتے تھے۔ لیکن بعد میں میرزا عبدالقادر بیدل کے شاگردوں میں شامل ہوگئے۔ ان سے اصلاح لینے لگے تو ان کی شاعری میں جلا آئی اور ان کا کلام فارسی کے بڑے شعراء کے ہم پلہ ہوگیا۔ حیا نے بیدل کی صحبت میں ہی رہ کر اپنا تخلص نشاط سے حیا اختیار کیا۔ شیورام حیا کا شمار اپنے زمانے کے بڑے شاعروں میں

ہونے لگا۔ ان کی اعلیٰ سوسائٹی میں ایک خاص حیثیت تھی اس کی وجہ ان کا سنجیدہ مزاج، اعلیٰ شعری ذوق، سخن فہمی اور حسن خلق تھا۔ تذکرہ نگاروں نے ان ہی خصوصیات کو مختلف انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔

مشہور و معروف تذکرہ نگار خوشگو کا بیان ہے:

"...... طبع موزوں داشته، نشاط تخلص می کرد. اما شعرش به فقیر ز رسیده از قوم کایستھ تعلقداشت بسیار به قابلیت موصوف و سنجیده و فهمیده به حسن خلق آراسته بود. و خدمات عمده سر انجام می دادوبه حسن همچشمان به عزت می زیست. طبعی بس بلند و سلیقه درست داشت. بسیار غنیمت بود. در خدمت مرزا بیدلؔ صاحب مشق گذراینده و تخلص یافته و به زبان ایشان حرف می زند."۳۱۷

ہمیشہ بہار کے مولف لکھتے ہیں:

"شیورام حیاؔ از شاگردان میرزا بیدل صاحب است و مشق شعر درست دارد۔"۳۱۸

مقالات الشعراء کے مولف رقم طراز ہیں:

"حیا شاگرد عبدالقادر بیدل است. طبع عالی و استعدادی کامل داشت۔"۳۱۹

شفیق اپنے تذکرہ گل رعنا میں لکھتے ہیں:

"صاحب ذهن رسا و طبع بلند بود. درهم چشمان معزز و مکرم می زیست و اصلاح سخن از جناب میرزا بیدل می گرفت." ۳۲۰

مخزن الغرائب کے مولف کا بیان ہے:

"وی پسر رای بھوگی مل اسد خانی واز شاگرد میرزا
بیدل است."^۳۲۱^

سفینہ ہندی کے مطالعے سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے:

"در نظم و نثر دست گاھی داشت۔ صاحب جاہ و
ثروت بودہ شاگرد میرزا عبدالقادر بیدل است......"^۳۲۲^

مولف نتائج الافکار رقمطراز ہیں:

"بالجملہ حیا صاحب طبع سلیم و فکر مستقیم بودہ و
در مراتبت نظم از قرن گوی سبقت ربودہ مشق سخن بہ
خدمت میرزا بیدل می گذرانید۔" ^۳۲۳^

تذکرہ صبح گلشن میں لکھا ہے:

"مشق شعر و سخن از میرزا بیدل صاحب است و
مشق شعر درست دارد۔" ^۳۲۴^

مذکورہ تذکرہ نگاروں کے بیانات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ حیاؔ عبدالقادر بیدل کے شاگرد تھے۔ انہیں کی فیض صحبت نے ان کی شاعری کو جلابخشی جس کا اقرار وہ خود اپنے اس شعر سے کرتے ہیں:

تاسواد چشم من روشن شود از نور حیاؔ
صفحہ نقش قدم تعلیم استاد منست^۳۲۵^

حیاؔ نہ صرف شاعری میں بلند طبع تھے بلکہ نثر میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اپنی علمی استعداد کی وجہ سے ان کی نثر میں ایک طرح کی متانت و لطافت وسنجیدگی کا عنصر شامل ہے انہوں نے اپنے استاد کی کتاب چہار عنصر کی پیروی میں ایک کتاب "گلگشت بہار ارم" لکھی۔ اس کتاب میں سیر برج جو متھرا اور بندرابن کے نواحی علاقے میں ہے اور ہندوؤں کے مشہور اوتار کرشن جی کی جائے پیدائش ہے کی خصوصیات اور احوال وکوائف بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب فارسی نثر کی ایک عمدہ اور بہترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ خوشگو بھی اس

کتاب کے مطالعے سے محظوظ ہوئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"نثری دارد بطرز چهار عنصر مرزای مغفور مسمیٰ به گلگشت بهارارم دربیان کیفیت سیر برج که نواح متهرا و بندرابن باشد و تفصیل خصوصیات آن جادر مشرب هنود مولد و ماوی کرشن اوتار که مظهرا سم صفات نامتناهی است۔ قراردارند۔ فقیر از مطالعه آن خیلی محظوظ شدم۔"۳۲۶ے

تذکرہ گل رعنا میں شفیق کا بیان ہے:

"نثری دارد بطور نثر 'چهار عنصر' میرزا ئی مذکور مسمی به 'گلگشت بهارارم' دربیان کیفیت برج که عبارت از نواحی متهرا و بندرابن است۔"۳۲۷ے

مولف صحف ابراہیم رقم طراز ہیں:

"بتقلید طرز استاد نثری موسوم به گلگشت ارم در بیان متهرا و بندرابن نوشته۔" ۳۲۸ے

حیا اکبرآباد میں ۱۱۴۴ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر چالیس بیالیس سال کی ہوگی۔ مختلف تذکرہ نگاروں کے بیان سے حیا کی تاریخ وفات صحیح و مستند مانی جاتی ہے۔

خوشگو لکھتے ہیں:

"...... دراکبرآباد بسال هزار و صد و چهل و چهار به اجل طبعی در عمر چهل و چند سالگی دامن برین خاکدان افشاند۔"۳۲۹ے

تذکرہ گل رعنا میں شفیق تاریخ وفات اس طرح لکھتے ہیں:

"در سنه اربع واربعین و مایته الف جامه

گذاشته۔"۳۳۰

نتائج الافکار کے مولف نے بھی یہی تاریخ وفات لکھا ہے:

"آخر الامر در عمر چهل و چند سالگی در اکبر آباد ۱۱٤٤ھ اربع و اربعین ومائته والف در گذشت۔" ۳۳۱

صبح گلشن کے مولف حیا کی تاریخ وفات کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"در سنه اربع واربعین ومایته الف جامه گذاشته۔"۳۳۲

خوشگو جو خود بھی شاعر تھے ان کی شاعری کی محفلوں میں شعراء کی ایک بڑی تعداد موجود رہتی تھی۔ حیا کی شاعری کے وہ بھی مداح تھے۔ حیا سے اپنی ملاقات کا ذکر وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"وقتی که فقیر خوشگو به ویرانۂ خود مجمع شعراء وضیافت آنها مقرر کرده بود۔ رقعه به مهر خان صاحب آرزو بدست آورده به طلب ایشان رفتم۔ اول وضع درویشی فقیر استغنا کرد بعد از انکه رقعه خوانده احوال پرس گردید۔ چون پدر فقیر با پدرایشان در لشکر عالمگیری بسیارارتباط داشته از خود نشان دادم برخاست ویغلگیر شده سلوکها بجا آورد و گفت اول از اشعار خود ضیافت طبع می نمائید بعد از ان حرف ضیافت درمیان آید۔" ۳۳۳

مذکورہ بالا بیان سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دونوں میں کس درجہ محبت تھی۔ حیا بہت بلند افکار، برجستہ گو کلام شاعر تھے۔ جب خوشگو نے ان کی محفل میں اپنی اصلاح شدہ تازہ غزل پڑھی تو انہوں نے اصلاح کی۔ وہ غزل معنی یاب خان اور دوسرے صاحب علم او ربڑے لوگوں کے سامنے سنائی۔ سب نے اس کی ستائش کی اور چونکہ کلام تازہ تھا لہٰذا حسن

مطلع اور مقطع سے لوگ محظوظ ہوئے۔ چنانچہ تین بیت لکھے:

"همان روز غزلی گفته به نظر استاد گذراینده بشرف صادر رسانیده بود و پیش معنی یاب خان شاعر و دیگر بزرگان این فن خوانده بودم و همه جا قبول یافته بود. چون تازه بود بر خواندم از حسن مطلع و مقطع خیلی محظوظ شده گرفت چنانچه سه بیت قلمی می گردد۔"[۳۳۴]

مذکورغزل کے تین شعر ملاحظہ ہو:

کجا بانرگسی پهلو زند چشم سخن گویش — هلالی خط به بینی می کشد درپیش ابرویش

برای صحبت خوبان سکندر طالعی باید — مگر آئینه بنشیند دمی زانو بزانویش

مگر ذوق سخندانی بیاداو دهد نامم — تو ای قاصد بتقریبی بخوان مقطع زخوشگویش

خوشگو لکھتا ہے کہ "حیا" نے مطلع میں مداخلت کی اور کہا کہ عبارت برعکس باندھی گئی ہے۔ شعر الٹا کہا گیا ہے اور اس صورت میں "پہلو زند چشم" کہنا گویا نرگسی چشم کی ہجو ہے نہ کہ تعریف جس سے شاعر کی مراد ہے۔ میں نے (خوشگو) سنا اور خاموش ہوگیا۔ دوسرے روز انہوں نے اپنے استاد سے اصلاح میں لاپرواہی کا گلا کیا۔ انہوں نے فرمایا اگر چہ ہم کجا کے معنی ہر کجا فرض کرلیں کہ جو قدماء کا عام قاعدہ ہے لیکن یہ صریحاً سینہ زوری ہے۔ درست وہ ہے کہ جو حیا کہتے ہیں اور وہ بشریت کے تقاضے سے میری نظر میں نہیں آیا۔ خوشگو لکھتا ہے کہ میں نے اس کو اس طرح درست کیا:

"فقیر آن را چنین درست کردم ع

زند کی نرگسی پهلو به چشمان سخن گویش"[۳۳۵]

حیا شاعری کے دلدادہ تھے۔ ہم عصر شعراء کی محفلوں میں اپنا کلام سناتے اور دوسرے شعراء کی اصلاح بھی کرتے چونکہ وہ میرزا عبدالقادر بیدل کے شاگرد تھے اس لیے ان کے طرز خیال کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان کی شاعری میں فن کی گہرائی پائی جاتی ہے۔ حیا

کی شاعری غزل کی شاعری ہے کلام میں سادگی اور روانی ہے۔ سوز و گداز، کیف و سرمستی اور سیدھے سادے عاشقانہ جذبات کی ترجمانی ہے۔ صنعتوں کی نشست و برخاست کلام کے رنگ کو دوبالا کردیتی ہے۔

حیا نے فارسی زبان میں غزلیات و قصائد و رباعیات پر مشتمل دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ جس کا ایک نسخہ رام پور رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے۔ تذکرہ نگاروں نے بھی حیا کے منتخب و پسندیدہ اشعار کو اپنے تذکروں میں جگہ دی ہے۔ ان اشعار کی روشنی میں ہم ان کے شاعرانہ وصف و کمال سے بحث کرتے ہیں۔

حیا کی شاعرانہ خوبیوں سے متاثر ہو کر متعدد تذکرہ نگاروں نے ان کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

ہمیشہ بہار کے مولف رقم طراز ہیں:

"مشق شعر درست داشت و دیوانی نیز ترتیب داد۔"[۳۳۶]

مقالات الشعراء کے مولف لکھتے ہیں:

"شعرش از انشاء دلچسپ و رنگین ترو نثر از نظم خوش نما دل نشین تراست باوصف علم و قابلیت جاه و ثروت نیز بوده. دیوانش که قریب چهار هزار بیت خواهد بود۔"[۳۳۷]

تذکرہ گلِ رعنا میں شفیق کا بیان ہے:

"اشعار خوب بسیار گفته و بالای اشعار خود الحیاء من الایمان می نوشت۔"[۳۳۸]

سفینۂ ہندی کے مولف رقم طراز ہیں:

"در نظم و نثر دست گاهی داشت. صاحب جاه و ثروت بود ...... دیوانش چهار هزار بیت خواهد بود۔"[۳۳۹]

نتائج الافکار کے مولف لکھتے ہیں:

"حیا صاحب طبع سلیم و فکر مستقیم بود۔ در مراقبت نظم از قرن گوی سبقت ربوده۔ مشق سخن میرزا بیدل میگذرانید۔" ۳۴۰

تذکرہ صبح گلشن کے خیال میں:

"حیاؔ بحسن خلق و مروت و همت و علم و حیا و رنگینی مزاج و موزونی طبع متصف بود۔ و مشق شعرو سخن از میرزا عبدالقادر بیدل می خود۔" ۳۴۱

حیاؔ نے بھی اپنے ہم عصر شعراء کی شاعری کی روایت کو برقرار رکھا۔ کلام میں سادگی اور روانی ہے۔ خیال کی پرواز اور قوت فکر کے ساتھ کلام میں عشق و سرمستی کے جذبات و معاملات کمال خوبی سے بیان کرتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں شگفتگی و رعنائی و سرمستی ہے:

بیاد چشم تو داریم می پرستیها
رسانده ایم بگردون دماغ مستیها ۳۴۲

عشق میں ناکامی و نامرادی کے بعد کہتے ہیں کہ ان کے عشق کا مداوا ممکن نہیں ہے وہ معشوق کی کج ادائیوں سے مایوس ہو کر اپنی بدبختی، تیرہ روزی اور غم زدہ جذبات و احساسات کو شعر کی زبان میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

کجا علاج یذیر است تیره روزی عاشق
چو داغ لاله گلیمش زخون سیاه برآید ۳۴۳

لیکن دوسری جگہ کہتے ہیں:

دل اگر سخت است نرمش از گدازعشق کن
زنیهار ای بی خبر کین سنگ مینلکردنی است ۳۴۴

حیا کی شاعری عشقیہ جذبات اور جوش و ولولہ سے پر ہے۔ وہ اپنے جذبات کا برملا اظہار شعر کی زبان میں کر دیتے ہیں۔ محبوب کی کج ادائیوں اور بے رخی کے باوجود وہ اس

کے دلدادہ ہیں۔ اس کے دیئے ہوئے زخموں کو نعمت اور اس کی دید سے فرحت محسوس کرتے ہیں:

ای چشم تو سرمۂ نظرها — لعلت یا قوتی جگرها
در سایه داغ تست سرها — پروردۂ نعمت جگر ها
رفتی وبه سوئی من نه دیدی — چشم از تو نبود این قدرها
خوش آمدی از کجا بپرسم — ای باد صبا بگو خبرها
آئین سبو کشی برافتاد — آتش بدکان شیشه گرها [۳۲۵]

دوسری جگہ وہ محبوب کے پیکر اور اس کے جلوہ کی تعریف کرتے ہیں۔ محبوب کے فراق میں اپنے جذبات کو ضبط تحریر میں لانے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ ان کی کیفیت بسمل کی سی نظر آتی ہے:

از فیض بهاراست چمن پیکر طاؤس — بلبل عجبی نیست برآرد پر طاؤس
از جلوه گهت بال فشان است غباری — آب غرق شرم گذشت از سر طاؤس
نیرنگ فراق توز تحریر برون بود — پیچیده سپردیم بقاصد پر طاؤس
از نشه معنی چه خبر بوالهوسان را — یکقطرۂ می نیست بصد ساغر طاؤس
کیفیت بسمل گهه آنجلوه چه پرسی — طاؤس فتاده است حیا برسر طاؤس [۳۲۶]

حیا کہتے ہیں کہ محبوب کے تغافل کا جو غم ہے وہ دل کو اور سو سال پیچھے لے جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب محبوب کی نگاہوں سے نگاہیں ملیں تو میں خود نہیں بتا سکتا کہ اس کی آنکھوں میں کیا بے کسی کیا عذر ظاہر ہوتا ہے:

غم تغافل صد ساله می برد دل مارا
حیا نگاه زچشمش چه عذر خواه برآید [۳۲۷]

محبوب کی کمر اور ابرو کو کس دلفریبی سے بیان کرتے ہیں:

نگاه من براه انتظار کیست حیرانم — که چشم من بهم چون دیدۂ روزن نمی آید
بوصف آن کمر چون موی آتش دیده در تلم — دلم خون کرد مضمونی که در بستن نمی آید

زند از می نه حرفی نی نگه نی جنبش ابرو هنوزش ازحیا آئین دل برون نمی آید۳۴۸

حیا نے بھی متقدمین شعراء کی طرح غزل میں زیادہ تر عشق و عاشقی کے جذبات کے علاوہ شراب، دنیا کی بے ثباتی، وحدۃ الوجود، فلک کی کج ادائی، واعظوں زاہدوں کی پردہ دری کے ضمن میں اشعار کہے ہیں۔ ان کی کلام میں جابجا شراب ومی کی رندانہ مضامین آزادی اور جوش کے ساتھ نظر آتے ہیں۔شراب کے بارے میں کہتے ہیں کہ ساقی کے دن بدن بڑھتے ہوئے حسن میں ایک نئی چمک اور روشنی ہے۔اس میخانہ میں جمعہ کی شب ساقی کا رنگ ہی انوکھا ہوتا ہے:

حسن روز افزون ساقی را فروغی دیگر است
هست در میخانه ام رنگی شب آدینه را ۳۴۹

وہ وحدۃ الوجود کے قائل ہے۔انسان چاہے بت خانے میں جائے یا حرم میں اس کا مقصد ذات خداوندی کی قربت ہے۔وہ اپنی مراد صرف اسی وجود سے پوری کراتا ہے:

می برد دیر و حرم از تو دل دیوانه را
طرح صحبت باد و شمع افتاد یك پروانه را۳۵۰

دنیا ایک سرائے ہے لیکن انسان کی ہوس دنیا کی رنگینیوں کو دیکھ کر دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔اسے یہ نہیں معلوم کہ اس کا حاصل دنیا سے ایک نہ ایک دن رخصتی ہے:

جز درد داغ حاصل انسان چه بوده است
در خاك و خون نشاند فلك این نهال را۳۵۱

پھر کہتے ہیں:

علاج درد سر عدم رانکرده جام شراب هستی
کسی در انجمن ندیدم شکسته باشد خمار خودرا۳۵۲

جس طرح پرانی شراب سے نشہ دوبالا ہوجاتا ہے اسی طرح انسان بھی دنیا کے لالچ میں دن بدن اپنی ہوس کو ہوا دے رہا ہے۔یعنی اس کی خواہشات میں ہر لمحہ ترقی ہورہی ہے:

حرص دنیا می شود در موسم پیری فزون

نشه می گردد دو بالا بادۂ پارینه را۳۵۳؎

می شوی ایمن چو از دل حرص دنیا می رود
تا سبو خالی بود بر روئی دریا می رود۳۵۴؎

حیا اپنے اعمال دنیا پر شرمندہ ہیں۔ کہتے ہیں:

در جهان شرمنده دارد یاد اعمال خودم
می کنم امروز کاری را که فردا کردنی است۳۵۵؎

کہیں کہیں وہ اپنے کلام پر بھی ناز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

هر آه و ناله من موزونی حیا داشت
دیدیم این غزل را هر بیتش انتخاب است۳۵۶؎

بیا بناز و مترس از زبان بد گویان
حدیث لطف تو بامن که اعتبار کند ۳۵۷؎

حیا کو اپنی شاعری پر فخر ہے۔ کہتے ہیں کہ میرا شہرہ ہندوستان سے باہر عراق اور عرب تک ہے:

عاقبت شهره اشعار حیا
از عراق و عربی می گذرد۳۵۸؎

حیا اپنے عہد کے عارفوں اور زاہدوں پر طنز کرتے ہیں:

دانه در دانه تسبیح تو در دام بلاست
زاهد از ساده دلی لاف توکل دارد ۳۵۹؎

پشیمان عاقبت زاهد باین دستار می گردد
بروز حشر سر برداشتن دشوار می گردد۳۶۰؎

فارسی شاعری میں شعراء نے عام طور پر دنیا میں ہونے والے ظلم وستم اور ناانصافی کے لئے فلک کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ حیا بھی گردش روزگار کو چرخ کی ہی حیلہ سازی مانتے ہیں:

چرخ ناتوان گفت از احوال کس آگاه نیست
خویش را از حیله سازی کرده این مکار گر ۳۶۱؎

دوسری جگہ کہتے ہیں:

تنگ چشنمانست یکسر در بساط چرخ و بس
دانه چون اختر نریزدرخنه غربال او ۳۶۲؎

وہ لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو لوگ غریبوں مسکینوں کی صدا پر اپنے کانوں کو بند رکھتے ہیں ان کی امید کے گلشن میں کبھی بہار نہیں آئے گی:

آن شخص که گوش خود از آواز گدابست
در گلشن امید ره باد صبا بست ۳۶۳؎

دنیا سے بے تعلقی میری آگاہی کا سبب بن گئی ہے۔ اگرچہ میری آنکھیں بند ہیں لیکن میرا دل روشن ہوگیا ہے:

غفلت ز جهان باعث آگاهی من شد
واگشت بزدیم دردل چون مژه هابست ۳۶۴؎

حیا اپنی پریشانی اور مصروفیات کو بیان کرتے ہیں کہ ان کے شب و روز کس طرح گردش دوران میں بسر ہوئے اور سکون نصیب نہیں ہوا۔ وہ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ان کا دل اس طرح دنیا کی چیزوں کو چھوڑ کر اس طرف لگ جائے کہ وہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی اور طرف نہ دیکھے:

رفت عمر ویك نظر فرصت نصیب دل نشد — روزها آمد بسر در غفلت وشبها بخواب
کاش دلها اینقدر ها باخدا بنددکسی — غیر از منعم نه بیند چیز دیگر را بخواب ۳۶۵؎

وہ قدماء کی طرز پر بے ثباتی عالم اور آسمان کی کج ادائیوں پر شکوہ کرتے ہیں:

در گور بعد مردنش آید مگر به کار — منعم بریز خاك نهان کرده مال را
نبودزآه سوختگان بردلی اثر — خط پائدار نیست بکاغذ زگال را
جز درد وداغ حاصل انسان چه بوده است — در خاك و خون نشاند فلك این نهال را

در شهد چون فتاد مگس حالتش مپرس　　　بر لعل یار قافیه تنگ است خال را۳۶۶؎

حیا نے چھوٹی چھوٹی بحر میں بھی غزلیں کہی ہیں۔ مشکل مضامین کو سادہ اور عام فہم الفاظ میں بھی بیان کیا ہے۔ وہ تصوف و معرفت کے مضامین کیف و سرور کے ساتھ نظم کرتے ہیں۔ ان کے خیالات پاکیزہ اور زبان سادہ ہے:

وحدۃ الوجود کے وہ قائل ہیں۔ خدا کا جلوہ انہیں ہر زرہ میں نظر آتا ہے:

اگر برق تجلی رونماید　　　همان یك جلوه از هر سو نماید
بچشم می پرستان بر لب جو　　　صراحی سبزه خودرونماید
چنان شد سر نوشت شمع روشن　　　که در آئینه زانو نماید
زسیلاب سر شکم حالت دل　　　سواد دیده آهو نماید
زسیلاب سر شکم حالت دل　　　چو عکس گل ز آب جو نماید
بزم وارستگان را حلقه بزم　　　کمند وحدت زانو نماید۳۶۷؎

حیا نے شاعری میں نہ صرف غزلیات پر طبع آزمائی کی ہے بلکہ رباعیات میں بھی مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔

دہلی ان کی نظر میں رنگا رنگ پھولوں سے پر گلشن ہے۔ اور یہاں کے خار بھی گلوں سے کم نہیں ہے۔ ان کی تعریف و توصیف میں کہتے ہیں:

دهلی که بهر گوشه او گلذاراست　　　در توصیفش زبان من طوما راست
تعریف گلشن که میتواند کردن　　　دامنگیر است اگر در اینجا خاراست۳۶۸؎

زندگی کا ہر باب ایک تاریخ ہے۔ لوگوں کی یادیں مرنے کے بعد بھی تاریخ کا ایک حصہ بن جاتی ہیں۔ تاریخ کی اہمیت کو حیا نے کس قدر دلکش انداز میں رباعی میں پیش کیا ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں:

دیدم بسیار فصل وباب تاریخ　　　کردم بتامل انتخاب تاریخ
یادی از مردهای صدساله دهد　　　فرستانیست هر کتاب تاریخ ۳۶۹؎

گنگا جمنا کے پانی اور اس کی موجوں کے بارے میں حیا اپنی اس رباعی میں کہتے

ہیں کہ:

آب گنگا دوری دود هر دل موجش ناخن بعقده های مشکل
با اینهمه حقر حلقه گردابش از غریق بحر غفلت ساحل

جمنا که عیاں است صفا آرایش کیفیت تازه ایست و مهتابش
موجش سر رشته که می تابد قلاب آب است حلقه گردابش ۳۷۰؎

بقول حیا دنیا کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ ہر زرہ میں اسی کی ذات چھپی ہوئی ہے۔ اس کا فیض و کرم ہر کام کی کلید ہے:

ایذات همه صفات تو مظهر فیض هر صیغه فعل و حرف تو مصدر فیض
از بهر گشاد کار مردم دادند از جامه بدست توکلید در فیض ۳۷۱؎

حیا کی شاعری میں جہاں ایک طرف علم و عرفان کا پرتو نظر آتا ہے وہیں دوسری طرف ان کے بعض اشعار میں دنیاوی عیش و عشرت اور بادہ و جام کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ انہوں نے اگر شراب سے توبہ کی ہے تو اس شرط پر کہ ماہ تاب جلوہ گر نہ ہو:

ابراگر باشد و شراب نباشد بدترازین در جهان عذاب نباشد
توبه زمی کرده ام به گفته ناصح لیك بشرطی که ماه تاب نباشد ۳۷۲؎

دوسری جگہ کہتے ہیں:

جوش گلست و سازو صهبا رسیده است ساقی چو شیشه در بغل مارسیده است
یك زخم تیغ در تن من همچو موج آب هر جا رسیده در هه اعضاء رسیده است ۳۷۳؎

حیا نے خان راسخ بہادر کے عمارت تعمیر کرنے پر ایک قصیدہ لکھا جس میں انہوں نے ان کی ہمت و بہادری اور ان کے رفاہ عام کے کاموں کی تعریف و توصیف کی ہے۔ ان کے اس قصیدے کے اشعار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے جب خاص و عام کے فائدے کے لئے عمارتیں تعمیر کیں تو اس میں انہوں نے اس کی تاریخ بنا ۱۱۴۲ھ لکھی ہے:

خان راسخ بهادر و فیاض کرد طرح عمارت حمام

همت عالیش تقاضا کرد | که شوِد منتفع چه خاص و عام
وقف برآشنا و بیگانه | گفت حمام فیض عام دوام ۱۱۴۲ ۳۷۴ے

حیاؔ نے ایک اور قصیدہ نواب دلاور جنگ کی مدح میں لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے ان کی شجاعت، دلیری اور بلند اقبالی کی تعریف کی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کی شمشیر کی آب و تاب کی تعریف کرتے ہیں:

دلاور جنگ نواب فلك قدر | امیران دگر اختر توی بدر
شجاعت از جبین تو نمایان | برنگ و پر تو خورشید تابان
چۂ شمشیر آبروی آتش برق | چه موج خون بخون دشمنان غرق
سخن در وصف او شد معذرت خواه | تکلف بر طرف هم قصه کوتاه
گرامی تیغ نواب جوانمرد | بجوی شاه آب رفته آورد ۳۷۵ے

حیاؔ کے کلام میں ایک خاص قسم کی خوشگواری پائی جاتی ہے۔ ان کا کلام دل کشی اور تاثیر کا مرقع ہے۔ مضامین ایسے ہیں جو مدتوں سے بندھتے آئے ہیں اور جن میں کوئی دلفریبی نہیں ہوتی۔ حیاؔ نے جدت ادا سے ان کو نہایت دلآویز اور لطیف کر دیا ہے۔ کلام میں جو جذبات اور خیالات ہیں وہ خود ان کے واردات و حالات ہیں۔ اس لیے وہ ان کو جوش کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والے مسحور ہو جاتے ہیں۔

لالہ امانت رائے امانت

لالہ امانت رائے امانت کا شمار بارہویں صدی ہجری کے مشہور و معروف غیر مسلم فارسی شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کی اکثر تصنیفات مذہبیات اور تصوف سے متعلق ہیں۔ امانت نے شاعری میں عبدالقادر بیدل سے زانوئے تلمذ طے کیا تھا اور سراج الدین علی خان آرزو سے بھی ارادت و عقیدت رکھتے تھے۔ تذکرہ باغ معانی کے مولف لکھتے ہیں:

"امانت از هنود شاگرد مرزا عبدالقادر بیدل بود ، خان آرزو نوشته که دعویٰ تلمذ به فقیر نیز دارد."[۳۷۶]

امانت کا وطن لعل پور تھا۔ وہاں کے مشہور کھتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جیسا کہ وہ خود سری بھاگوت گیتا میں اپنے ماجرای سرگذشت میں اپنے وطن لعل پور کی تعریف کرتے ہیں۔ وہاں کی ہر چیز ان کو عزیز ہے۔ اسی لئے وہ اس کو مثل فردوس کہتے ہیں:

زمین لعل پور مسکن من	که خاکش بود چون آئینه روشن
زهی شهری که صد فردوس جنت	بود شرمندهٔ او از لطافت
به پیرامونش از هر سونمودار	برنگ چار عنصر چار دیوار
گلستان خاك راه کو چهایش	ارم يك کوچه تنگ از فضایش
زمینش از هجوم حسن مردم	بخوبی بود چون گردون پرانجم
ببازارش متاع فیض ارزان	زجنس فیض مالا مال دکان
سرشته مردمش ز آب و گل نور	چو فردوس برین هر خانه معمور[۳۷۷]

امانت کی زندگی لعل پور میں سکون و آرام سے بسر ہو رہی تھی کہ اچانک غم روزگار اور غم دوراں نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور وہ شہر بلائے ناگہانی اور آفات کی زد میں آ گیا۔ سیلاب نے اس شہر کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا اور زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی لوگ اس

قدر پریشان خاطر اور بدحال ہوئے کہ وہاں زندگی گذارنا دشوار ہو گیا۔ امانت اس شہر کی بربادی پر اپنے دلی جذبات اور درد کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

زآشوب بلای ناگھانی — رسیدش چشم زخم آسمانی
بنای او به سیلاب فنارفت — زدست فتنه دیوارش زجارفت
زبس سیل بلا آورد طوفان — بدریا غرق شد یکسر چویونان
شد از بس کشتی اوقات پاره — همه رفتند در فکر کناره
چو موج احوال هر کس شد پریشان — بغم شستند دست از جان
همه مردم بطرفی آرمیدند — بهرجابرد سبیل غم رسیدند
بگر داب فنا خلقی در افتاد — حباب آسابسی سررفت برباد
حوادث عالمی را کر د پا مال — بطوفان کشتیم بود اندران حال ۳۷۸

امانت حالات سے پریشان ہو کر لاچاری کے عالم میں اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر دہلی آ گئے۔ جہاں انہیں انت رام جیسے عالم فاضل استاد کی سرپرستی اور پدرانہ شفقت و محبت حاصل ہوئی اور جو زخم اس شہر کی بربادی نے ان کو دیئے تھے وہ بھی مندمل ہونے لگے۔ امانت نے اپنے دہلی آنے اور دوران قیام شفیق استاد کی مہربانی کو نظم میں اس طرح بیان کیا ہے:

مرا افتاد در دهلی گذاری — رهای یافتم زان وسطه باری
به خورشیدی غریبی سوختم من — پدرشد برسرمن سایه افگن
چونان در زیر ظل لطف جاداد — که رنج آن تپ و تابم شدازیاد
بسر بردم بخوبی روزگاری — نیامد بعد ازین بردل غباری
زهر علم و ادب تعلیم او داد — مرا او هم پدر بود ادستاد
زصاف راز حق لبریز جامش — جهان خوانده بنام انت رامش ۳۷۹

دہلی آنے کے بعد امانت نے استاد کے زیر سایہ دنیاوی اور دینوی دونوں علم حاصل کئے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ جب انہیں معاش کی فکر لاحق ہوئی تو نواب علی امجد

خان کوکہ کے ہاں منشی گیری پر مامور ہو گئے۔ نواب صاحب نے بھی ان کی قدر و منزلت کی اور ان کی علمیت کو سراہا۔ اسی بنا پر وہ تقریباً بیس سال تک ان کے یہاں ملازمت کرتے رہے۔ نواب صاحب کے احسانات، قدردانی اور ان کے فیض کرم کو امانت نے یوں شعری جامہ پہنایا ہے:

به صاحب دولتی گشتم شناسا — که قدراو زگردون است بالا
به فیض و کرمت یکتای آفاق — به احسان و کرامت درجهان طاق
شکوه اقرای نورانی و خانی — علی امجد محیط قدردانی
کنون در خدمنش از بست سالم — بباغ دولت از فیضش نهالم۳۸۰

امانت کے استاد انت رام نے ان کی دیکھ بھال بہت ہی ناز و نعم سے کی اور ہر طرح سے ان کا خیال رکھا۔ دنیا کی نعمت سے جب ان کا دل بھر گیا اور تمام دنیاوی علوم حاصل کر لئے تو ان کا رجحان علم عرفان کی طرف ہوا۔ استاد کی روحانی تربیت سے جب انہیں آگاہی حاصل ہوئی تو توحید کے کوچہ میں داخل ہو گئے۔ ان کے اشعار بھی ان کے اس رجحان طبع کی عکاسی کرتے ہیں:

به ناز و نعمتم پرورده او کرد — زهر چیز جهان بی آرز کرد
زهر نعمت دردل شد تمنا — هماندم کرد بهرمن جهیا
چگویم شکر لطف آن کرمِ کار — که افزون از قیاس ست و از احصار
حه لطف ظاهرش از حد فزون شد — بعلم باطنم هم رهنمون خویش
زدنیا و ز ما فیهما گذشتم — مقیم کوچهٔ توحید گشتم۳۸۱

امانت کی تصانیف میں منظوم ترجمہ، سری بھاگوت، منظوم ترجمہ رامائن اور ایک مثنوی نایک وغیرہ کہی جاتی ہے۔ ایک دیوان بھی ترتیب دیا تھا جیسا کہ باغ معانی کے مولف رقمطراز ہیں:

"کتب هندی مسبوط را در فارسی نظم کرده و دیوان ضخیم ترتیب داده از موزونان صاحب طبع بود۔" ۳۸۲

امانتؔ کا دیوان تو مفقود ہے لیکن تذکرہ نشترعشق، تذکرہ حسینی اور تذکرہ باغ معانی میں ان کے کچھ متفرق اشعار ملتے ہیں جو تصوف کی طرف ان کے رجحان اور ان کے میلان طبع کی عکاسی کرتے ہیں۔ نمونے کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

تذکرہ حسینی میں امانت کے یہ اشعار ملتے ہیں:

تاکرد از ین شهر کنها شب گیر
از ماجز بیکسی نیامد تدبیر

گوپی و گوال در ره اوست هنوز
استاده بجائی خود چوبزم تصویر

راست کیشان راغمی از انقلاب دهرنیست
در نگین حرف الف از راستی وا ژون نشد

بسکه خون در جگر از دست نگاری دارم
در دل خود چوحنا جوش بهاری دارم

درتمنائی تو ای سروردان برلب جو
همچو ساحل تهی از خویش کناری دارم

دل پرسوز خود از سینه گربیرون براندازم
درون خرمن آرام مردم اخگر اندازم[۳۸۳]

صاحب نشترعشق نے امانت کے ان اشعار کو اپنے تذکرہ میں جگہ دی:

نمی گردد بکند از خاک هم گرد مزارما
که بنشیند مبادا بردل خوبان غبار ما

خاک برسرمی کنیم از روزگار ما مپرس
گردبا دیم از عروج و اعتبار ماپرس ۳۸۴؎

تذکرہ باغ معانی میں امانت کے یہ اشعار درج ہیں:

راست باز انراغمی از انقلاب دهرنیست
در نگین حرف الف از راستی واژون نشد

نمی گرددبلند از بادهم خاک مزار ما
که بنشیند مبادا در دل خوبان غبارما

گردباد سرمه خیز د بعد مرگ از خاک ما
خاکسار گردش آن چشم جادویم ما

خاک برسرمیکنیم از روزگار ماپرس
گرد بادیم از عروج و اعتبار ماپرس ۳۸۵؎

سفینہ ہندی کے مولف نے بھی یہ ہی اشعار نقل کئے ہیں۔

امانت کی تصانیف میں سری بھاگوت کا جومنظوم ترجمہ ہماری دسترس میں ہے اس کے مطالعے سے ہم یہ بات بخوبی کہہ سکتے ہیں کہ امانت کی شاعری کی بنیاد تصوف ہے۔ ان کا رجحان وحدانیت کی طرف مائل تھا کیونکہ ان کی شاعری میں ہندوستانی تصور اور بھگتی تحریک کے اثرات کی جھلک نمایاں طور سے نظر آتی ہے انہیں تحریکات کے زیر اثر انہوں نے بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ بہت ہی محنت و کاوش سے کیا ہے۔ وہ اپنا دیوان بہت ہی عجلت میں ختم کرکے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور جیسا کہ تذکرہ حسینی کے مولف کا بیان اس بات کی پرزور تائید کرتا ہے۔ امانت کہتے ہیں کہ:

"دیدم که درتاریکی شاد حسین دیوانه رقص می کند
دسته بسته بادب باستادم. او در عین وجد بمن آورده

گفت برو دریای لعل و گوهر و زچشمه دره ثابت خواهد جو
شد و همچنان شد که دیوان در کم پایه فرصت باتمام
رسید و سری بهاگوت تمام نایکابهید وغیره از هندی در
پارسی سلك نظم کشیده شد۔"۳۸۶

سری بھاگوت ہندوؤں کی ایک مشہور ومعروف مذہبی کتاب ہے جو اصل سنسکرت زبان میں لکھی گئی ہے۔ اولین بار فارسی زبان میں اکبر کے عہد میں اس کا ترجمہ فیضی نے کیا۔ امانت کا یہ منظوم ترجمہ ادبیات فارسی میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے متعدد ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ یہ ایک فلسفیانہ اور مذہبی گیت ہے۔ سنسکرت ادب میں ہندوستان کی سب سے مشہور نظم ہے۔ ہندوؤں کے تقریباً تمام فرقوں میں اس کو سب سے زیادہ مقدس مانا جاتا ہے اور ہزاروں سال بعد بھی اس کی قدر و قیمت اور اہمیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ اس کتاب کے اعلیٰ فلسفیانہ خیالات دوسری زبانوں کے ادب سے اس کو ممتاز کرتے ہیں۔ اس کتاب کی حیثیت الہامی نہیں بلکہ روایتی ہے۔ سری بھاگوت کا پیغام سادہ ہے اور اس کی تعلیمات امیر غریب سب کے لیے یکساں ہیں اور سب کو عمل کرنے کی تلقین کرتی ہیں۔ اس کا مصنف عمیق وسیع نظر کا حامل ہے اس کا نقطہ نظر تنقیدی نہیں ہے۔ وہ کسی خاص جماعت یا فرقہ کو مخاطب نہیں کرتا بلکہ اس کا پیغام آفاقی ہے اور عوام الناس کے لئے ہے۔

بھگوت گیتا کا مطالعہ غایر نظروں سے کیا جائے تو یہ کتاب ہندوؤں کی دوسری مذہبی کتابوں سے بالکل مختلف نظر آئے گی۔ اس کا مصنف اپنے زمانے کے کم وبیش تمام مذہبی فلسفیانہ نظریوں سے متاثر نظر آتا ہے۔ اور اس کا نقطہ نظر بھی قدامت پسندانہ ہے۔ اس کتاب میں سات سو منتر ہیں۔ یہ مہابھارت کا سب سے اہم حصہ ہے۔

سری بھگوت کے لغوی معنی خدا کی حمد کے ہیں۔ اس کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ یہ اس طرح منظوم لکھی گئی ہے کہ شروع سے آخر تک کرشن جی اور ارجن کی گفتگو معلوم ہوتی ہے۔ دراصل یہ تمام نظم ایک علم کشف کے جاننے والے سنجئے کی زبانی بیان کی گئی ہے جو

دھرت راشٹر کو میدان جنگ کے واقعات اپنی ہتھیلی میں دیکھ کر بتا رہا ہے۔ امانت نے بھی اس کا منظوم ترجمہ کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ نظم سے نظم میں ترجمہ کرتے وقت اس کی اصل روح مفہوم و معنی اور واقعات پر زبان اثر انداز نہ ہو۔ انہوں نے بہت ہی موثر زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔

سری بھاگوت ان ہدایتوں کا مجموعہ ہے جب کہ کروشیتر کی جنگ میں ارجن نے سلطنت حاصل کرنے کے لیے انسانوں کا ناحق خون بہانے سے انکار کیا تب کرشن جی نے ہدایات کیں۔ ان ہدایتوں میں حق اور انصاف کی خاطر جنگ کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ پورے موضوع میں انسان کو عملی زندگی کا پیغام دیا ہے۔

امانت کا یہ منظوم ترجمہ فارسی ادب میں اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے یہ منظوم رزمیہ داستان فارسی کے قدیم مثنوی نگاروں کی طرز پر لکھی ہے جیسا کہ اس زمانے میں عام قاعدہ تھا کہ مثنوی کسی بھی مذہب یا فرقے سے تعلق رکھتی ہو مثنوی نگار اصل قصہ نظم کرنے سے پہلے مثنوی کی ابتداء میں حمد و مناجات اور نعت و منقبت وغیرہ ضرور لکھتے تھے۔ اس کے بعد دیگر موضوعات کو جن کو وہ ضروری سمجھتے تھے نظم میں بیان کرتے تھے۔ امانت نے بھی یہ مذہبی رزمیہ داستان نظم کرنے میں قدماء کی روش کو بلالحاظ مذہب و ملت برقرار رکھا۔ وہ اس کی ابتداء حمد باری تعالٰی سے کرتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے وہ سری بھاگوت کی تعریف میں کہتے ہیں:

درین بتخانه هند این کتاب است — سوارش مشرق صد آفتاب است
بتی از هر طرف در جلوه ناز — برهمن پیشه ناقوس دمساز
تراگرهست ذوق بت پرستی — درین منزل درایی وهم هستی
دمی بنواز ناقوس فغانی — زعشق بت بیان کن داستانی
جبین کن صندل آلود غلامی — سوار در سر آزاد بدامی
شود آئینه ات صاف از کدورت — به بینی جلوه معنی زصورت
چو صورت آفرین رابینی از دور — سراپا یت شود چو مهر پرنور

شوی ممنون بت هر جاکه باشی — برای خویشتن صورت تراشی
اگر صورت پرستی یارمن باش — بحیرت آشنا در انجمن باش
سجودیت ترا گر دلنشین است — خدا در اعتقاد من همین است ۳۸۷

امانت توحید کے قائل تھے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے چشمۂ فیض پر ان کو یقین کامل تھا۔ اس لیے اس کی حمد و ثنا میں کہتے ہیں:

وصف نیرنگی آن ذات کندچوتحریر — چوشدازناله کلکم بدوعالم تاثیر
نام این نامه توحید ظهور کل است — چشمه فیض روان بهر صغیر است و کبیر
ثناهامالك کون و مکان را — نگهدارنده نه آسمان را
اگر افزون بتعداد صفاتست — برنگ نه عدد قائم نداشت
تفسیر رابذاتش نیست راهی — ندارد از متبدل اشتباهی
طلسم آرای صد رنگین خیالی — زخود آئینه داربی مثالی
بهار آرای گلزار تعین — از و پیدا گل و خار تعین
اگر گل از جمالش ترجمانست — و گر خاراست دروصفش زبانست
همه آفاق از مه تابماهی — بحسن قدرتش داردگواهی
اگر ماه است و گر مهر جهانتاب — بوداز جلوه او آسمان تاب
چمن را آب و رنگ از جلوهٔ او — بروآزادنی بخشد بگل بود
دل خود لاله کرداز سوز او داغ — به پیچ و تاب شوقش سنبل باغ ۳۸۸

امانت سری بھاگوت کو نامہ عرفان کہتے ہیں۔ اس کتاب کو ترجمہ کرنے کا مقصد اور اس کی افادیت اشعار میں بیان کرتے ہیں کہ میں اس داستان کی ابتداء اس طرح کر رہا ہوں:

ابتداء می کنم این نامه عرفان تاثیر
که سوادش بود آئینه مقصود پذیر ۳۸۹

سری بھاگوت فلسفہ علم و عرفان کا ایک نایاب مرقع ہے۔ امانت کے خیال میں عرفان کی روشنی سے ہی آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ اور اس کائنات میں عرفان کا جلوہ ہر جگہ نظر آتا ہے

اور اس کے نور سے کوئی بھی چیز خالی نہیں ہے۔ امانت نے اس مثنوی کے ابتدائی اشعار میں جو شعر لکھے ہیں اسے پڑھ کر مولانا کی مثنوی کی یاد آتی ہے مثال کے طور پر امانت کہتے ہیں:

ای رفیقان قصه نی بشنوید   ناله درد دل وی بشنوید ۳۹۰

مولانا کا یہ شعر

بشنو از نی چون حکایت می کند   وزجد ائیها شکایت می کند ۳۹۱

اس کے علاوہ انہوں نے جو متعدد اشعار فلسفہ وحدۃ الوجود کے اور علم وعرفان کے فلسفے کے بارے میں کہے ہیں وہ مثنوی مولانا روم سے بہت مشابہت رکھتے ہیں جیسے:

که از دل بشنود هرکس حکایت   برد پی تابان گنج هدایت
طلوع آفتاب اوج عرفان   بخشین می شود از مطلع جان
زعرفان جلوه تحقیق هرجا   شود در چشم حق بین جلوه فرما
به بیند خالي از نورش و جودی   بخودزان رو کند هر دم سجودی ۳۹۲

امانت نے اس کتاب کے باب سوم میں پانڈو کی گفتگو کو کمال خوبی سے نظم کیا ہے۔ اس میں عمل اور ترک دنیا کا فلسفہ 'کپل' جو ایک مشہور رشی ہیں کی زبانی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ وہ اسرار حقیقت اور رموز کائنات کو پانڈو سے اس طرح بیان کراتے ہیں کہ وہ فلسفہ اس کے دل میں اتر جاتا ہے۔ امانت نے اس کے موضوع کے بیان میں چار چاند لگا دیئے ہیں:

ادادان نگارستان معنی   کند آرایش ایوان معنی
که باما درزاسرار حقیقت   کپل سرکردگفتار حقیقت
تو پرسیدی زمن چون راه ارشاد   ترا رمز طریقت میدهم یاد
بعالم مهربانی نیست زین پیش   که کس بخشد خبر از ملت و کیش
نشانی بخشد از مقصود اصلی   نماید جلوهٔ معبود اصلی
ترا ای دت بهوت معرفت جو   نماید شاهد ملك بقا دو
نباشد در نجاتت اشتباهی   که داری در عبادت دستگاهی

هزاران سال از توفیق همت شدی مشغول در کسب عبادت
گرفتم در شبستانت ‌من اوتار زدیوار و درت خورشید انوار
ده سر منزل تحقیق عرفان نمیگردد بجز لطف من آسان
چنان تعلیم عرفانیست دهم من که گردد شمع نورذات روشن ۳۹۳؎

امانت نے اپنے تراجم میں سنسکرت اور ہندی الفاظ کا استعمال اشعار میں جابجا کیا ہے۔ یہ اس زمانے کا عام رواج تھا جس میں خاص کر متوسط درجے کے شعراء اس قسم کے الفاظ شعر میں ضرور استعمال کرتے تھے۔ امانت رائے امانت نے بھی اس کی پیروی کی۔ مثال کے طور پر ان کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں:

این همه گوسالها گوالها بیش آن بازی گر تمثالها
آرتی می کرد در هر صبح وشام برزبانش وصف حسن پاك شیام
راجه آن ملك جادربزم داشت خط شوق یاد بهگوان می نگاشت
مردم از جام بهجن بودندمست رفته از آواز شان دلهازدست

امانت نے بھگوت گیتا کی تعلیمات علم و عمل، عرفان اور ترک دنیا کے فلسفوں کو اپنی شاعری میں بہت دلکش انداز میں نظم کیا ہے۔ انہوں نے خدا کی عظمت اور ہمہ اوست، مکتی اور ترک علائق کے فلسفہ کو بہت ہی موثر پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس کی تائید میں انہوں نے درمیان میں جابجا ان فلسفوں کی تائید کی ہے۔ اپنے اشعار بھی نظم کئے ہیں۔ جس سے منظوم ترجمے کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں ہم یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ امانت کا منظوم ترجمہ سری بھاگوت بلاشبہ فارسی ادب کے شاہکار تراجم میں سے ایک ہے۔

لچھمی نرائن شفیق (اورنگ آبادی)

رائے لچھمی نرائن جو اپنا تخلص شفیق اور صاحب کرتے تھے ۱۱۵۸ھ میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد منسارام کا شمار کھتری کپور خاندان کے معزز لوگوں میں ہوتا تھا۔ ان کے سن پیدائش کے بارے میں تذکرہ نگاروں کی رائے بھی یکساں ہے۔

عبدالحق نے چمنستان شعراء کے مقدمے میں شفیق کا سن پیدائش ۱۱۵۸ھ لکھا ہے۔[۳۹۴]

خود شفیق اپنی تاریخ پیدائش کے بارے میں تذکرہ گل رعنا میں لکھتے ہیں:

"مولف در گل زمین اورنگ آباد دو صفر سنه ثمان و خمثینو مائته الف (۱۱۵۸ھ) چهره هستی برافروخت"[۳۹۵]

نتائج الافکار کے مولف کا بیان ہے:

"شفیق در ۱۱۵۸ھ ثمان خمثین و مائته الف در اورنگ آباد قبای هستی برکشید۔"[۳۹۶]

سید عبداللہ رقم طراز ہیں:

''شفیق کا باپ منسا رام نواب نظام الملک آصف جاہ کا پیشکار تھا۔ شفیق اسی کا بیٹا تھا۔ ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوا۔''[۳۹۷]

مختلف تذکرہ نگاروں کے مذکورہ بیانات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ شفیق کا سنہ پیدائش ۱۱۵۸ھ صحیح اور مستند ہے۔

شفیق کا آبائی وطن لاہور تھا ان کے آباواجداد لاہور سے لشکر اورنگ زیب عالمگیر (۱۱۱۸ھ-۱۰۶۹ھ) کے ہمراہ دکن آئے اور اورنگ آباد میں سکونت اختیار کی۔ ان کے والد منسارام چار پشت سے نواب آصف جاہ کی ملازمت میں تھے۔ خود گل رعنا میں شفیق لکھتے ہیں:

"شفیق لچھمی نرائن ماتھر مولف این صحیفه از قوم کھتری کپور است جداوبھوانی داس همراه اردوئے عالمگیری از لاهور وارد دکن شده در اورنگ آباد تو طن ریخت و به صیغه نوکری بسربرده۔ ذی اعتبار برآمد درین جاصاحب اولاد گردید۔" ۳۹۸؎

شام غریباں کے مقدمے سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ:

"شفیق تخلص لچھمی نرائن ماتھر از قوم کھتری کپور است جدبھوانی داس همراه اروؤئی عالمگیری از لاهور وارد دکن شد در اورنگ آباد توطن ریخت۔" ۳۹۹؎

چمنستان شعراء کے مقدمے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ:

"شفیق کھتری قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے بزرگ لاہور کے رہنے والے تھے۔ ان کے دادا بھوانی داس لشکر عالمگیری کے ہمراہ دکن آئے اور اورنگ آباد میں سکونت پذیر ہوگئے۔" ۴۰۰؎

مولف نتائج الافکار اس بارے میں لکھتے ہیں کہ

"لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی که ازقوم کھتری است۔ اصلش از لاهور جداوبھوانی داس همراه عسکر عالمگیر وارد دکن گشته و در اورنگ آباد سکونت پذیر و شغل نوکری بعزت و اعتبار بسر برد۔" ۴۰۱؎

مولف شمع انجمن رقمطراز ہیں:

"کھتری بود اصلش از لاهور است۔ جدش بھوانی داس همراه عسکری عالمگیر وارد دکن گشته و در اورنگ آباد سکونت گزید۔" ۴۰۲؎

مذکورہ بالا تذکرہ نگاروں کے بیانات سے شفیق کے حسب ونسب کے بارے میں

کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی وہ اورنگ آباد ہی میں مقیم رہے۔

''شفیق ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جہاں علم و ادب کا چرچا تھا خود ان کے والد منسارام کو بھی تاریخ و انشاء کا شوق تھا۔ دربار آصفی اور ماثر نظامی میں ان کی قادرالکلامی اور تاریخ نگاری میں مہارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔'' ۲۰۳؎

رمن راج سکسینہ کا بیان ہے:

''لالہ منسارام کی تحریر کردہ تاریخ اس دور کی اہم دستاویز ہیں۔'' ۲۰۴؎

شفیق کے ایک بھائی جن کا نام روپ نرائن تھا۔ فارسی کے شاعر تھے اور ذہین تخلص کرتے تھے۔ ۲۰۵؎

شفیق کا خاندان علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ اس میں علم کی شمعیں روشن تھیں۔ شعروشاعری اور تاریخ نویسی کا ماحول تھا یہی وجہ تھی کہ بچپن ہی سے تحصیل علم کی طرف مائل تھے اور چونہ اس زمانے مین گھریلو تعلیم و تربیت کو زیادہ اہمیت حاصل تھی لہٰذا معلم و اتالیق کا انتظام کیا جاتا تھا۔ بچے آداب زندگی کے ساتھ ساتھ اخلاق اور تہذیب و تمدن سے واقفیت حاصل کرتے تھے۔ علم و ادب سے بھی بہرمند ہو جاتے تھے۔ آصف جاہ کے زمانے میں فرقہ وارانہ جھگڑوں کا نام ونشان نہیں تھا۔ ہندومسلمان، شیعہ وسنی حکومت کو مستحکم بنانے مین برابر کے شریک تھے۔ مغل دور میں دفتری اور سرکاری زبان فارسی تھی۔ ہر طبقہ کے لوگوں نے نہ صرف اس زبان کو سیکھا بلکہ فارسی علم و ادب اور شعروشاعری کا شوق پیدا ہوا۔ شفیق بھی بچپن سے فارسی زبان سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے والد منسارام نے انہیں عربی و فارسی حاصل کرنے کے لئے ملاعبدالقادر مہربان کی سرپرستی میں دے دیا۔

چمنستان شعراء میں شفیق لکھتے ہیں:

"در عمر یازده سالگی بخدمت قبله برحق شیخ عبدالقادر صاحب سلمه الله تعالیٰ کتب معارضه سندکرده و از سوادبیاض واقف گردید." ۲۰۶؎

شفیق نے عبدالقادر کے بعد میر غلام آزاد بلگرامی سے شعروسخن میں اصلاح لی اور ان کی شاگردی اختیار کی۔ اس بارے میں وہ اپنے تذکرہ چمنستان شعراء میں لکھتے ہیں:

"از آن جاکه شعر را دوست می داشت که بسلك تلامذه قبله دین و دنیا حضرت میرغلام علی آزاد مدظله العالی در آمد۔" ۲۰۷

گل رعنا میں درج ہے کہ:

"و از بد و شعور بدو در ظل عنایت آفتاب روشن کلامی جناب آزاد بلگرامی مدظله السامی تربیت یافته از سوادوبیاض واقف گردید۔" ۲۰۸

مولف شمع انجمن رقم طراز ہیں:

"شاگرد مرز اآزاد مرحوم بود۔" ۲۰۹

میر غلام آزاد شاعری میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ میر عبدالقادر مہربان بھی آزاد کے تلامذہ میں سے تھے۔ انہوں نے شفیق کو صاحب تخلص عنایت فرمایا۔ شفیق نے دو ہزار بیت پر مشمل غزلیات کا دیوان مرتب کیا۔ لیکن جب شاعری کے قواعد اور فن شعر میں مہارت حاصل کرلی تو اسے ضائع کردیا۔ وہ خود کہتے ہیں:

"بسلك تلامذه قبله دین و دنیا حضرت میرغلام علی آزاد مدظله العالی در آمد و متقابل میر عبدالقادر مهربان که یکی از مهرتابان آنجناب است۔ پوشیده صاحب تخلص قرارداده و دیوان غزلیات مردف قریب دو هزار بیت مرتب ساخت چون مرتبه والا قدری حیثیت پیدا کردباصطلاح شعرو قواعد ماهر گر دید سابق راتقویم پارینه دیده یك قلم برهمه یا خط کشید۔" ۲۱۰

شفیق کو بچپن ہی سے شعروسخن سے دلچسپی تھی۔ صاحب تخلص کے بعد انہیں کافی

شہرت حاصل ہوئی۔ فارسی شعراء میں میر محمد مسیح بھی صاحب تخلص رکھتے تھے۔ اس لیے شفیق نے اپنے استاد آزاد صاحب سے درخواست کی کہ وہ انہیں نیا یا دوسرا تخلص عطا فرمادیں۔ آزاد نے انہیں شفیق تخلص عنایت فرمایا۔ اردو شاعری میں بھی ان کو کافی چرچا اور شہرت حاصل تھی۔ اس لئے انہوں نے اردو میں صاحب اور فارسی میں شفیق اور صاحب دونوں تخلص کو اپنایا یا استعمال کیا ہے:

"الحال که سال هژده از عمر گذشته باشد چون مطلع شد که میر محمد مسیح صاحب تخلص در فارسی گذشته است۔ بجناب از راه شفقت تخلص شفیق عنایت فرمودند لیکن از آنجا که ریخته جات فقیر درین جابه عوام و خواص اشتهار یافته صاحب تخلص در ریخته برقرار داشته باشد۔ در بعضی بحور که شفیق نمی گنجد ناچار تخلص صاحب آورده می شود۔" [۱۱]

میر آزاد نے شفیق کو ۱۱۸۶ھ میں شفیق تخلص عطا کیا تھا اپنے اس نئے تخلص کی خوشی مین انہوں نے ایک قطعہ لکھا ہے۔ اس قطعہ میں انہوں نے نئے تخلص کی تاریخ بھی نکالی ہے۔

از حضرت فیض بخش آزاد گردید مرا تخلص انعام

گفتم تاریخ این عنایت امداد شفیق شد مرا نام[۱۲]

۱۱۸۶ھ

شفیق نے اردو میں صاحب تخلص رکھا۔ البتہ فارسی میں شفیق رہنے دیا۔ انہیں اپنے استاد آزاد بلگرامی سے حد درجہ عقیدت تھی جہاں کہیں وہ اپنے استاد کا ذکر کرتے ہیں اس میں انہوں نے ادب و احترام اور خلوص و محبت کو پیش نظر رکھا ہے۔ چمنستان شعراء کے مقدمے میں عبدالحق لکھتے ہیں:

"شفیق کو آزاد بلگرامی سے کمال عقیدت مندی تھی اور جہاں کہیں ان کی تالیفات میں آزاد کا نام آیا تو ان کا ذکر بڑے ادب و اکرام و خلوص

وارادت سے کرتے ہیں۔ ہر جگہ انہیں میر صاحب، قبلہ، پیرو مرشد یا قبلہ و کعبہ برحق اور اپنے آپ کو غلام لکھتے ہیں۔" ۱۳ے

میر آزاد اپنے زمانے کے نامور شاعر اور جید عالم تھے۔ آزاد نہ صرف فارسی کے شاعر تھے بلکہ عربی اور اردو میں بھی انہیں عبور حاصل تھا۔ اس لیے شفیق نے شاعری میں آزاد بلگرامی کی سرپرستی حاصل کی۔ اس بارے میں شفیق رقم طراز ہیں:

"از آن جاکه شعر را دوست می داشت که بسلك تلامذه قبله دین و دنیا حضرت میر غلام علی آزاد مدظله العالی در آمد." ۱۴ے

شفیق اپنی لیاقت و قابلیت اور شعر و سخن میں ملکہ حاصل ہونے کی وجہ سے بیشتر شاگردوں کے استاد بھی رہے ہیں۔ جن میں داغ اورنگ آبادی، احسان وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ صمصام الدولہ کے زمانے میں انہیں "دولت چند" جیسے خطاب سے نوازا گیا۔ تذکرہ گل رعنا میں وہ لکھتے ہیں:

"در اقتدار صمصام الدوله به منصب و خطاب 'دولت چند' سرفراز شد." ۱۵ے

بعد میں وہ نواب نظام علی آصف جاہ ثانی کے دربار سے وابستہ ہو گئے اس کے بعد ان کے بیٹے نواب امیر احمد خان عالی جاہ کے دربار سے منسلک رہے۔ شام غریباں کے مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۷۷ھ میں آصف جاہ ثانی کے دربار میں ملازم تھے:

"در زمره ملازمان نظام علی خان آصف جاه ثانی انسلاك یافت و بعد اوبه پسران جناب عالی جاه وابسته شدو در ۱۱۷۷هجری با همراهی وی از اورنگ آباد به سمت حیدرآباد قصد سفر کردوهمان جاسکونت پذیر شد." ۱۶ے

اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ شفیق کو صمصام الدولہ کے عہد میں "دولت

چند" جیسا عہدہ حاصل تھا۔ اور آخری عمر تک وہ انہیں کے دربار سے منسلک رہا۔

زندگی فانی ہے۔ ہر نفس انسانی کو ایک دن ختم ہونا ہے۔ لیکن وہ انسان کبھی نہیں مرتا جو اپنی حیات میں ایسے کارہای نمایاں انجام دے جاتا ہے جو اسے مرنے کے بعد بھی شہرت دوام بخشتے ہیں۔ شفیق نے نہ صرف نثر میں متعدد کتابیں تصنیف کیں بلکہ شعر وسخن میں وہ ایک فنکارانہ حیثیت کے مالک تھے۔ ان کا فن ان کے بعد بھی زندہ ہے۔ انہوں نے ۱۲۲۳ھ میں حیدرآباد میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔ نتائج الافکار کے مولف رقم طراز ہیں:

"آخر کار دراوایل مائة و ثالث رخت حیاتش به آتش کده فنا سوخت۔" [۱۷]

کتب خانہ آصفیہ میں مخطوطہ "دیوان سخن اورنگ آبادی" میں شفیق کی تاریخ وفات موجود ہے:

"در کتب خانه آصفیه حیدرآباد دکن مخطوطه دیوان سخن اورنگ آبادی که شاگرد وی بود است، در آن قطعه تاریخ وفات شفیق موجود است از مصرعه آخرش "وائ مشاطه معانی رفت" سال هجری ۱۲۳۳ هجری برمی آید۔" [۱۸]

تذکرہ شمع انجمن کے مولف شفیق کی وفات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"دراوائل مائة ثالث عشر رخصت حیاتش باآتشکده فنا سوخت۔" [۱۹]

شفیق کے شاگرد غلام مصطفیٰ سخن اورنگ آبادی نے اپنے استاد کی موت پر ایک قطع تاریخ کہا ہے جس میں صرف چار شعر دستیاب ہیں، ممکن ہے کچھ اور بھی اشعار ہوں:

استادمن شفیق افسوس — از سینجی سرائی فانی رفت
روی دل از کسی نمی بینم — سایهٔ لطف و مهربانی رفت
از حلاوت گذشت نظم ونثر — نمك از شعر و شعر خوانی رفت
سال رحلت رقم کرد سخن

وای شاطر معانی رفت[۴۲۰]

۱۲۲۳ھ

شفیق کے نثری کاموں کی فہرست حسب ذیل ہے۔ جوان کے ادبی کارناموں اور ان کی ذاتی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہیں۔ وہ نہ صرف ایک مورخ کی حیثیت سے ہمارے سامنے آئے بلکہ تذکرہ نگاری اور شاعری میں بھی انہوں نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ان کی تاریخی کتابوں میں حقیقت ہائی ہندوستان، تمنیق شگرف، مآثر آصفی، مآثر حیدری، بساط الغنائم، حالات حیدرآباد، خلاصتہ الہند، تذکرہ چمنستان شعراء، تذکرہ گل رعنا، شام غریباں زیادہ مشہور و معروف ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی دیگر تصانیف بھی علم و ادب کے قیمتی شہ پارے ہیں۔

چمنستان شعراء کے مقدمے میں شفیق لکھتے ہیں:

"در زمانه قیام حیدرآباد در ۱۲۰۰هجری تمنیق شگرف در ۱۳۰٤هجری حقیقت های هندوستان، در ۱۲۰۸ه ماثر آصفی و در ۱۲۱٤ه بساط الغنائم تصنیف کرد که آن ها از تاریخ و حالت سلاطین حیدرآباد و دکن عبارت است۔" [۴۲۱]

شفیق کا ماحول خالص علمی وادبی تھا۔ اس لیے ان کی طبیعت بچپن ہی سے شعروسخن کی طرف مائل تھی۔ آزاد بلگرامی اور عبدالقادر مہربان جیسے جلیل القدر استاد کی شاگردی میں ان کے اس فن کو جلا ملی۔ یہی وجہ ہے کہ گیارہ سال کی کم عمری ہی سے شعر کہنے لگے تھے۔ شاعری میں ان کا ذوق دن بدن بڑھتا گیا اور چونکہ اٹھارویں صدی میں ان کی پیدائش ہوئی تھی اور اس صدی میں فارسی علم وادب اپنے عروج وکمال پر تھا۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کی جاتی تھی اور شاعر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں رہتے تھے۔ شفیق نے بھی فارسی زبان میں ایک دیوان غزلیات مرتب کیا۔ جو بعد میں ضائع کر دیا تھا۔ اس کے بعد ایک دیوان ریختہ مرتب کیا۔ جس کا خطی نسخہ انجمن ترقی اردو کراچی میں

موجود ہے۔
صاحب تذکرہ فارسی گوشعرای اردواس بارے میں رقمطراز ہیں:

"خطی نسخه دیوان ریخته که در آن صاحب تخلص کرده است. در کتاب خانه انجمن ترقی اردو کراچی موجود است۔" ۴۲ے

ان کے کلام کا مکمل نمونہ دستیاب نہیں ہے۔ تذکرہ نگاروں نے بھی ان کے کلام کا نمونہ پیش کیا ہے اور جن تذکروں میں شفیق کے حالات زندگی اور ان کے کلام کے نمونے ملتے ہیں۔ ان میں خود شفیق کے لکھے ہوئے تذکرہ شام غریباں، تذکرہ گل رعنا، چمنستان شعراء ان کے علاوہ شمع انجمن، نتائج الافکار، محبوب الزمن، بہارسخن، تذکرہ شعرای اورنگ آباد، سید عبداللہ کی کتاب ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، مقدمہ عبدالحق جو چمنستان شعراء پر لکھا گیا ہے۔

لچھمی نرائن شفیق کا دیوان اور ان کے کلام کا نمونہ مکمل طور پر دستیاب نہیں ہے۔ صرف آزاد بلگرامی اور دیگر ارباب علم کی بدولت ہم یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ شفیق فارسی شاعری میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ ان کا شمار فارسی شعراء میں اور خاص کر دوسرے درجے کے ہندو شعراء میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے کلام میں اہل علم و ادب اور مذہب اسلام کی تعریف بڑے عقیدت و احترام کے ساتھ کرتے ہیں۔ شاعری کے ہر مضامین کو اپنے کلام میں جگہ دی۔ اپنے کلام میں انہوں نے جابجا استاد آزاد بلگرامی کی مدح سرائی بھی کی ہے۔

ان کے درج ذیل اشعار سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے استاد سے کس درجہ عقیدت رکھتے تھے:

لامکان است مقام آزاد
فوق عرش است خرم آزاد

سحر گردن از کواکب هر شب

فلک پیر بنام آزاد

خرمن هستی اعداء سوزد

برق رخشان حسام آزاد

در گلستان جهان هر گل و خار

موردِ رحمت عام آزاد[۲۲۳]

شام غریباں میں آزاد بلگرامی کی مدح میں مخمس کے کچھ بند لکھے ہیں۔خود شفیق کا بیان ہے:

"راقم الحروف غزل آزاد که در حق کوه شاه مردان واقع حیدرآباد فرموده اند. مخمس کرده، الحال تراجم شعراء رابرین مخمس که مشتمل در منقبت ورویت زآب است ختم می کنم این گفته سامعه نواز از زبان خامه مهر می زنم." [۲۲۴]

"قبله عارفان جناب عتیق خلف مرتضیٰ علی التحقیق

کرداز فلک عنبرین تنمیس سحری پاگذاشتم بطریق

با جهان دیدهٔ رفیق شفیق

ره گرامی شدم بهر راهی گهه به نهری و گهه لب جاهی

می نمودم چه میر دل خواهی ناگهان رو نمود درگاهی

همه تعمیر او بطریق اینق[۲۲۵]

شفیق نے شاعری میں وحدۃ الوجود، عشق و عاشقی، رندی و سرمستی، محبوب کے حسن و جمال، اس کے خط و خال پر بیشتر اشعار نظم کئے ہیں۔محبوب کی زلف کے وہ اسیر ہیں جس نے انہیں اپنے حلقہ میں کس رکھا ہے۔وہ کہتے ہیں:

"نباشد حلقه حلقه زلف او در دامن عارض

که بال افشاند طاؤسی میان گلشن عارض[۲۲۶]

دوسری جگہ محبوب کی زلف میں وہ اس ہستی کو تلاش کرتے ہیں جو اس پوری کائنات کوتخلیق کرنے والا ہے:

دلم گم شد بزلف خوب روئ

شفیق اکنون خدا را جستجوی۴۲۷

ایک جگہ محبوب کی زلف کے بارے میں لکھتے ہیں:

دل من زلف یار را رام است

دام اقبال عجب دام است۴۲۸

به زلف عنبرینش می کنم چو شانه گستاخی

مراهم گر میسر دست کوتاهی چنین باشد۴۲۹

عشق کا جذبہ فطری ہے۔ تمام شعراء نے اس موضوع کو اپنا موضوع خاص بنایا ہے۔ قدیم اور عصری شعراء کی شاعری حسن وعشق اور وصل وفراق کی کیفیتوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ شفیق نے بھی عشق و عاشقی کے جذبات کو متقدمین شعراء کی طرح اپنی شاعری میں نئے رنگ کے ساتھ پیش کیا ہے وہ اپنی جوانی کے عشق کو اس شعر میں بیان کرتے ہیں:

یاد ایامی که عشق نوجوانی داشتم

برسر بازاررسوائی و کانی داشتم۴۳۰

عشق کے جذبات اور احساسات خدا کی دی ہوئی نعمت ہے۔ حالانکہ ان جذبات سے کوئی فائدہ نہیں لیکن عشق کرنے سے کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔

نقد جان در عوض عشق بتان این همه نیست

منفعت گر نه دهد ست زیان این همه نیست۴۳۱

وہ کہتے ہیں کہ اگر محبوب کی نظر کرم ان پر مہربان نہیں ہوتی تو کوئی بات نہیں۔ لیکن، دل کے مارے لوگوں سے پرہیز کرنا ہی اچھا ہے:

چشم اوبر مانگاهی گرندار دعیب نیست

می شود پرهیز لازم مردم بیمار را ۴۳۲؎

وہ عشق کی بے پناہ مشکلات سے نہیں گھبراتے ان پریشانیوں کا سامنا کرنے کے لیے وہ ہمہ وقت تیار ہیں:

زخارهائی مغیلان پراست وادی عشق
شفیق آبله پامی روی خدا حافظ ۴۳۳؎

ان کا کہنا ہے:

عشق را در سینه عشق بود نشو و نما
این شجر این جابقدر قد آدم می دمد ۴۳۴؎

کہتے ہیں کہ عشق وہ جذبہ ہے جس نے زلیخا کو بھی جوان بنا دیا تھا:

بگوش زاهد پیراین سخن مگر نه رسید
که فیض عشق جوان می کند زلیخا را ۴۳۵؎

اس شعر میں شاعر نے صنعت تلمیح استعمال کی ہے۔ اس کے ذریعہ حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے عشق کے قصہ کو بیان کیا ہے۔ اس شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مذہب اسلام کے تمام واقعات کے بارے میں معلومات رکھتے تھے۔

وہ اپنے محبوب کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں:

شفیق اکنون خدا را شور کم کن
که شوخ من در این جامست خواب است ۴۳۶؎

ان کا کہنا ہے کہ عاشق کو اپنے محبوب کی خدمت کرنا باعث سعادت سمجھنا چاہئے۔ اسی میں عاشق کی کامیابی ہے:

عاشق خدمت معشوق سعادت دانند
بال بلبل به چمن مروجه جنبان گل است ۴۳۷؎

ان کا دل محبوب کے کوچہ کو کعبہ پر ترجیح دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ میرا دل کعبہ جانے کو نہیں چاہتا۔ لیکن محبوب کے کوچہ کے طواف کرنے کے وہ خواہاں نظر آتے ہیں:

قسم به صحف روشن بکعبه رخ نکنم
طواف کوچه او بار بار خواهم کرد۴۳۸؎

محبوب سے شکایت بڑے نرالے ڈھنگ سے کرتے ہیں:

گر شدم مجروح از تیغ توای ظالم چه شد
زخم دل را می کندبه مرهم زنگارِ خط۴۳۹؎

شراب کا ذکر وہ بڑے موثر انداز میں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس شراب نے میرے دل و دین کوخرید لیا ہے۔ ان کے سامنے شراب کے آگے دل و دین کی کوئی حیثیت نہیں ہے:

دل و دین داده خریدم قدح بادهٔ ناب
شکر درگاهِ الٰهی که گران این همه نیست۴۴۰؎

شفیق کا خیال ہے کہ دنیا میں انقلاب آتے رہتے ہیں۔ انسان دنیا کی ان نیرنگیوں میں مصروف نظر آتا ہے۔ ہر کوئی دنیا کی اس گردش سے پریشان ہے۔ شفیق کہتے ہیں کہ دنیا کی یہ انقلابی کیفیت تو چلتی رہتی ہے اس سے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ وہ اپنی ان پریشانیوں کو شراب سے کم کرتے ہیں۔ یعنی شراب ہی ایک ایسی شے ہے جس کے سہارے انسان زندگی ہنسی خوشی بسر کرسکتا ہے:

انقلابی عجبی گردش گردون دارد
مئ بیارید که عمر گذران این همه نیست۴۴۱؎

لیکن دوسری جگہ وہ کہتے ہیں۔

بهار آمد و شد درچمن هوائ قدح — بیار مئ که دهم تو به رونمائی قدح
در این بهار زمئ دست برنمی دارم — قسم به گردون میناقسم به پائ قدح۴۴۲؎

یافتم در بزم می دزدیده دیدن های تو
این قدر در عالم مستی مراهم هوش بود۴۴۳؎

شفیق ہندو گھرانے کے چشم و چراغ تھے لیکن انہیں اسلامی ماحول ملا تھا۔ جس میں انہوں نے پرورش پائی۔ ان کا ذہنی تخیل بھی اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے کئی اشعار میں اس بات کا دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ان کا دل پتھر کی مورتیوں سے اپنی مراد حاصل کرنے میں کوئی برائی نہیں سمجھتا وہ خود کہتے ہیں:

می ستاند اعتقاد آخر مراد دل زسنگ
برهمن مقصود خود را می کند حاصل زسنگ[۴۴۴]

کہتے ہیں کہ:

چون آن هندوپسر تحریر دیوان سخن سازد
به هر بینی که می ساز دراز خون من سازد[۴۴۵]

شفیق کے دل میں عشق حقیقی کا جذبہ بھی کارفرما ہے جو ان کی محنت اور ماحول کا نتیجہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین رکھتے ہیں اور اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ:

می رساند حسن مطلق رنگ ها بیرنگ را
سیر کن در پر تو خورشید تار عنکبوت[۴۴۶]

می روم گرچه ازین باغ و لیکن یارب
باد از دامن گل پنجه گل چین کوتاه[۴۴۷]

وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنے گناہوں پر توبہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اپنے اعمال پر نادم اور پشیمان ہیں اور معافی کے طلب گار بھی:

یارب بدر تو عذر خواه آمده ام سرتابقد غرق گناه آمده ام
از چشمه عفوشست و شوی فرما در بار گهت نامه سیاه آمد ام[۴۴۸]

ایک جگہ کہتے ہیں:

نه می گویم که برمن جو رکن یا مرحمت فرما
بقربانت روم گاهی چنان گاهی چنین باشد[۴۴۹]

شفیق دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں لوگوں کو سمجھاتے ہیں:

مهلت عمر من و برق و شرر هرسه یکی است
فرصت صبح و گل و بادِ سحر هرسه یکی لست۴۵۰

هر کسی را می رسد نوبت به دور آسیا
بر مراد خاطر من روزگارم بر نگشت۴۵۱

شفیق کے کلام میں اصلاحی پہلو بھی نظر آتا ہے۔ ان کے خیال میں نااہل کو علم کی واقفیت نہیں ہوتی۔ وہ اس کے اسرار ورموز سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے:

نااهل راز علم بصیرت کجا بود
در چشم کو رخاك به از توتیا بود۴۵۲

کئی جگہ شفیق نے اپنے کلام پر فخر وافتخار بھی کیا ہے۔ کہتے ہیں:

تابروز حشر دارد زنده نام من شفیق
شعر تو در حق شاعر آب حیوان است و بس۴۵۳

شنیده ام که به سوئی شفیق می آئی
بیابیاکه دل و جان نثار خواهم کرد۴۵۴

گر جهان برگشت از من نیست پر وایم شفیق
شکر ایزد را که از من گل عذارم برنگشت ۴۵۵

شاعری میں تاریخ گوئی ایک فن ہے۔ شفیق نے بھی متقدمین شعراء کی طرح اپنی شاعری میں اس فن کو بھی برقرار رکھا۔ وہ ایک حد تک اپنے اس فن میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کی تاریخ گوئی کے چند نمونے پیش ہیں:

چمنستان شعراء کی تصنیف کے موقع پر قطع تاریخ لکھی:

این نامه را باید دیدن کردم انشا حال فصحاً

نام و تاریخش را صاحب گفتم "چمنستان شعراء"۵۶؎

۱۱۷۵ھ

نئے تخلص ملنے پر یہ قطع تاریخ کہی:

از حضرت فیض بخش آزاد گردید مرا تخلص انعام
گفتم تاریخ این عنایت امداد شفیق شد مرا نام۵۷؎

۱۱۷۶ھ

شاہ سراج کی وفات پر یہ قطعہ تاریخ کہا:

سید حق پرست معنی سنج که از و یافت شعر حسن رواج
سال فوتش شفیق کرد رقم روبرحمان نمود شاه سراج۵۸؎

۱۱۷۷ھ

گل رعنا کی تکمیل پر یہ قطعہ تاریخ کہی:

این کتاب مناقب شعرا بچه اسلوب تازه شد مرقوم
از پی ختم این صحیفه شفیق گفت تاریخ "نامه مختوم"۵۹؎

۱۱۸۲ھ

گیان رائے ہنر کی وفات پر یہ قطعہ تاریخ لکھی:

مرد فاسع ماه رمضان شاعر ماهر معنی پرداز
سال فوتش بقلم داد شفیق کرد رحلت "هنربی انباز"۶۰؎

۱۱۹۰ھ

شام غریبان کی تکمیل پر یہ قطعہ تاریخ کہی:

خدا را شکر کزکلکت بیانم بخوبی رانموده انجام نسخه
شفیق از هاتف تاریخ پرسید برائ ختم گفت "اتمام نسخه"۶۱؎

۱۱۹۷ھ

لچھمی نارائن شفیق کی ایک مختصر مثنوی رستم علی خان جن کا تعلق سلجوقیوں سے تھا، کی

تعریف میں لکھی ہے۔ اس کے اشعار میں انہوں نے فردوسی کو رسول سخن اور خدای سخن اور پیشوای سخن جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ شاہنامہ کی تعریف وتوصیف کی ہے۔ وہ شاہنامہ کی زمین میں رستم علی خان کی تعریف کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

مغنی بیا نغمه آغاز کن — بتو صیف عازم نوا ساز کن
بطنبور معنی بده گوشمال: — بتارثنا زخمه زن اوخیال
بخوان شعر های نکوپیش او — که هم شعر فهم هم شعر گو
اگر نام او بگذرد برزبان — چو نافه شود مشك بود جان
چو بهزاد می دید نقشیکه بست — زوی برخ کار خود پشت دست
مجالم کجا تابگویم سخن — سزای ثنا کو زبان دردهن
ز تعریف من وصف او برتراست — کجازرۂ خورشید را در خود است
چو فردوسی آن پیشوائی سخن — رسول سخن بل خدائی سخن
ز شهنامه بینی نکونقش ست — که معینش اکنون به کرسی نشست

"جهان آفرین تا جهان آفرید
سواری چورستم نیامد پدید"

زد ستم همین رستم آمد مراد — که این قرعه برنام نامی افتاد
فلك چرخ زد گرد عالم بسی — ندیده چون رستم علی خان کسی
نه بزم است چوشمع روشن بیان — برزم است چون رستم داستان
ز سلجوقیان یادگار است این — گل نورس آن بهار است این .
کجا کس باین عظیم شان می رسد — که اصلش به سلجوقیان می رسد
نباشد جواد خوش نسب خوش نصاب — کزاجداد هست افراسیاب
سخاوت غلام است او را قدیم — که ابن الکریم است و ابن الکریم
سلامت به اشعار او قوام است — نزاکت به افکارا و هم دهم است
مگر بود در فکر امداد من — که از تو شستر آمده در دکن

ز اخلاق تسخیر دنیا نمود — شهنشاهی ملك دل هانمود
نیاورد چرخ کهن در جهان — چورستم علی خان اعظم جوان
به تعریفم اشعار موزون نمود — زراه قدر دانیم برستود
مرا لازم آمد ثنای کنم — بجان منت او را دعای کنم
بود تابقای جهان کامرانی — به عمر ابد دولت جاوداني

چونی خصمش از بیخ برکنده باد
همه لاغر وزار و نالنده باد[۶۲]

کہا جاتا ہے کہ فارسی مثنوی کے علاوہ چھمی نرائن شفیق کی ایک اردو مثنوی بھی ہے جو تصویر جانان کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں انہوں نے جگہ جگہ فارسی کے اشعار میں اپنا مدعا بیان کیا ہے۔ اس مثنوی کے تمہیدی اشعار میں وہ فارسی کا یہ شعر لکھتے ہیں:

کرا از عاشقان این دست داده
که معشوقش به خدمت ایستاده[۶۳]

شفیق نے اس مثنوی کے مختلف عنوانات میں متعدد جگہ فارسی کے یہ اشعار لکھے ہیں:

منم عاشق مرا غم ساز داراست — تو معشوق ترا یا غم چه کاراست

نباید نسبت اندر چیز کی دل — که دل برداشتن کاری است مشکل

بهرکاری که همت بسته گردد — اگرخاری بود گلدسته گردد

مثنوی کا مندرجہ ذیل شعر مقطع کے بعد ہے اور اس پر مثنوی کا خاتمہ ہے۔

مخاطب اند کی نازك مزاج است — سخن کم گوکه کم گفتن رواج است[۶۴]

رقعات چھمی نرائن شفیق میں شفیق کا ایک قصیدہ ملتا ہے۔ انہوں نے نواب آصف الدولہ کی شان میں قصیدہ لکھنے سے پہلے ان کو ایک عرضی بھیجی۔ جس میں انہوں نے مسجع و

مقفع عبارت میں اپنا مدعا خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ اس قصیدے میں شفیقؔ نے ان کی بہادری، شجاعت، ان کی داد و دہش، ان کی فیض بخشی اور ان کے احسانات کو بیان کیا ہے۔ اور اپنی مفلسی، بدحالی اور بے کاری کا ذکر کرتے ہیں کہ میں تمہارے در پر شفا کے واسطے آیا ہوں۔ میں خستہ و بیمار ہوں اور میرا مداوا وہی کر سکتے ہیں۔ آخر میں مودبانہ انداز میں قصیدہ کا اختتام کرتے ہیں:

هرزمان ازمی نسیم بهار	رقص مستانه می کند اشجار
لاله نبود که بادهٔ گلرنگ	میزند جوش از خم کهسار
شد چمن مست و دوبه صحرا گرد	از گل آورد ساغر سرشار
بهر تزئین طرهٔ سنبل	پنجه گل چه شانه بردبکار
شاخ گلزار غنچه چون مستان	خودبخود واشود بسردستار
طوطیان راز جوش سبزهٔ و گل	پربود سبز و لاله گون منقار
شد شگوفه ز شاخ سبز برون	تو هم از شیشد پنبه را بردار
دارد از بس عموم نشو و نما	از تقاضای فصل عشرت بار
چه عجب گر چوتخم لاله بود	گره دل شگفتگی در بار
زده گر چاك كس گريبانی	می نماید چو کوچهٔ گلزار
شده لبریز از صفا امروز	صحن گلشن چو سینهٔ دلدار
بابت شرمگین خودگفتم	کای ترا از وفا و مهر انکار
در چنین فصل امتیاز افزا	که کنداختلاط یار بیار
چه خطادیدهٔ بگوید که بمن	غیر بیگانگی ندای کار
ابر بهمن نشانده کروفر	حیف کز خاطرت نرفت غبار
گرهی از دلت کشاده شهد	غنچه شد وا بباغ گرچه هزار
گفت خاموش کرخیامردم	باشد آیا کسی پس دیوار
گفتم از خوف شکوه ام داری	مهر از بوسه برلبم مگذار

چون شنید این سخن زجابر خاست | چین در ابرو ودست برروددار
گفت رو ورنه خواهمت کشتن | ژاژخائی چنین مکن بسیار
گفتمش قتل بنده آسان نیست | داور عادلی بود بد یار
آصف الدوله سلیمان جاه | که زعدلش ستم گرفته قرار
آن سرافراز عرصه نصرت | وان شهنشاه ملك حلم و وقار
شیر را رنگ زرداز بیمش | رشك جودش زبحربرده قرار
نخل باغ سخایش از تصغیر | مینویسد بسدره برخوردار
میدهد بهرسدهٔ افلاس | چه فلوس و چه شربت دینار
هست اندر طویله جاهش | روز و شب ابلق سبك رفتار
نفع گلقند بوسه اش بخشد | چشم خوبان اگر بود بیمار
هر سحر آفتاب بردراو | طشت زد آورد به بهرنثار
فیض بخشی که چون رگ نیسان | قلم جوداوست گوهر بار
زاده طبعم دو مطلع دیگر | اینك از شوق میکنم تکرار
ای جمال تو از گل رخسار | بجهان داده رونق گلزار
ریخت از مشعل در تو شرار | شده بر چرخ ثابت و سیار
جای روب از پرهما باشد | رفت وروب در ترا درکار
سربلندی دشمنت مشکل | جز سرنیزهٔ تو یا سردار
سپر تو محیط شش جهت ست | نیست برهان ترسی درکار
هر که ای قبله دید درگاهت | دیگرش با حریم کعبه چه کار
بهر نذر توفیل گردون را | بست قوس قزح بجبهه نگار
زلف خوبان بود دوال رکاب | گر شوی برسمندناز سوار
نور خورشید از فروغ رخت | آنچنان گشته است لاغروزار
که فتد برزمین اگرچه نهد | دست خود را زضعف بردیوار

شیر روبه شود پلنگ شغال — گذری گربدست بهرشکار
بسکه احسان تست عام گهی — بر عدوهم نکرد مشکل کار
جان شان تار و دز آب آسان — همچوبل گشته تیغ تو خمدار
قبله گاها ببزم عالی تو — میکنم حال خویش را اظهار
که بتحصیل طب و معقولات — سعی معقول کرده ام بسیار
لیك الحال سردی مهردهر — گر برودت از ان پزیرد تار
همچو اعضای فالج آزرده — کرد مارا معطل و بیکار
آمدم بردر تو بهرشفا — ای تو درمان خسته و بیمار
نفع تریاق گرم جوشی را — از من ناتوان دریغ مدار
مدعا ختم میکنم اکنون — کزادب نیست گفتن بسیار
تا براگ بسنت برخوانند — اشك ریز آمداست ابر بهار
نغمه محفل تو این باشد — ساقیاگل بیارد باده بیار ۲۶۵ء

رائے آنندرام مخلص

آنندرام مخلص فارسی زبان کے ان شیدائیوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی زندگی اس زبان کو سیکھنے اور اس میں اپنے فنی جوہر دکھانے میں وقف کر دی تھی۔ وہ ضلع سودھر (سیالکوٹ) میں ۱۱۱۰ھ میں کھتری قوم کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مختلف تذکرہ نگاروں نے مخلص کے کھتری ہونے کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے:

خوشگو اپنے سفینہ میں رقم طراز ہیں:

"نبض شناس، باریکی کلام رای رایان رای آنند رام مخلص تخلص خلف هری رام کهتری ساکن صوبه لاهور است۔" ۶۶

مجمع النفائس میں آرزو کا خیال ہے:

"از اعیان چهتریان است که رئیس اهل هند است۔" ۶۷

آزاد بلگرامی خزانہ عامرہ میں لکھتے ہیں:

"مخلص آنند رام از قوم چهتریان است که ریاست اهل هند از قدیم الایام باین گروه تعلق دارد وطن آبای او سود هزار توابع لاهور است۔" ۶۸

تذکرہ گل رعنا میں ثبت ہے:

"رائ رایان خلف راجه هری از قوم کهتری متوطن سودهرره تابع لاهور باخوبان مکانی اخلاصی دارد۔" ۶۹

صحف ابراہیم کے مولف کا بیان ہے:

"رای رایان (آ) نندرام کم مدتها بدیوانی سرکار جنت آرامگاه محمد شاه بادشاه سرفراز بود. اصلش از قوم چهتریان ست که رئیس اهل هند اند."۷۰

مولفۂ سفینۂ ہندی لکھتے ہیں:

"کهتریست از ارباب جاه و دولت و اصحاب مکنت و ثروت بوده."۷۱

نتائج الافکار کے مولف کا بیان ہے:

"شاعر شیربن کلام رای رایان آنند رام مخلص که مخلص تخلص می کند از قوم چهتریان است." ۷۲

مجمع الانتخاب میں لکھا ہے:

"راجا آنند رام مخلص تخلص قوم کتهری ، متوطن شاهجهان آباد است."۷۳

بزم تیموریہ کے مصنف لکھتے ہیں:

"رای آنند رام سودھر (ضلع سیالکوٹ) میں ۱۱۱۰ھ میں پیدا ہوا۔"۷۴

مذکورہ بالا تذکرہ نگاروں کے بیانات کے کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ آنند رام مخلص کا شجرہ نسب اور جائے پیدائش کے بارے میں سب متفق ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

مخلص کے آباء و اجداد مغل دربار سے وابستہ تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مخلص نے محمد شاہ کے وزیر نواب اعتماد الدولہ قمر الدین اور عم زادہ سیف الدولہ صوبہ ملتان و لاہور کے وکیل کی حیثیت سے کام کیا۔ جیسا کہ مخزن الغرائب کے مصنف نے بھی لکھا ہے:

"وی ازاعیان چتهریان است به صیغۂ وکالت نواب اعتماد الدوله قمرالدین خان بهادر و نواب گویای که ناظم

صوبدار و سخن بود و در حضور محمد شاہ شرف اندوزی
داشت۔" ۷۵؎

مخلص کو نواب اعتماد الدولہ اور سیف الدولہ کی وجہ سے ہی شاہی دربار سے وابستگی حاصل ہوئی۔ اپنی حسن کارکردگی اور علمی صلاحیتوں کی وجہ سے انہوں نے "رائے رایان" کا خطاب حاصل کیا۔ نتائج الافکار کے مولف بھی مخلص کی دربار میں رسائی اور اس خطاب کو نواب اعتماد الدولہ کی وساطت سے حاصل کرنے کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

"مخلص بدر بادشاهی بوکالت اعتماد الدوله قمرالدین
خان آرزو محمد شاه بادشاه سیف الدوله عبدالصمد ناظم
صوبه لاهور و ملتان ماموره بود و بخطاب رای رایان
سرفرازی داشت۔" ۷۶؎

آزاد بلگرامی خزانہ عامرہ میں لکھتے ہیں:

"آنند رام در دربار بادشاهی وکیل اعتماد الدوله
قمرالدین خان آرزو وزیر فردوس آرامگاه و نیز وکیل
سیف الدین عبدالصمد خان ناظم صوبه لاهور و ملتان بود
ورائی رایان خطاب داشت۔" ۷۷؎

مخلص کا رجحان بچپن ہی سے علمی و ادبی کاموں کی طرف مائل تھا۔ ابتدائی تعلیم کے زمانے ہی میں شعر کہنے لگے تھے۔ مخلص نے اس زمانے میں آنکھیں کھولی تھیں جس وقت فارسی زبان کا دور دورہ تھا۔ درباری و سرکاری زبان بھی فارسی تھی۔ نہ صرف یہ کہ امراء یا اونچے طبقے کے لوگ ہی فارسی زبان جانتے تھے بلکہ ہر مذہب و قوم کے عام لوگ بھی اس زبان کو سیکھنے و پڑھنے میں دلچسپی رکھتے تھے اور فخر بھی محسوس کرتے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ جن ہندوؤں نے فارسی زبان و ادب کی خدمت کی اور شاعری میں اپنے جوہر دکھائے ان قابل ستائش اور نامور شخصیتوں میں مخلص کا شمار بھی ہوتا ہے۔ جنہوں نے ادبیات فارسی میں اپنے نثری اور شعری شہ پارے یادگار چھوڑے ہیں۔ آنے والی نسلیں ان شہ پاروں سے

ہمیشہ استفادہ کرتی رہیں گی۔ اور اس طرح ان کا نام تاریخ ادبیات فارسی میں ہمیشہ زندہ جاوید رہے گا۔

مخلص شعرو شاعری میں اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ ابتداء میں انہوں نے میرزا عبدالقادر بیدل سے اپنی شاعری کی اصلاح لی۔ بعد میں خان آرزو کی سرپرستی حاصل کی۔ سراج الدین علی خان آرزو کی اصلاح نے ان کے کلام میں روانی اور زبان میں صفائی و سلاست پیدا کردی تھی۔ اپنی ذاتی لیاقت اور لائق اساتذہ کی تربیت سے فارسی زبان اور فن شعر میں ایسی مہارت حاصل کی کہ ان کا شمار استاد شعراء میں ہوتا ہے۔

ہمیشہ بہار کے مصنف لکھتے ہیں:

"آنند رام مخلص از شاگردان میرزا بیدل است اکثر سنجیده می گوید و مشق سخن بیك رُتبه رسانیده۔"۷۸؎

خوشگو رقمطراز ہیں:

"اوائل مشق سخن برای مشق بجناب میرزا بیدل بگذرانید و بعد ازان صحبت شب و روز در شعرش باخانصاحب آرزو مندانه سلمه الله تعالیٰ اتفاق افتاده۔"۷۹؎

خزانہ عامرہ میں آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"در عنفوان جوانی اشعار خود را از نظر میرزا عبدالقادر بیدل مرحوم گذرانیده۔" ۸۰؎

چمنستان شعراء کے مولف کا بیان ہے:

"اصلاح سخن بخدمت میرزا عبدالقادر بیدلؔ و خان آرزو می گرفت۔"۸۱؎

مجمع النفائس اور نتائج الافکار کے مولف کا ایک ہی خیال ہے:

"در عنفوان جوانی اشعار خود را از نظر میرزا عبدالقادر بیدل مرحوم گذراینده۔" ۸۲؎

صحف ابراہیم کے مولف کا بیان ہے:

"در اوائل شباب افکار خود را از نظر میرزا بیدل می گذرانیده و بعد ازان باسراج الدین علی خان آرزو و تخلص صاحب تذکرہ محشور و مربوط می بود در فن شعر و انشاء مصنفات دارد۔" ۴۸۳

مولف سفینہ ہندی رقم طراز ہیں:

"در شعر سخن از بہترین شاگردان میرزا بیدل است۔...... باخان آرزو کمال اخلاص داشت۔" ۴۸۴

صاحب تصنیف بزم تیموریہ مخلص کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مخلص کا شمار ان چند ہندو شعراء میں کیا جاتا ہے جو فارسی علوم و فنون کے بڑے دلدادہ اور شیدائی تھے۔ وہ میرزا بیدل کا تو شاگرد تھا ہی اس عہد کے تمام شعراء سے اس کے تعلقات تھے۔ خصوصاً خان آرزو سے اس کو بڑی عقیدت تھی۔" ۴۸۵

سید عبداللہ لکھتے ہیں:

"شعر و شاعری میں شروع میں میرزا بیدل سے اصلاح لی پھر جب خان آرزو ۱۱۳۴ھ میں دارالخلافہ شاہجہاں آباد میں آئے تو آنند رام نے خان آرزو کے لئے جاگیر، منصب اور خطاب خاکی بادشاہ سے حاصل کیا۔" ۴۸۶

مخلص کی ادبی کارکردگی اور فارسی زبان میں ان کی غیر معمولی دلچسپی کو اہل علم نے سراہا ہے۔ اور سبھی تذکرہ نگاروں نے مخلص کا ذکر بڑی خوش اسلوبی سے کیا ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں کی یہ رائے ہے کہ صاحب تذکرہ مخزن الغرائب ہندو شاعروں کا ذکر کم کرتا ہے۔ لیکن اس نے بھی مخلص کو باقاعدہ اپنے شعراء کی فہرست میں داخل کیا ہے۔

آنند رام مخلص کا خان آرزو کے ساتھ استاد و شاگردی کا رشتہ تو تھا ہی لیکن دوستانہ

تعلقات بھی تھے۔ خان آرزو ان کے حسن و اخلاق اور انسانیت کی تعریف کرتے ہیں۔ اسی بنا پر مخلص سے تقریباً تیس سال تک روابط قائم رہے۔ لکھتے ہیں:

"آنند رام از حسن اخلاق و آدمیت وقابش تاکجا نوشته اید باعث بود فقیر آرزو در شاهجهان آباد دهلی اخلاق اوست از مدت سی سال تاالیوم سررشته کمال و صحبت و مودت را از دست نداده۔" ۴۸۷

ایک اور موقع پر مخلص سراج الدین علی خان آرزو کو مخاطب کرتے ہیں اور اجمیر کی سیر کی دعوت کے ساتھ ساتھ اپنا حال دل بھی بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں:

ای سراج الدین علی صاحب بیا سیر تا یکجا کنیم اجمیر را
از من احوال دل مخلص مپرس دیده باشی غنچه تصویر را ۴۸۸

عمر کے آخری ایام میں مخلص کی صحت خراب رہنے لگی۔ وہ ایک عرصہ تک نفث الام میں مبتلا رہے اور آخرکار ۱۱۶۴ھ میں ایک طویل علالت کے بعد اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔

مخلص کی تاریخ وفات کے بارے میں آزاد بلگرامی خزانہ عامرہ میں رقم طراز ہیں:

"مخلص در سنه اربع و ستین و ماته الف قالب تهی کرد۔" ۴۸۹

تذکرہ گل رعنا میں ثبت ہے:

"وفات رای آنند رام مخلص در سنه اربع و ستین و ماته والف ۱۱۶۴ھ اتفاق افتاد۔" ۴۹۰

مخلص کی تاریخ وفات کے بارے میں سفینہ ہندی کے مولف کا بیان ہے:

"در سنه چهارم احمد شاه بن فردوس آرامگاه بمرض نفث الام در گذشت۔" ۴۹۱

سید عبداللہ لکھتے ہیں:

"مخلص مدت تک نفث الام میں مبتلا رہ کر ۱۱۶۴ھ میں چل بسا۔" ۴۹۲ے

مخلص ایک بلند پایہ شاعر اور مصنف تھے۔ اس کا ثبوت ان کی فارسی تصانیف ہیں۔ ان میں رقعات مخلص، پری خانہ، مراۃ الصلاح، چمنستان، بدائع و قائع، سفرنامہ، کارنامہ عشق، روزنامچہ احوال، ہنگامہ عشق وغیرہ شاہکار ہیں۔ ان کے علاوہ ان کا دیوان جو غزلیات و رباعیات کا مجموعہ ہے۔ تقریباً دس ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ اس کی تعداد کے بارے میں خوشگو لکھتے ہیں۔

"دیوان غزلیات بقدرده هزار ابیات دارد، الفاظ رنگین و معانئ تازه و حکایتی در نثر نوشته۔ همه مقفیٰ و رنگین و نهایت معنیهای تازه و تشبیهات بلیغه دارد۔" ۴۹۳ے

مولف سفینہ ہندی کا بیان ہے:

"کلیاتش قریب پنجاه هزاربیت خوابد بود۔" ۴۹۴ے

سید عبداللہ کا بیان ہے کہ:

"انڈیا آفس لائبریری (کیٹلاگ نمبر۔ ۱۷۰۷) میں دیوان کا ایک نسخہ موجود ہے لیکن اس کے علاوہ کہیں پتہ چلتا۔ اس نسخہ میں رباعیات بھی ہیں اس نسخہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مصنف کی زندگی میں لکھا گیا ہے۔ اس لیے اس کی تاریخ کتابت ۱۰ ربیع الثانی ۱۱۵۷ھ ہے اور خود غلام علی آزاد نے مخلص کا دیوان اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور کلام کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ مجمع النفائس سے نقل کیا ہے۔" ۴۹۵ے

مخلص کے دیوان کے بارے میں سید عبداللہ کا مندرجہ بالا بیان اس لحاظ سے درست نہیں ہے کہ ان کے دیوان کا کوئی اور نسخہ انڈیا آفس لائبریری کے علاوہ کہیں موجود نہیں۔ ہوسکتا ہے اس وقت ان کی رسائی رضا لائبریری رام پور تک نہ ہوسکی ہو۔ ہمیں مخلص کے دیوان کا جو نسخہ رضا لائبریری رام پور میں دستیاب ہوا ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح

ہے۔

مخلص کے دیوان کا قلمی نسخہ سائز ۸x ۴ رامپور رضا لائبریری، رامپور میں موجود ہے۔ یہ تقریباً ۳۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ دیوان کے اولین دو صفحات عمدہ سنہری مینا کاری کا نمونہ ہیں۔ بسم اللہ کے بعد حمد باری تعالیٰ سے دیوان کا آغاز ہوتا ہے۔ دیوان غزلیات، رباعیات اور قصائد پر مشتمل ہے۔ صفحہ نمبر-۱ سے صفحہ ۲۲۹ تک غزلیات ہیں اور تقریباً ۹۳ رباعیات صفحہ نمبر-۲۷۲ سے صفحہ نمبر- ۲۹۹ تک ہیں۔ ۳۲۵ صفحہ پر کچھ نہیں ہے۔ صفحہ ۳۲۶ سے صفحہ ۳۳۰ تک اردو کے اشعار ہیں۔ دیوان کے آخری صفحہ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

"ناز بامقبول اهل راز و نیاز (نهم رجب المرجب ۲۰ جلوس محمد شاه روز یکشنبه طرف صبح بخط مصنف باتمام رسید۔"۹۶ے

مخلص کے دیوان کے آخر کی مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا دیوان خود مرتب کر کے لکھا ہے۔ مخلص نے جب یہ دیوان تمام کیا تو محمد شاہ کا ۲۰ واں سن جلوس تھا اور رجب کا مہینہ تھا۔ اس کے علاوہ خود ان کے دیوان کے مندرجہ ذیل اشعار سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ انہوں نے بخط خود یہ دیوان لکھا ہے۔ مخلص نے ان اشعار میں اپنا دیوان لکھنے کی ابتداء اور تمام کرنے کی تاریخ بیان کی ہے۔

تاریخ ترتیب یافتن دیوان غزل خودم:

شور انداخت بگلزار سخن چه چه بلبل فکرم مخلص
یافت ترتیب چودیوان تاریخ کردم انشاکل فکرم مخلص

تاریخ انتخاب دیوان خودم

ز دیوان منتخب چو کرد اشعار چون پرداز تراز موقلم کلك
تجویز خرد تاریخ اتمام عجایب انتخابی در قلم کلك ۹۷ے

اس کے علاوہ مختلف تذکروں میں ان کے کلام کے نمونے موجود ہیں۔

مخلص کو بزم شاعری کا شوق اس قدر تھا کہ اپنے بیشتر اوقات کو دوست واحباب

کی علمی مجالس میں صرف کیا کرتے تھے۔ان کی شاعری ان محفلوں کی وجہ سے برابر ترقی کرتی رہی اور اس میں وسعت و گہرائی پیدا ہوتی گئی۔ بزم تیموریہ کے مصنف لکھتے ہیں:

''اس کے گھر پر اہل علم مثلاً آرزو محمد علی خان، معنی یاب خان شاعر راؤ کرپا کرم، فتح سنگھ وغیرہ کی مجلسیں برابر منعقد ہوتی تھیں۔ان صحبتوں میں اس کے علمی ذوق کی جلا خوب ہوئی۔'' ۴۹۸

ان محفلوں کا ذکر سید عبداللہ اس طرح کرتے ہیں:

''مخلص کی طبیعت نہایت شگفتہ تھی۔ بزم کا اتنا شائق تھا کہ دہلی میں شام کے وقت ایک چائے یا قہوہ کی دکان پر اپنے احباب سمیت جا بیٹھتا اور خوش وقت ہوتا اور اپنے اوقات کو علمی مشاغل میں صرف کرتا تھا۔ زبان دانوں کے اشعار پر تنقید بھی کیا کرتا تھا۔'' ۴۹۹

مخلص فارسی نظم و نثر دونوں میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ان کا کلام سادہ اور سلیس ہے۔ وہ ایک پر گو شاعر تھے۔کلام میں شیرینی و دلکشی اور طرز ادا میں ایک خاص شگفتگی و لطافت پائی جاتی ہے۔وہ زبان دانی کے عالم تھے۔انہیں یہ وصف اپنے استاد میرزا بیدل اور خان آرزو کی سرپرستی میں حاصل ہوا تھا۔زبان و بیان اور خیالات دونوں اعتبار سے ان کا کلام عامیانہ پن سے پاک ہے۔خیالات میں ایک قسم کی پاکیزگی پائی جاتی ہے۔آرزو بھی مخلص کی پرگو لطیف سلیس و سادہ اور پر معنی شاعری کے دلدادہ تھے۔ اس لئے وہ ان کی شاعری کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"اشعارش نہایت مرغوب است." ۵۰۰

خوشگو اپنے سفینہ میں مخلص کی شاعرانہ خوبیوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"شاعر معنی تلاش، خوش زبان، مثل اودرین جز و زمان کمیاب است." ۵۰۱

شفیق چمنستان میں مخلص کی شاعری کی مقبولیت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"شعرفارسیش که خیلی غدوبت می دارد برالسنۂ

عوام و خواص جاری است۔" ۵۰۲ھ

نتائج الافکار کے مولف مخلص کو شاعر "شیرین" کلام کہتے ہیں۔ ۵۰۳ھ
خود مخلص نے اپنے کلام پر متعدد جگہ فخر کیا ہے۔ مثلاً:

شب که شد در محفلش منکور مظلومان چرخ
گفت مخلص نام من داد خواهی داشتم ۵۰۴ھ

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

چون منجم دید طالع نامه ام خندید و گفت
این پسر قائم مقام حضرت مجنون بود ۵۰۵ھ

مخلص مباش منکر صاحب کمالیم
جوهر بود چو آئینه فردیدن مرا ۵۰۶ھ

عام طور پر مخلص کا شمار دوسرے درجے کے شاعروں میں کیا جاتا ہے۔ لیکن ان کی شاعری میں اعلیٰ درجے کی فنکاری پائی جاتی ہے۔ شاعری میں انہوں نے زبان کو بہت چابکدستی سے استعمال کیا ہے۔ کلام کو رنگین بنانے کے لیے صنائع لفظی کا سہارا لیا ہے۔ اور قدیم روش کے مطابق تلمیحات، تشبیہات، استعارات اور تراکیب کا استعمال کیا ہے۔ منظر نگاری ان کی شاعری کا خاص وصف ہے۔ تمثیلی انداز میں شعر کہتے ہیں۔ متقدمین کے سرمایۂ سخن کو پیش نظر رکھ کر ان میں بعض جدتیں پیدا کیں ہیں اور وہ جوہر دکھائے ہیں کہ اپنے ہم عصر شعراء میں ایک امتیازی مقام حاصل کر لیا ہے۔ وہ خدا سے بھی یہی دعا کرتے ہیں:

الهی آب و رنگ شور بلبل ده بیانم را
زیرك لاله قدری خوچگان ترگهرزبانم را

سیر ناز نینان چمن از دور خرسندم
مکن ای باغبان آواره از شاخ آشیانم را

مبادا خواب شیرینم نشوراند پس ازمردن
برون آرید ازپهلو دل در خون طپانم را

بغوغائ عجب احرام کویش لب اشك من
صد خوان از شهر شوریده باشد گام را

چسان گردیده ام رسوابعشق او که در هرجا　　بدین سان لعل می سازند مخلص داستانم را
عسل رنگین صفیر نیست مخلص همچومن　　چوںباشد ارزد کل جدول دیوان مرا۵۰۷
الٰهی آبداریها کرامت کن بیانم را　　برنگ برق ابری ساز شمشیر زبانم را
مکتب رنگ عاشقی نیست ای گل بی نمایان　　بهاری همچو برگ بان بود پنها خرابم را۵۰۸

شاعری کا جذبہ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے۔ یہ جذبہ خداداد ہوتا ہے۔ مخلص اپنے دلی جذبات و احساسات کو بڑی خوش اسلوبی سے بیان کرتے ہیں۔

نو بہار آمد، زہر شاخی صفیری شد بلند
گوش بر آوازم اکنون تاچه فرمایددلم۵۰۹

مخلص نے اپنے پیش رو کی طرح غزلیات میں حسن و عشق کو خاص موضوع بنایا۔ ان کے کلام میں بیشتر اشعار ان کی زندگی کے تجربات کی عکاسی کرتے ہیں۔ جن میں وہ محبت کے تلخ تجربات بیان کرتے ہیں۔ ان اشعار میں جذبے کی فطری شان اسلوب بیان سے صاف ظاہر ہوتی ہے:

دل چه لذت برد بغیر از عشق
نمك زندگی است شور مزاج۵۱۰

فصل گل دیوانگیها مقتضای عقل بود
مخلص سرخیل رندان عاشق هوش توأم۵۱۱

عمر چون زلف بتان در پیچ و تاب آمد بسر
عشق باز ان زه پیراهن پاریم ما۵۱۲

تاجد عشقیم مخلص میرسم از شهردل
هر کجا جنس وفا باشد خرید اریم ما۵۱۳

مخلص محبوب کی زلف، خط و خال اور اس کی ناز و ادا کی تعریف و توصیف کو مختلف پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ وہ حسن و جمال کی کیفیتوں کو شعر کے قالب میں کمال خوبی سے ڈھالتے ہیں۔ فکر کی تازگی نے ان کے کلام میں ایسی کیفیت پیدا کردی ہے جو اپنا لطف رکھتی ہے۔ وہ محبوب کے حسن کی تعریف شعر میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس کا سراپا نگاہوں میں مجسم ہو جاتا ہے۔

برخط عارض تو بامعان کنم نگاه — زان سان که کس کتاب بخواند نبورماه

خال و خط برذقنت یا برای آب — دارند سبز چند غلوی بگرد چاه

گرداند عشق رنگ توای شوخ یازراه — خطی است گرد چهره تصویر بلدشاه۵۱۴

مباد حلقه صحبت زهمدگر باشد — سخن ز زلف پریشان یا رمی گذرد

صفا نماند میان دو زلف اواز خط — درین دو بار موافق غبار شد پیدا۵۱۵

برد سودائ سر زلف تواز خویش مرا — سفر دور دراز آمده در پیش مرا۵۱۶

مخلص کے ہاں رندی و سرمستی کے مضامین بہت کم پائے جاتے ہیں لیکن کہیں کہیں وہ شراب کا ذکر بڑے دلکش انداز میں کرتے ہیں۔

مخلص بشیره خانه خم باده جوش زد
موج شراب تا سردیواری رسد۵۱۷

گرفتم ارتکاب می گناه است
بهار از جانب ماعذر خواه است۵۱۸

لیکن کبھی کبھی وہ خود کو اس دنیا میں تنہا سمجھتے ہیں اور زمانہ سے پریشان حالی کی شکایت کرتے ہیں:

ای بلبلان که کرده سفر جانب قفس

تنہا گذاشتید در ین گلستان مرا۵۱۹

قصه کوه کن بود گویا
بوئ خون آید از افسانه ما۵۲۰

مخلصؔ کے ہاں خوداری، خود اعتمادی اور عرفان نفس کا درس ملتا ہے۔ وہ انسان کو دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں بار بار نصیحت کرتے ہیں کہ اس رنگ بھری دنیا میں خود کو مشغول مت رکھ۔ مغرور مت ہو۔ آخر اس دنیا کو ایک دن ختم ہونا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

مغرور مشو فصل بهارای چمن
فرداست که آشوب خزانست درین بهار۵۲۱

درین جهان از اصل کار ماکسی آگاه نیست
این مرقع را مگر تصویر عنقائیم ما۵۲۲

ای جلوه گاه وادی ایمن بخود مناز
آخر دل خراب بیابان شوق کیست۵۲۳

مخلصؔ کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مذہب اسلام کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اور اپنے اس علمی مطالعے سے اپنے کلام میں برملا استفادہ کیا ہے۔ دلنشین تلمیحات کے ذریعہ پیغمبران اسلام کے حالات و زندگی کو بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر ان کے مندرجہ ذیل اشعار اس بات کے شاہد ہیں کہ انہوں نے تمام پیغمبران اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کر کے نہ صرف اپنے ذہن کو جلا پہنچائی ہے۔ بلکہ ان کے حالات و واقعات کو اپنے کلام کا موضوع خاص بنایا ہے۔ جیسا کہ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

یعقوب رفت دروی بده چشم خانه را
کزگرد راه پیرهن یار می رسد۵۲۴

ای زلیخا خبر از نکهت پیراهن گیر
غارت این قافله در سرحد کنعان شده است۵۲۵؎

تاجر مصریم ای کنعانیان نذر شما
تحفه مانند بوئ پیرهن خواهیم کرد۵۲۶؎

مخلصؔ کی متعدد غزلیں چھوٹی بحر میں بھی ملتی ہیں انہوں نے جہاں حسن و عشق کے موضوعات کو غزل میں خوبصورتی سے سجایا ہے وہیں پر اپنی زندگی کے نشیب و فراز کو بھی موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ ذیل کی غزل میں وہ اپنی نوجوانی کے حالات زندگی سے گریز اور غم روزگار و غم دوران کی شکایت کرتے ہیں۔

مینوای عالم جواینها	تلخ کردید زندگانیها
میکشی دامن از سر خاکم	من بقربان سرگرانیها
تاچه سرهادهد ساد چوشمع	حسن این قسقه زعفرانیها
برگ گل بعینه ماند	مژه من زخون فشانیها
من و تقوی چه ممکن ای واعظ	نیست حاصل قصه خوانیها
در غمت چو شگوفه نارنج	پرکشم بنو جو انیها
بود خون آید از گل اشکم	آه زین جامه ارغوانیها
زنده ماندم جدازهمچوتوی	داداز دست سخت جانیها
نیست جرات بفیض حال مرا	گله مندم زبی زبانیها
نازکی بین که جامه گلدوز	برتنش می کند کرانیها
داری از نام مخلص اکنون نیك	یاد ایام مهربانیها۵۲۷؎

مخلصؔ محبوب کی بے وفائی کے باوجود اس کی سلامتی چاہتے ہیں اور اپنی تمام عمر اس کی یاد میں اپنے آپ کو مٹا کر گذار دینا چاہتے ہیں:

هر کجا است دل دارسلامت باشد	یارب این یار وفا دار سلامت باشد

خونی اگر شد دل شوریده بفرمان سرش
گل انگوشه دستار سلامت باشد

گرمناسب نبود آمدنم در کویت
بنده پرور سربلزار سلامت باشد[۵۲۸]

عمر من از چه نمیکردی
زندگی بتو جان بلب دارد

سوختم بسکه از حرارت عشق
استخوانم چو شمع تب دارد[۵۲۹]

مخلص کو دنیا کی بے وفائی کا بھی گلہ ہے اور اس صحرا یعنی دنیا میں مثل مجنون سرگردان ہیں۔ مخلص اپنے ان پراگندہ خیالات کو نظم میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

دل اکثر می کند مانند مجنون سوی این صحرا
زلیلیٰ یاد از بس میدهد آهوی این صحرا

زنسل قیس شاید فوت شد دیوانۂ دگر
پریشان مست یار آرید مجنون موی این صحرا

پس از مجنون نشدتا جاده هالبریز از ارشکم
نیاید یار آب رفته در جوی این صحرا

زاشکم ترنشد کاش مخلص وادی لیلیٰ
خجالت می کشد مجنون از روی این صحرا[۵۲۹]

مخلص کو شاعری کی ہر صنف میں کمال حاصل تھا۔ انہوں نے رباعیات کو بھی اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔ ان کی رباعیات خیام کی پایہ کی تو نہیں ہیں لیکن فارسی شاعری میں ایک خوشگوار اضافہ ضرور ہیں۔ ان کی رباعیات میں ہندوستانی موسم اور تہواروں کے علاوہ دیگر موضوعات بھی ملتے ہیں:

فصل گل و جوش ابر سرست را
مخلص اگرت ذوق طرب مست را

فرصت منت سیر می باید کرد
چون زلاله ز خانه جام در دست را

امروز که تو قبله جان و دل ما
افضال عمیمیت مه جاشامل ما

صد شکر تصدق نسیم کرمت — که دید بریك غنچه حل مشکل ما۵۳۰؎

درتعریف ہولی

خلقی سودای بهار هولیست — برخرمی و طرب بدار هولیست
رفته است و خویشتن رنگی هرکس — این کار شراب نیست کار هولیست۵۳۱؎

دلدا که براه عشق قربان کردم — از داعی خند گل و دامان کردم
چون لال بامید تماشای بتان — در خود زدم آتش چراغان کردم۵۳۲؎

حرف عشقم بگوش چون آید — در شعر نو کهنه چون می آید
مخلص قفس لال بریشم بردار — زین لاله چند بوی خون می آید۵۳۳؎

مخلصؔ کے دیوان کی آخری رباعی

یارب که بکام ما احیا باشی — طمع که همیشه مسند آراباشی
ای یوسف مصر سوادجویی — هر جا باشی عزیز زلیخا باشی۵۳۴؎

ان رباعیات کے علاوہ مخلص نے در شکایت ایام تابستان، در تعریف کشتی، در تعریف خط، در تعریف انبہ، از عالم ہزین و دیگر موضوعات پر بھی رباعیاں لکھی ہیں۔

مخلصؔ کا تعلق کسی شاہی دربار سے تو نہیں تھا لیکن نوابین کی توجہ ضرور ان کی طرف تھی۔ گمان غالب ہے کہ ان کی طرف سے مخلص کو وظائف بھی ملتے ہوں گے۔ مخلص پر جب جب جن نوابین نے توجہ فرمائی یعنی ان کا وظیفہ مقرر کیا انہوں نے اسی تاریخ میں اشعار کہے جو ان کے دیوان میں شامل ہیں۔ ذیل کے اشعار اس بات کا بین ثبوت ہیں۔

تاریخ توجہ نواب صاحب وزیر الممالک اعتماد الدولہ جتن بہادر تشریف آوری محمد شاہ پادشاہ غازی بنواب صاحب در خضر آمد

ختن بها در اعتماد الدوله نواب وزیر — آنکه بلشد ست جوش در فشان همچوسحاب
آنکه برق تیغ او گر رخشداز ابرنیام — زهره دشمن شود چودانه انگور آب۵۳۵؎

قبله عالم محمد شاه غازی بادشاه	ثانی صاحبقران شاهنشه مالك رقاب
از قدوم خود که خورش گردره شدبا چومهر	خلنه اش را داد چون آئینه دیگر آب و تاب
وصف او در خورد جوهرش زره مقد رنیست	آفتلبست آفتابست آفتابست آفتاب ۵۳۵

مخلص کو شعر میں تاریخ بیان کرنے پر کمال حاصل تھا یہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ وہ شعر کہنے میں استادانہ دسترس رکھتے تھے۔ انہوں نے ہر بات اور ہر واقعہ کی قطعہ تاریخ کمال خوبی سے کہی ہے۔ ذیل کے قطعات میں وہ اپنے مکان کی تاریخ نظم کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس زمانے میں رواج تھا کہ عمارت کی تاریخ بنا قطعہ لکھ کر مکان کے دروازے پر نسب کرتے تھے۔ مخلص بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں:

تاریخ عمارتی کہ راقم سطور برای خود در شاہجہان آباد ترتیب دادہ

جواهر خانه دلکشاتر زبانم	که باشد روی زمین بی بدل
بطراحی شوق تقطیع یافت	چو موزون جوابان رنگین جلل ۵۳۷

تاریخ رحلت والدہ ماجدہ نواب صاحب وزیر الممالک اعتماد الدولہ بہادر

چو پرسیدم از سال رحلت زعقل	بگفتا بخلد برین کرده جایی ۵۳۸

تاریخ ترتیب یافتن دیوان غزل خودم

شد رانداخت بگلزار سخن	چه چه بلبل فکرم مخلص
یافت ترتیب چود یوان تاریخ	کردم انشاکل فکرم مخلص ۵۳۹

تاریخ انتخاب دیوان خودم

زدیوان منتخب چو کرداشعار	چون برداز تراز موقلم کلك
تجویر خرد تاریخ اتمام	عجایب انتخابی در قلم کلك ۵۴۰

بندرابن داس خوشگو

بندرابن داس خوشگو متھرا کے بئیس فرقہ کے راجپوت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب ہندوستان کے مشہور راجا بکرمادت سے ملتا ہے۔ جیسا کہ سفینہ ہندی کے مولف کا بیان ہے:

"بندرابن خوشگو از طائفه بئیس است که فرقه ایست از قوم راجپوت بیواره من مضافات اودھ سلسله انساب ایشان بسال باهن که سنه اومثل راجا بکرمادت در کواغذ هندی جادیست می رسد۔" ۵۴۱

خوشگو کے والد اورنگ زیب کی فوج میں شیورام داس حیا کے والد کے ساتھ ملازمت کرتے تھے۔ ان کے دادا اعظم شاہ سے پہلے محمد شاہ کے شاہی دربار میں منصب پیش وکالت پر فائز تھے۔ تذکرہ نگاروں کے بیان میں خوشگو کے وطن اور جای پیدائش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ متعدد تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ ان کا وطن متھرا ہی تھا۔ اور ان کی پیدائش متھرا کے گردونواح ہی میں ہوئی تھی۔

شفیق اپنے تذکرہ گل رعنا میں خوشگو کے نام اور جای پیدائش کی توضیح ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

"خوشگو هندوی است از قوم بئیس۔ مولد و منشا او متهرا بلده ایست قریب اکبرآباد و نام او این نام موضعی است از متهرا و داس در زبان هندی غلام راگویند یعنی غلام آن موضع بلاتشبیهه مثل نجف قلی، چه متهرا موطن کشن (کرشن) باشد که مقتدائی عمده هنود است۔" ۵۴۲

بندرابن متھرا میں جگہ کا نام ہے اور داس کو ہندی زبان میں غلام کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی بندرابن داس کا مطلب ہوا ''بندرابن کا غلام'' متھرا ہندوؤں کا مقدس مقام مانا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ان کے مشہور اوتار کرشن جی کی جای پیدائش ہے۔ اسی مناسبت سے ان کا نام رکھا گیا۔

مخزن الغرائب کے مولف کا بھی یہ ہی بیان ہے کہتے ہیں کہ:

"خوشگو بندرابن خوشگو تخلص از قوم بئیس راجپوت بوده." ۵۴۳

عطا کاکوی نے خوشگو کے سفینہ کو مرتب کرتے وقت ابتدائی صفحات میں لکھا ہے کہ خوشگو نے اپنے حالات زندگی کو سفینہ میں داخل نہیں کیا۔ اسی وجہ سے ان کے حالات صحیح طور پر معلوم نہیں ہوتے۔ وہ لکھتے ہیں:

"خوشگو احوال خویش را درین سفینه داخل نه کرد و ازین سبب حالاتش کماحقه معلوم نیست این قدراز دیگر تذکره ها ونیز ضمناً که درین سفینه بیان کرده معلوم میشود که وطنش متهرا بود. پدر کلانش و خدمت پیش وکالت درگاه بادشاهی از قبل شاه (اعظم شاه) داشته. و پدرش با پدرشیورام داس حیاؔ در لشکر عالمگیری بوده. عمش سدانند بے تکلف خود شاعر بود. ودرسرکارقدسیه جهان زیب بانو بیگم به خدمت سرفراز بود." ۵۴۴

مولف روز روشن کے بیان میں دیگر تمام تذکرہ نگاروں سے تضاد پایا جاتا ہے۔ انہوں نے ان کا وطن دہلی ہی لکھ دیا۔ حالانکہ ان کا یہ بیان درست نہیں ہے اور صرف قیاس پر مبنی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ خوشگو نے جو دہلی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اسی کے سبب انہوں نے ان کو دہلوی لکھ دیا جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

"خوشگو۔ بندرابن داس دهلوی از ماهران لب و لهجه

ارباب لسان است۔" ۵۴۵ؔ

مندرجہ بالا بیانات کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ خوشگو کی جائے پیدائش و وطن متھرا ہی تھا۔

خوشگو کے سال پیدائش کے بارے میں کسی بھی تذکرہ نگار نے نہیں لکھا ہے۔لیکن خود خوشگو کے بیان سے جو انہوں نے اپنے سفینہ میں میرزا عبدالقادر بیدؔل کے حالات زندگی لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"فقیر درین مدت عمر که پنجاه و شش مرحله طی کرده باهزاران مردم ثقه برخورده باشیم۔" ۵۴۶ؔ

خوشگو کے قول کے مطابق کہ انہوں نے اپنا تذکرہ ''سفینۂ خوشگو'' ۱۱۳۷ھ سے ۱۱۴۸ھ درمیان میں مکمل کیا ۵۴۷ؔ یعنی تقریباً دس سال میں تصنیف ہوا۔ اس تذکرہ میں خوشگو کے بیان کے مطابق جب وہ اپنے استاد میرزا عبدالقادر بیدؔل کے حالات لکھ رہے تھے۔ تو ان کی عمر ۵۶ سال کی تھی۔ اس کے مطابق ان کا سال پیدائش ۱۰۸۵ھ ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے استاد کے حالات زندگی ۱۱۴۱ھ میں قلم بند کر رہے تھے۔

خوشگو نے چونکہ ایسے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں جہاں علم و ادب کا بول بالا تھا۔ شعر و شاعری کا ماحول تھا جس کی بدولت ان کا فطری رجحان اور ذہن طبع بھی علم و ادب اور شعر و شاعری کی طرف مائل ہو گیا۔ انہوں نے اس زمانے کے نادر و نامور شعراء اور بزرگوں کی صحبتوں سے فیض حاصل کیا۔ چوذہ سال کی عمر میں وہ شعر کہنے لگے تھے۔ خوشگو محمد افضل سرخوؔش، میرزا عبدالقادر بیدؔل، سراج الدین علی خان آرزؔو، حکیم چند ندرت اور شیخ سعداللہ گلشن جیسی مشہور ہستیوں کے شاگرد رہے۔ مجمع النفائس کے مولف لکھتے ہیں:

"استفاده بسیار از خدمت بزرگان فن مثل میرزا عبدالقادر بیدؔل میرزا افضل سرخوش و حضرت شیخ سعد الله گلشن قدس سره نموده از مدت بیست و پنج سال تخمیناً باین همچمدان ربط کلی بهم رسانیده۔" ۵۴۸ؔ

تذکرہ گل رعنا کے مولف کا بیان ہے:

"خوشگو اسمیست بامسمیٰ و عندلیبی است رنگین نوا فیض ھا از برکات صحبت بزرگان و سخن سنجان برداشته مثل میرزا عبدالقادر بیدل و محمد افضل سرخوش و شیخ سعد الله گلشن و مشق شعرا ز نظر سراج الدین علی خان آرزو گذرانیده۔" ۵۴۹

مقالات الشعراء کے مولف رقم طراز ہیں:

"ابتداء مشق سخن پیش میرزا بیدل و محمد افضل سرخوش و سعدالله گلشن نمود و خان آرزو و مغفور نوشته که از مستفیدان فقیراست۔" ۵۵۰

سفینہ ہندی میں بھگوان داس ہندی لکھتے ہیں:

"اوائل بخدمت میرزا افضل سرخوش و میرزا بیدل و شیخ سعدالله گلشن استفاده می نمود۔" ۵۵۱

منتخب الطائف اور تکملتہ الشعراء کے مولف بھی یہ ہی لکھتے ہیں:

"بندرابن خوشگو تخلص از شاگردان رشید شیخ سعد الله گلشن و میرزا افضل سرخوش و میرزا بیدل و خان آرزو یست۔" ۵۵۲

خوشگو کو میرزا عبدالقادر بیدلؔ کی صحبتوں میں بیٹھنے اور ان سے کسب فیض حاصل کرنے کا زیادہ موقع ملا ہے۔ انہوں نے سیکڑوں مرتبہ استفادہ کیا ہے۔ اس لئے وہ نوجوانی سے ہی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر شاعری کی اصلاح اور دیگر علوم کا درس حاصل کرتے تھے۔ خوشگو میرزا عبدالقادر بیدلؔ کی قادرالکلامی، فصیح بیانی اور راست گوئی کے معتقد ہیں فرماتے ہیں:

"فقیر خوشگو درعمر خود زیاداز هر مار مرتبه

بخدمتش مستفید شده باشم. ندیدم که کسی ازین جماعت
که غلط گویش می گویند بحضوراو رفته حرف سبز کرده
باشد." ۵۵۳ؔ

از عنفوان شعور به خدمتش بندگی داشته، ور سائل
و عروض و قافیه و معماو اکثر دوادین تازه گویان پیش او
گذرانیده." ۵۵۴ؔ

خوشگو نے اپنے استاد میرزا عبدالقادر بیدلؔ کی شبانہ محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ اور دوران گفتگو جو حکایتیں اور مثالیں بیان کرتے تھے ان کو قلمبند کرتے تھے۔ اور استاد کی ان شعری نشستوں کو جنہیں وہ ذکر خدا کی محفل کہتے تھے، کے بارے میں خوشگو کہتے ہیں کہ:

"سرشام بدیوان خانه تشریف آوردی تانیم شب
نشستی و اقسام حکایات و امثال کار آمدنی درمیان
آوردی. فقیر (خوشگو) ملفوظاتی نوشته که اکثر
مذکورات آن صحبت ها در وداخل است. و اکثر اوقات در
گپ زد نها زیادگذشتی فرمودی که یاران الحال باید ذکر
خدای که کنایه از شعر خوانی باشد درمیان آید." ۵۵۵ؔ

خوشگو نے اپنے استاد میرزا عبدالقادر بیدلؔ کی تعریف و توصیف میں متعدد رباعیات نظم کی ہیں۔ جو عقیدت کے جذبے سے پر ہیں۔ اپنے استاد کے زور بیان کی تعریف میں کہتے ہیں:

ای زور تودندان شکن اهل سخن — خوش گوئی ضعف را چه یارائی دهن
گرز در کند بیك دو حرف تعریف — حقا که بود زبان رستم الکن۵۵۶ؔ

وہ اپنے استاد کو اپنا رہنمائی سخن، پیشوا اور یہاں تک کہ انہیں پیغمبر، غوث، اور پیشوائی سخن، خداوند سخندانی جیسے القاب سے یاد کرتے ہیں:

میرزا بیدل که رهنمائی سخن است | پیغمبر و غوث و پیشوائی سخن است
یکتا است در آفریدن طرز کلام | بالله که بی سخن خدائی سخن است۵۵۷

خوشگو نے اپنے استاد میرزا عبدالقادر بیدل کی عظمت و بزرگی اور ان کے علم وفن اور شاعری کی ستائش کی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے ان کے انداز تکلم کو سراہا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ رک رک کر گفتگو کرتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے دہن سے موتی برس رہے ہوں یا پھول جھڑ رہے ہوں۔ بیدل کی آہستہ کلامی اس درجہ تھی کہ آخری صف نشینان کم سن پاتے تھے۔ خوشگو کہتے ہیں کہ اُن کا ایک غلام تھا جس کو وہ چلم تازہ کرنے کے لئے بلاتے تھے اور وہ غلام باوجود قریب ہونے کے بلند آواز میں جواب دیتا تھا۔ اس غلام کا نام "مضمون" تھا۔ وہ اکثر بے ربط شعر بلند آواز سے پڑھتا کہ جس کی آواز باہر تک آتی اور کوچہ میں یہ پتہ چل جاتا کہ آنحضرت شعر پڑھ رہے ہیں۔ خوشگو نے اس غلام کے نام کی مناسبت سے ایسے موقعہ کے لئے ایک شعر کہا جس کو انہوں نے بیدل کے ذکر میں نقل کیا ہے۔

بیدل که تخت گاه فصاحت مقام اواست
معنی کنیز او شد و مضمون غلام او است۵۵۷

خوشگو بیدل کی قدرت پرگوئی اور سخن طرازی کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کو شعر کہنے پر اتنی قدرت حاصل تھی کہ اگر قلم اٹھالیتے تو ایک روز میں پانچ سو شعر کہہ ڈالتے۔ بیدل نے رودکی کی رباعی کے جواب میں ایک رباعی کہی اور حق ادا کر دیا۔ خوشگو نے بھی اپنے استاد کی اس رباعی سے متاثر ہو کر اسی مضمون میں ایک رباعی کہی جو ان کی فارسی شاعری پر قدرت کی دلیل ہے۔ وہ تینوں رباعیاں یہ ہیں:

(رودکی)

آمد برمن که، یار، کی، وقت سحر | ترسیدزکه، زخصم، خصمش که، پدر
دارمش چه، بوسه، برکجا برلب، وبر | لب بُدنه، چه بُد، عقیق چون بُد، چوشکر

(بیدل)

دمی خفت که، ناقه، درکجا خفت، بکل
کردم چه، فغان، از چه، زیاد منزل
دادازکه، زخود، چرا، زسعی باطل
کا فتادچه، بارا زکه، سربرکه، بدل
(فقیر خوشگو)

رفتم بکجا بباغ، کی، فصل بهار
دل تنگ چسان، چو غنچه، چون، بی للدار
دیدم چه شکسته گلی از چه زبوئی
گل بد، چه، بدنامۂ از که، ازیار ۵۵۹ؔ

ان رباعیوں میں رودکی اور بیدل نے صنعت قوافی سے کام لیا ہے لیکن چاروں مصرعے مقفی ہیں۔ خوشگو نے بھی یہ رباعی کہی لیکن انہوں نے وہ خاص صنعت تیسرے مصرعے میں روا نہ رکھی۔

خوشگو نے اپنے استاد میرزا بیدل کی تاریخ وفات کی مندرجہ ذیل رباعی نظم کی ہے:

افسوس که بیدل زجهان روی نهفت
وآن جوهر پاك در ته خاك بخفت
خوشگو ز عقل کرد تاریخ سوال
"از عالم رفت میرزا بیدل" گفت۵۶۰ؔ

خوشگو اپنے پیر ومرشد شیخ سعداللہ سے بہت زیادہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ انہوں نے ان کی باطنی تربیت کی تھی جس کی وجہ سے ان کے دل میں مذہب اسلام سے ایک خاص لگاؤ پیدا ہوگیا تھا۔ ذیل کے شعر میں وہ اپنے استاد کے نام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو گلشن معنی کہتے ہیں کہ ان کی شخصیت علمیت کی مظہر ہے۔ وہی ان کے قبلہ وہی ان کے پیراور وہی ان کے استاد ہیں۔

گلشن معنی جناب شیخ سعدالله ما

قبله ما پیرما، استاد ما شاه ما۵۶۱ؔ

خوشگو، شاہ گلشن کی شاعرانہ محفلوں میں شرکت کرتے تھے۔ شاہ گلشن جمنا کے کنارے اورنگ زیب کی بیٹی شہزادی زینت النساء بیگم کی مسجد زینت المساجد میں تقریباً ۲۰ سال تک شاہجہاں آباد میں سکونت پذیر رہے۔ شنبہ کے دن اکثر صاحب سخن اس مسجد میں جمع ہوتے۔ شعر و شاعری کی محفل رونق افروز ہوتیں۔ خوشگو بھی اس مشاعرہ میں برابر شریک

رہتے تھے۔ انہوں نے اس محفل شعر کی مناسبت سے ایک روز مشاعرے میں یہ شعر پڑھا:

اگر آب و هوای گل زمین شعر خواهی بین

فضای مسجد بیگم کنار آب جمنا را[۶۲۱]

خوشگو کہتے ہیں کہ شیخ سعداللہ گلشن نے ان پر خاص توجہ عنایت فرمائی وہ ان کی صحبتوں سے تقریباً دو ہزار بار فیضیاب ہوئے۔

"بر فقیر تو جهات در نهایت داشت. اکثر به ویرانه قدم رنجه می فرمود و فرمائش اطعمه هندوانه می نمود فقیر زیاد از دوهزار بار گلهای فیض از صحبت آن گلشن فیض چیده." [۶۲۳]

خوشگو نے اپنے استاد شیخ سعداللہ گلشن کی تاریخ رحلت بھی لکھی ہے:

"فقیر خوشگو تاریخ رحلت ایشان ازین مصرع برآورد

جای گلشن به بهشت ابدی" [۶۲۴]

۱۱۴۰ھ

اپنے استاد میرزا افضل سرخوش کے فیض و برکت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر فیض و برکت عطا فرمائی تھی کہ جو کوئی بھی ان کی خدمت میں پہنچتا تھا۔ اور ان کے سامنے اپنا کلام پیش کرتا وہ قبول ہو جاتا تھا۔ خود خوشگو نے بھی چودہ سال کی عمر میں ان کے آستان مبارک پر اپنی پیشانی جھکائی تھی اور اپنی ٹوٹی پھوٹی شاعری کی اصلاح ان سے کرائی ایک روز انہوں نے یہ مصرع پڑھ کر اپنے استاد کو سنایا—

"بود غمخواری کو دک پس از مرگ پدر عم را"

استاد ان کا یہ مصرع سن کر بہت خوش ہوئے۔ اور انہوں نے مصرع پر دستخط فرما دی:

"این مصرع از عالم معنی است. بعد مشق بسیار دست می دهد از عین غافل نباشی و خود پیش مصرع رسانید." ع

کشیدم بعد مجنون تنگ در آغوش جان غم را

خوشگو نے اپنے استاد کے مشورہ پر عمل کیا اور اسی جوش وخروش اور لگن سے شعر کہنے لگے اور اپنے استاد کے مصرع پر یہ مصرع لگایا:

چو مجنون داد جان من پرورش کردم بجان غم را

خوشگو کے استاد محمد افضل سرخوش نے ان کی خوش کلامی سے خوش ہو کر ان کو ''خوشگو'' تخلص عنایت فرمایا۔ ۵۶۵

خوشگو نے اپنی عمر کے پچیس سال سراج الدین علی خان آرزو کی خدمت میں بسر کیے۔ تین دفتر پر مشتمل سفینہ لکھا۔ جس میں انہوں نے تمام فارسی گوشعراء اور بزرگ ہستیوں کے حالات زندگی اور ان کے کلام کو ایک جگہ جمع کیا ہے۔ خان آرزو نے کئی بار اصلاح کی نظر سے ان کا مطالعہ کیا اور اس میں اضافہ بھی کیا۔ خوشگو کا کہنا ہے کہ خان آرزو ان پر ضرورت سے زیادہ مہربان تھے۔ ان کے نظر کرم نے خوشگو کو زرہ سے آفتاب بنا دیا تھا۔ وہ اپنے تمام شاگردوں سے زیادہ خوشگو کو چاہتے تھے۔

خوشگو کو بھی اپنے استاد خان آرزو سے بے انتہا ارادت وعقیدت تھی۔ وہ باقاعدگی سے ان کی شعری نشستوں میں شریک ہوتے تھے۔ آرزو دیگر شاگردوں کی موجودگی میں جب غزل کہا کرتے تھے تو وہ خوشگو سے نقل کرنے کو کہتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے ایک غزل تمام شاگردوں کی موجودگی میں کہی۔ اور اس کے مقطع میں خوشگو کا نام نظم کیا:

آرزو را محبت خوشگو باز دارد زفکر هائ دگر

خوشگو بھی ان کے ہونہار اور ذہین شاگرد تھے۔ وہ استاد کی اس زرہ نوازی سے بہت متاثر ہوئے۔ اور انہوں نے اسی زمین میں غزل کہہ ڈالی۔ مقطع میں اپنے استاد کا نام لے آئے۔ اس میں انہوں نے استاد کی محبت اور شاعری کی تعریف وتوصیف بیان کی اور اس کو استاد کے سامنے پیش کیا:

آرزو آن سراج دین علی که به طبعش بود ضیائی دگر
هند از ذات او شده ایران بخدا هست صایبائی دگر
من شاگرد حضرت خودرا کرد مشمول لطفهائ دگر

نامم از مقطعش جهان گرادست　　قطع کر د م کنون زپائ دگر
آرزو را محبت خوشگو　　باز دارد زفکر هائ دگر۵۶۶

خوشگو نے لالہ شیو رام داس حیا سے اپنی ملاقات کا ذکر اپنے سفینہ میں کیا ہے۔ جب وہ پہلی بار ان سے ملے تو انہوں نے ان کی ضیافت کے بعد ان سے غزل کی فرمائش کی۔ اس غزل کے چند شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں جو خوشگو کی زبان و بیان پر قدرت اور شعر گوئی کی استعداد کا مظہر ہے:

کجا با نرگسی پهلو زند چشم سخن گویش　　هلالی خط به بینی می کشددر پیش ابرویش
مگر ذوق سخندانی بیاداو دهد نامم　　تولی قاصد بتقریبی بخوان مقطع زخوشگویش۵۶۷

خوشگو نے اپنا سفینہ محمد شاہ کے دور حکومت میں دہلی میں تالیف کیا جس میں تمام قدیم و جدید شعراء کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اسے عمدۃ الملک امیر خان کے نام معنون کیا جو عظیم آباد کے ناظم تھے۔ امیر خان نے ان کی اس خدمت کے طفیل میں ان کو دو روپیہ یومیہ دیتے تھے جس سے ان کی گذر اوقات ہوتی تھی۔

"تذکرة الشعراء ...... رنگین محتوی براحوال شعراء سلف و خلف تا معاصرین به خامه استعداد نوشته و آن را بنام عمدة الملك امیرخان متخلص به انجام مزین ساخته. نواب در جلددئی آن دو روپیه یومیه اوبر محصول مسائر اله آباد مقردنمودتا نواب بقید حیات بودی یافت."۵۶۸

مخزن الغرائب کے مولف لکھتے ہیں:

"نوکری پیشه بود و آخر فقیر شد. بسیار بزرگان رادیده نواب امیر خان دو روپیه یومیه اش درذی درویشان اله آباد نمود."۵۶۹

سفینہ ہندی کے مولف رقم طراز ہیں:

"تذکرة الشعرای از زمان متقدمین تاشعرای زمانی

خود بنام امیر خان مرحوم نوشته ...... و پیشه نوکری می گذرانید آخر ترک لباس کرده فقیر شد۔ امیر خان که ناظم صوبه اله آباد بود دوروپیه یومیه باور سانید و اوبآن اوقات بسر می برد۔" ۵۷۰

اپنے تذکرہ کی پہلی اور دوسری جلد میں خوشگو نے متقدمین و متوسطین شعراء کا حال تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور تیسری جلد میں معاصرین شعراء کے حالات زندگی اور کلام کو یکجا کیا ہے۔ خوشگو کا فطری رحجان علم و ادب اور شعرو شاعری کی طرف مائل ہوا اور اپنے اس شوق کی وجہ سے وہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں گئے اور وہاں کے شعراء کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے۔ سید عبداللہ کا بیان ہے:

"خوشگو بندرابن داس (متوفی ۱۱۷۰ھ) از شاگردان سرخوش، تذکرہ خوش گو اس کی تصنیف ھے جس سے معلوم ھوتا ھے که شاعر نے اپنے ابتدائی تعلیم کے بعد جو بیغم بیراگی اور سدانند بے تکلف کے پاس حاصل کی ملازمت اختیار کی۔ اس حیثیت سے اس نے ھندوستان کے بڑے بڑے شھروں میں قیام کیا اور وھاں کے شعراء سے ملاقات کا اتفاق ھوا۔" ۵۷۱

خوشگو اپنی تصنیف سفینہ خوشگو کی وجہ سے زیادہ معروف و مشہور ہوئے۔ حالانکہ انہوں نے شاعری میں اپنا دیوان یادگار چھوڑا تھا جو اب ناپید ہے چنانچہ ان کی شاعری کا ناقدانہ تجزیہ پیش کرنا مشکل ہے۔

خوشگو شروع میں نوکری کرتے تھے، بعد میں انہوں نے فقیری کا مسلک اختیار کرلیا۔ وہ فقیروں کے درمیان آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے کبھی بنارس، کبھی الہ آباد اور کبھی عظیم آباد آتے جاتے رہتے تھے۔ ان کا انتقال عظیم آباد میں ہوا۔ خوشگو کی تاریخ وفات کے بارے میں عطا کاکوی صاحب جنہوں نے سفینہ مرتب کیا ہے، لکھتے ہیں:

"آخر کار در عشره سابع بعد ماة والف در عظیم آباد جان به جان آفرین سپرد۔" ۲ ۵۷

خوشگو کی تاریخ وفات کے بارے میں شفیق کا بیان ہے:

"آخر لباس دنیاداری ترک داده۔ درزمی فقرامی زیست و به طرف آله آباد بسر می برد و در عشره سابع بعد ماة والف (۱۱۷۰ھ) در عظیم آباد پتنه پیکر عنصری و اگذاشت۔" ۳ ۵۷

صحف ابراہیم کے مولف لکھتے ہیں:

" او آخر ترک پیشه نوکری کرده۔ در لباس فقرانه میزیست تاآنکه در عشره هفتم بعد یکهزار و یکصد هجری در عظیم آباد صوبه بهار رحلت نمود۔" ۴ ۵۷

مذکورہ تذکرہ نگاروں کے بیان سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ خوشگو ۱۱۷۰ھ میں عظیم آباد جا کر اس دارفانی سے رخصت ہوئے۔

حکیم الممالک شہرت حسین شہرت تخلص جو اصل میں عربی تھے اور ان کے آب و اجداد شیراز کے رہنے والے تھے۔ اعظم شاہ کے زمانے میں ہندوستان آ گئے تھے حکمت و طبابت کے علاوہ حکیم شہرت شاعری میں بھی درجہ کمال رکھتے تھے۔ وہ ہندوستانی شعراء اور خاص کر میرزا عبدالقادر بیدل اور اسلم سالم کی صحبت میں رہتے اور ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے یہ استاد شاعران پر بہت مہربانی فرماتے تھے۔ حکیم چند ندرت اور خوشگو بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے۔ ایک دن انہوں نے ایک شعر کہا اور خوشگو سے فرمایا کہ طرح کنید:

نقش من از پاکبازی برسرکویت نشست
شش جهت را کرد ششدر نزدمن بید ردمن

خوشگو نے بھی فی البدیع جواب دیا جس کو انہوں نے پسند فرمایا۔ وہ

شعر ہے:

خواه برخاکم بیفگن خواه بردار از زمین
هست در دست تو طاس نردمن بیدردمن ۵۷۵ھ

خوشگو نے ایک غزل میرزا بیدلؔ کے عرس کے موقع پر تقریباً سوشاعروں کے سامنے اپنی شاعری کی تعریف میں پڑھی۔ ان کو اپنی شاعری پر بڑا ناز تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ استاد آرزو نے بھی میرے کلام کو سن کرآفرین کہا ہے۔ یہ غزل انہوں نے اپنے ہم عصر شاعر حضوریؔ اور حکیم چند ندرت اور دیگر شعراء کے اس اعتراض میں نظم کی تھی جنہوں نے خوشگو کی شاعری کو کم درجہ کی شاعری گردانا تھا۔ انہوں نے ان اعتراض کرنے والے شعراء سے کہا کہ جو اپنے آپ کو اہل فن سمجھتے ہیں پہلے وہ فن شعر کو جانیں۔ اس کے بعد ان کا اعتراض جائز ہوگا۔ کہتے ہیں کہ یہ مدعا بیان کرنے سے میرا مطلب خودنمائی اورعرض کمال نہیں ہے۔ انؔ کی فارسی زبان پرقدرت کی دلیل ذیل کے اشعار سے پیش کی جاسکتی ہے:

بنده خوشگو را بدرگاه بزرگان سخن — التماسی هست باید داشتن گوشی به من
مطلعی گفتم که استاد آرزو گفت آفرین — مطلعی چون مطلع خورشید و آن این است این
زاهد از مستان مصلای نمازی دورداد — ورنه گرداغ شراب افتدبرو معذوداد
شاعر عزائی وقت خویش طرز تازه جو — رود کی این زمان بسیار گوی و خوب گو
اختر سعد سخن استاد فن عالِم مقام — آنکه نام اواختر کرد روشن روم و شام
برچنین مطلع که چشم اختر از وی دوربار — اعتراضی کرد از بس داشت بامن اتحاد
نیست داغ افتادن‌اندر فارسی هرگز درست — اهل این فن را زبان دانی ضروری شد نخست
گفتمش هر چند داغ افتاد نم گوش آشنا است — لیك تاپیدانمی گرددسندحق باشماست
بعد فرمودآن سخن درکاین بود محض غلط — من غلط فهمیده اصلاحش نمودم این بخط
زاهد از مستان مصلای نمازی دوردار — ورنه گر آلودهٔ صهبا شود مند وردار
خواندروزی رنگ و بوی باغ فن یعنی بهار — بیتی از اشعار استاد تمام ایران دیار
حضرت صائب که قربانند خورشید و مهش — سرمه چشم صفاهانست خاك در گهش

آن که باشد هر زبان دان را کلامش معتمد — همچو قول شرع کا مدو راصول دین سند

داغ می گلگل بطرف دامنم افتاده ست — همچو مینامی کشی برگردنم افتاده است

چون به شعر موجداین کلر داغ افتادن ست — صحت این فلرسی براهل بنیش روشن ست

شعر سابق هم صحیح ست از نظیریی نظیر — هر که می گوید غلط باشد غلط گونا گذیر

دارم امید از سخن سنجانکه ار شادی کنند — نسخه کان خوبتر باشد بروی صادی کنند

مدعا زین گفتگو عرض کمال خویش نیست — زانکه وضع خود نمائ شیوۂ درویش نیست

بنده را باشعر خود کلرست نی بلهیچ کس — از غلط باید حذرکردن سخن این لست و بس[۵۷۵]

شیخ فقیر اللہ آفریںؔ کا شمار لاہور کے استاد شعراء میں ہوتا تھا۔ خوشگو ایک بار سیر و سیاحت کی غرض سے لاہور گئے۔ ملا آفریں سے ملنے کا اشتیاق ان کو تیس سال سے تھا۔ برسبیل ملاقات ایک غزل لکھی لیکن شرف دیدار حاصل نہ ہوا۔ انہوں نے وہ غزل ان کی خدمت میں بھیج دی۔ وہ بہت زیادہ خوش ہوئے۔ خوشگو نے ان کی شاعری کی مدح سرائی بہت دلکش اور موثر انداز میں کی اور مطلع میں ان کے تخلص "آفریں" کے تکرار سے ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے:

برکمال آفرینؔ باداز دو عالم آفرین — آفرین صد آفرین بل صد هزار ان آفرین

شاه لاهور سخن مالك رقاب ملك نظم — کزسپاه لفظ و معنی کوس زد درروم و چین

قهرمان طبع او برفکر شد هر گه سوار — همچو نام خود جهان آورد در زیر نگین

نکته های طبع او پیچیده ترا ز زلف یار — نقطهائ خامه او خال برروئی زمین

بکرفکرش هر کجا برقعه برانداز دزرخ — آب حیوان آبریزی خواهد از درثمین

در ریاض خاطر او دانه چینی می کند — خیل معنی همچو طاؤس بفردوس برین

ای ز شاگردان درگاه تو استادان وقت — کر داستادِ جهان شاگرد رب العالمین

بنده خوشگو کلر زواز مدت سی ساله داشت — آمده در خدمتت شاید که گرددبه ازین

سایه ات برخاکساران زمین شعرباد — مستظل چون سایه افلاك برفرق زمین[۵۷۶]

خوشگو سفینہ میں اپنے ہم عصر شاعر میاں نور العین واقفؔ کی صحبتوں کا ذکر کرتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کی ذات مبارک میں اوصاف درویشی اور استغنا بہت زیادہ تھی اور اکثر ان کے ساتھ خوشگو کی شعری نشست رہا کرتی تھی۔ ایک بار انہوں نے غزل کہی۔ جس کی طرح میں خوشگو نے بھی ایک غزل جواباً کہہ دی۔ یہ واقعہ خوشگو کے شعری ذوق اور سخن فہمی کی دلیل ہے کہ کس طرح ان کو زبان پر دسترس حاصل تھی اور فی البدیہہ شعر کہنے میں کس درجہ مہارت رکھتے تھے۔

(از واقفؔ)

همان بهتر که اکنون خون بگر یدعندلیب ما — که آن گل اشك را هم سنگ بلشبنم نمی داند

بچشم یار در بیگانگی همچشم افتاد است — درین وادی دلم خود را زآهو کم نمی داند

چو ابر تیره کو مگرید شب و روز از تمنایش — که چشمش سرمه را هم درحیا محرم نمی داند

(از خوشگو)

کسی کزجم نشان جزنام در عالم نمی داند — چرا برکف نگیر د جام و خودراجم نمیداند

دهان زخم مازخم دهان بیغمان باشد — که لب ارخنده بدبستن بصد مرهم نمیداند

غبلر چشم حق بین شد حسد هر جابجوش آمد — که شیطان غیر مشت خاك از آدم نمیداند

مرا هرشب بحال زار خوشگو گریه می آید — که لین دل مرده عمری شدبجز ماتم نمیداند۸ے۵

خوشگو فی البدیہہ شعر کہنے میں مہارت رکھتے تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے متعدد واقعات نقل کئے ہیں جو ان کی استعداد اور قابلیت و علمیت اور مشق شعر کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے ایک ہم عصر شاعر انامی داس مخلص جن سے ان کی راہ و رسم تھی اور وہ بٹالہ میں نواب ابوالبرکات خان صوفی کے ہاں منشی کی خدمت انجام دیتے تھے۔ خوشگو بھی جب ایک بار کوہ کانگڑہ سے آتے ہوئے جو ہماچل پردیش میں ہے قصبہ بٹالہ میں مخلص سے ملاقات کے لئے رکے تو نواب صاحب کی مجلس شعر میں شرکت کی۔ نواب صاحب خود شاعری کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے۔ صوفیؔ تخلص رکھتے تھے انہوں نے محفل مشاعرہ میں ایک غزل پڑھی۔ تو خوشگو نے اس کے جواب میں ایک شعر فی البدیہہ کہا۔ جو لوگوں کو بہت پسند آیا۔ اور پورے شہر میں اس کا چرچا ہوگیا۔

بجاست گردل پروانه طینتان سوزد
که شمع قامت خوبان زنور ریخته اند۵۷۹ھ

خوشگو کو اپنے زمانے کے خوش خیال استادوں کے استاد میرزا عبدالغنی بیگ قبولؔ سے بھی حد درجہ عقیدت تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک بار ان کی خدمت میں فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔ ایک غزل پڑھی۔ انہوں نے ایک مصرع انتخاب فرمایا۔ اس مصرع کو دوسرے مصرع میں استعمال کرنا تھا۔ خوشگو نے فوراً یہ شعر پڑھا جو قبول ہوا۔

بجز شکست نبود است کاروبار فلك
هزار شیشه دل گشت سنگسارفلك۵۸۰ھ

خوشگو کو بھی فن شعر میں اپنی قادرالکلامی پر فخر و افتخار تھا۔ اس کا اظہار وہ اپنے کلام میں یوں کرتے ہیں:

می کشد عاشقانه ناز ترا   گرچه نازك بود مزاج سخن
ای بلبل همچو گل خموش از سخن است   نلکیست بروز مره استاد فن است ۵۸۱ھ
قربان زبان یار ...... خوشگو   میم تکلم است گویا دهن است ۵۸۲ھ

مرزا قطب الدین مائلؔ تخلص جو خوش فکر، خوش فہم اور خوش طبع صفات رکھنے والے شاعر تھے۔ خوشگو نے ان کی غزل کی زمین میں ایک غزل لکھی:

(مرزا قطب الدین مائل)

زنم صدطعنه باعریانی سرتاج شاهی را   که چون مهه در تنزل نیده لم صلحب کلاهی را
زپیری قدر شبهاء جوانی می شود ظاهر   سفیدی های کاغذ می کندروشن سیلهی را

(خوشگو)

متاب از تیغ آفت روی خود تلسر خروگردی   که زخم چهرهٔ موج آبرو باشد سپاهی را
محبت پیش لزین رنگ اثر نیگرچه می ریزد   که بلشدکهر بلمشوق ونلرد رنگ کاهی را۵۸۳ھ

سدانند بے تکلف جو خوشگو کے چچا تھے۔ اور شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتے تھے، خوشگو ان کی صحبت میں رہ کر فن سخن سے آشنا ہوئے تھے ایک بار انہوں نے خوشگو کو ایک

مصرع دے کر دوسرے مصرع کی فرمائش کی:

شانه شد سنبل تر آئینه شددسته گل

خوشگو نے فی البدیہہ دوسرا مصرع کہا جو قابل قبول ہوا:

تابه زلف تو رسید و برخت دو آورد

شانه شد سنبل تر آئینه شد دسته گل — تابه زلف تو رسید و برخت رو آورد ۵۸۴

مشہور و معروف شعراء اور بزرگ ہستیوں کی محفلوں میں خوشگو کے فی البدیہہ کلام کے علاوہ مختلف تذکروں مثلاً مخزن الغرائب، مجمع النفائس اور سفینۂ ہندی میں ان کے جستہ جستہ اشعار بھی ملتے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

بودزاندم که بسم الله گل دستار عنوانها — زبس شلبی نگنجد غنچه سلن در جلد بیولنها

نگهه در توتیا غلطیده بخرامد زمزگانش — سخن پلن خورده می آید برون از رنگ آن لب ها

روز و شب ره می روم اماهمان سرگشته ام — نقش پای خود بودرهبر طلب گار مرا

چورنجی که به برگردد از قطع عفو — به عشق تو شد درد درمانِ ما

چند معمار دل ویران من خواهی شدن — این سرائ نامبارك قابل تعمیر نیست

دهلی خوش لست لیك زیلد لین چنین خوش لست — یلرلین چنین خوش لست و دیلر لین چنین لست

واعظ مطلب علم و ادب از من بیخود — من علم ندارم ز خود الله علیم است

غرض هر جاکه منظورلست هر عیب (کنا) هنر باشد — دل شهزادگان را آرزو مرگ پدر باشد

دماغ گوشه دستار من داردزکام از گل — به فرقم سایۀ خاری ازان دیوار می باید

هر نفس می کرد صدا احوال پرسی دلم — غیر غم یادش بخوبی هیچ غم خوارم نبود

بی تو گر جام مئ بکف گیرم ــــ آفتاب گرفته را ماند

تابوت مرا از گل فاتحفه نیست ــــ ای رسم کهن حیف به عهد تو برافتاد

برائ صحبت خوبان سکندر طالعی باید ــــ مگر آئینه بنشیند و می زانو به زانویش

موجود گر نبودیم معدوم هم نبودیم ــــ امروز از کجا ئیم گردر عدم نبودیم

بسکه از عمر مرا بیزار یست ــــ عمر دشمن زخدا می خواهم

شیشۂ چند از گلاب اشك دارم در بغل ــــ می برم تاشست و شوئ تربت مجنون کنم

برای یار تعظیم رقیبان هم ضرورافتد ــــ به شوق بت نخستین سجده در پیش برهمن کن ۵۸۵

اگر معراج نجل ممسکان دورما این است ــــ خداوند غریق بحر رحمت ساز قارون را

مرکب از سواد دیدۂ یعقوب کن خوشگو ــــ رقم سازی اگر تاریخ مشتاقان مخرون را

قامت خم گشته آفت گاه دیگر بوده است ــــ برسرماعاقبت می افتد این دیوارما ۵۸۶

آواز تیشه امشن از بی ستون نیامد ــــ شاید به خواب شیرین فرهاد رفته باشد

از بیم بدان تابرخ خوب تو بنیم ــــ آئینه بکف پشت به سوئ تونشستیم ۵۸۷

بنوالی داس ولؔی

بنوالی داس، تخلص ولؔی معروف بہ بابا ولی رام کا تعلق ہندوؤں کے مقدس شہر بنارس سے تھا۔ وہ کایستھ خاندان میں سولہویں صدی کے اواخر یا سترہویں صدی کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ ان کے بچپن کے حالات دستیاب نہیں ہیں۔ مولف دبستان مذاہب ان کے مذہب اور عقائد وحدانیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بنوالی داس پسر هیرامن کایست است. کایست فرقه ایست از گروه رابع از آفرینش برهما : ودراشعار آبدار ولی تخلص می کند واز عهد صبی او را به مجلس درویشان میل تمام بود و در صغرسن نزد خلیفه الارواح نام دردیشی بذکر الله حاضری واحدی الله شاهدی مشغول شد در هزار و چهل و چهار ۱۰٤٤ھ بادرویشان هند صحبت داشته بهره اندوز شده. در کشمیر بخدمت ملا شاه بدخشی رسیده کامیاب شناخت گشت. و بمقتضای الصوفی لامذهب که بقید هیچ دین و آئین باز نه بسته و بتخانه آشنا است از مسجد بیگانه نیست. از نیروی حال باعدم دانش ظاهری سخنان بلند از او سری زند و میان نامه نگار و او در هزار و پنجاه ابواب مصاحبت بازشد...... آزاده ونبوالی چون در لباس هندوانند و عقیدۂ گیانیان دارند. درین جمع شمرده آمدند."۵۸۸

بنوالی داس ولؔی کا ذہن بچپن سے ہی تصوف کی طرف مائل تھا جیسا کہ صاحب

دبستان مذاہب کا بیان ہے کہ وہ کم سنی سے ہی اپنے وقت کے مشہور و معروف درویش خلیفۃ الارواح کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے جو ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ ان کی صحبت میں رہ کر ولؔی بھی اس روش پر گامزن ہوئے۔ اور ۱۰۴۴ھ میں ہندوستان کے مختلف صوفی سنتوں سے بہرور ہوتے ہوئے کشمیر میں ملا شاہ بدخشی کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے کسب فیض حاصل کر کے کامیاب و کامران لوٹے۔ ملا شاہ بدخشی کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ وہ ایسے لامذہب صوفی بن گئے کہ وہ کسی دین و مذہب اور اس کے آئین کی پابندی اور قید میں نہ رہے۔ وہ بتخانہ سے بھی آشنا تھے اور مسجد سے بھی بیگانہ نہیں تھے۔ ملا شاہ بدخشی کی صحبت و تربیت کے زیر اثر صوفیا کی اصطلاحات سے آشنا ہوئے تو انہوں نے اپنا تخلص ولؔی رکھا۔

جب ولؔی کا شمار ہندوؤں کے بڑے گیانی اور سنتوں میں ہونے لگا اور فارسی انشاء میں ان کی استعداد مسلم شمار کی جانے لگی تو ملا شاہ بدخشی کے مرید باصفا شہزادہ داراشکوہ جس کی طبیعت تصوف اور فلسفہ کی طرف مائل تھی اور جو عربی و فارسی کے علاوہ ہندی اور سنسکرت کا بھی بہت بڑا فاضل تھا، نے بنوالی داس کے علم و عرفان سے متاثر ہو کر اپنے منشیوں اور دانشمندوں کو علمی و ادبی اور فلسفیانہ محفلوں میں شرکت کی اجازت دی تھی۔ گل رعنا میں شفیق لکھتے ہیں:

"از قوم هنود بود و منشی گری سرکار شهزاده داراشکوه قیام داشت و از اثر صحبت و تربیت ملا شاه بدخشی با صطلاحات صوفیا آشنا شد و تخلص خود ولیؔ قرارداد و حرف از تصوف بسیار می زند۔" ۵۸۹ے

روز روشن کے مولف رقم طراز ہیں:

"ولی نامش بنواری داس از کایستهان داراسلطنت دهلی در سلك منشیان سرکار شهزاده محمد داراشکوه انتظام داشت و بصحبت ملاشاه بدخشی چاشنی فقر و

درویشی چشیده ترک و تجرید بردلش مستولی گشت۔"۵۹۰
نگارستان سخن کے مولف کا بیان ہے:

"ولی هندوبود از زمرۂ منشیان شاهزاده داراشکوه و بتاثیر صحبت ملا شاه بدخشی آشنا بمذاق صوفیه حق پژوه۔" ۵۹۱

بزم تیموریہ کے مصنف لکھتے ہیں:

"چندر بھان برھمن کے علاوہ محمد علی ماھر اور بنوالی داس ولی بھی داراشکوہ کے ساتھ کچھ دنوں وابستہ رہے۔ بنوالی داس ولی بھی داراشکوہ کے منشیوں میں سے تھا۔" ۵۹۲

پروفیسر امیر حسن عابدی داراشکوہ اور بنوالی داس ولؔی کے باہمی تعلقات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"در انشاء فارسی ولی به اندازه با ذوق و صاحب استعداد بود که در مسلك منشیان شاهزاده داراشکوه پسر شاهجهان پادشاه درآمد، و در تصوف و عرفان بجای رسیده بود که آن شاهزاده اور اجز و همنشینان خود در آورد و در گفتگو ها و مذاکرات علمی و فلسفی دربار خود ویرا شرکت داد۔" ۵۹۳

مختلف تذکرہ نگار بنوالی داس ولؔی اور داراشکوہ کے باہمی تعلقات کے اختلافات کے بارے میں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ولی رام ولؔی نے درباری زندگی کو خیر باد کہہ کر جنگل کی راہ لی اور یادالٰہی میں مشغول ہوگئے تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک بار ولؔی نے اپنی تحریر کا نمونہ داراشکوہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہا۔ درباری مصروفیات کی وجہ سے دارا ان کی طرف متوجہ نہ ہوسکا۔ بابا ولی رام ولؔی نے

ناراض ہو کر جنگل کی راہ لی۔ شہزادے نے اپنے دربار کے بزرگوں کو ان کے پاس بھیجا اور درخواست کی کہ واپس آ جائیں لیکن بابا نے درخواست نامنظور کر دی۔ داراشکوہ خود بھی ان کی خدمت میں پہنچا اور بہت کوشش کی کہ بابا کو دربار واپس لے آئے لیکن بابا نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ ناامید ہو کر دارا واپس لوٹ گیا۔ بابا نے ''بعنوان عذر خواہی'' ایک رباعی شہزادے کی خدمت میں بھیجی:

بشنو زولی وفای دنیا ای شاہ   مغرورشو بدولت و حشمت و جاہ
ہر چند چودر ھمی نماید لیکن   چون قطرۂ شبنم است برنوک گیاہ ۵۹۴؎

تکملۃ الشعراء کے مولف یہ واقعہ اس طرح نقل کرتے ہیں:

"چون روزی داراشکوہ برای دیدن وی بخانہ اش رفت واوبوی توجھی نکرد، شاھزادہ عصبانی شدہ گفت : "دراین گوشۂ عزلت چہ حاصل کردی؟" ولی جواب داد : "آزمایش ھمچو توئ کہ پیش ماآمدہ است ومن متوجہ نمی شوم: و چندر وزاست کہ من برای مجرای شما میرفتم و شما بطرف مانگاہ نمیکردید" پس ازان آن داراشکوہ دستور داد کہ از شھر خارج شود۔ ولی برطبق حکم شھرراترک کرد و رباعی مزبور را برای شاھزادہ فرستاد۔" ۵۹۵؎

روز روشن کے مولف کا بیان ہے:

" بہ صحبت ملا شاہ بدخشی فقر و درویشی چشیدہ ترک و تجرید بردش مستولی گشت و دفعتہ خدمت گفتہ لباس آزادی برخود راست کرد شاھزادہ از بیحرکت بیدماغ گردید ھرگاہ این خبربوی رسید۔" ۵۹۶؎

بزم تیموریہ کے مولف لکھتے ہیں:

''ملا شاہ بدخشی کی صحبت میں فقر و درویشی سے متاثر ہوا اور ترک و تجرد کی زندگی اختیار کی اور دارا کی ملازمت سے کنارہ کش ہوگیا۔ دارا نے اس کی کنارہ کشی کو پسند نہیں کیا اور کچھ برہم ہوا مگر ولی نے بطور ملازمت یہ رباعی لکھ بھیجی۔'' ۵۹۷ (رباعی مذکور)

بابا ولی رام ولی کی ''مثنوی شش وزن'' مطبع نولکشور جو ہماری دسترس میں ہے اس کے خاتمے پر ان کے بارے میں مختصر طور پر اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

''نیک انجام قوم کایستھ زمانہ شاہجہان میں داراشکوہ کے منشی تھے۔ حسب فرمایش بعض صاحبان معرفت کیش و خدا شناس نیک اندیش مطبع ہوئے۔ اور جناب مصنف کا احوال بصد تلاش اس سے زیادہ نہ ملا کہ یہ شاعر بیدل ہر سہ زبان یعنی عربی و فارسی و ہندی مضامین وحدانیت کو اس خوبی و خوش اسلوبی سے ادا کرتا ہے کہ جس کی تعریف میں قلم کی زبان گنگ ہے چنانچہ کلیات اس کا نہایت ذخیم سنا گیا ہے الاکمیاب ہے۔ اور کتب و درہرہ اس کی اکثر فقران کو یاد ہیں۔ نثر میں اس کی نثر مثال گلدستۂ حال وغیرہ مشہور ہے اور یہ نقل ان کی اکثر بزرگوں کو یاد ہے کہ ایک دفعہ منشی صاحب کاغذات دفتر پر دستخط کرانے شاہجہان کے پاس گئے۔ اتفاقاً بادشاہ پانو پھیلائے ہوئے شطرنج کھیل رہے تھے یہ بعد انتظار بسیار ناکام چلے آئے اور اپنے گھر بار کو لٹا کر راہی جنگل ہوئے جب شاہ نے یاد فرمایا خواھوں نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ شہریار نے بہزار تجسس پھر بلایا چاہا پر یہ شخص پھر نہ آیا یہاں تک کہ شاہنشاہ خود سوار ہو کر اس کے پاس گئے اس نے اور پاؤں پھیلا دیئے شاہ نے فرمایا کہ ولی رام پاؤں کب سے پھیلائے جواب دیا جب سے ہاتھ سمیٹا۔'' ۵۹۸

لچھمی نرائن شفیق نے ''خاک ولی را آب برد'' سے تاریخ وفات نکالی جس کے مطابق ولی (۱۰۷۸ھ- ۸-۱۶۶۷ میلادی) میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ کہتے

ہیں کہ ان کے جنازہ کو تجہیز و تکفین کے بعد جلانے کے لئے رکھا کہ اچانک گنگا کے پانی کی ایک بڑی لہر ان کی لاش کو پانی میں بہا کر لے گئی۔

سفینہ خوشگو کے مولف اس بارے میں لکھتے ہیں:

"سرانجام در سال ۱۰۷۸ھ — ۸-۱۶۶۷ میلادی)

بابا ولی رام از این جهان فانی رخت بربست. می گویند

پس از مرگ اوبناهو رام نمی توانست تنها مراسم تجهیز و

تکفین و سوختن را انجام دهد. ناگهان آب گنگا در طغیان

آمد و بلند شود تا سر کو هك رسید و لاشه بابا را در

آغوش خود گرفت."۵۹۹

نبوالی داس ولیؔ نے شاعری کی تمام اصناف سخن پر میں طبع آزمائی کی لیکن ان کا دیوان اور دیگر تصنیفات زمانہ کے ہاتھوں مفقود ہوگیا۔ ان کی ایک مثنوی ''شش وزن'' اور تذکروں میں چند ایک رباعیوں کے علاوہ ان کی شاعری کا کوئی اور نمونہ موجود نہیں ہے۔ ان کے متصوفانہ اشعار فلسفہ و حکمت پر ہیں جو ان کے رجحان اور فطرت طبع کی عکاسی کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کا بیشتر حصہ متصوفانہ شاعری پر محیط ہے۔ ملا شاہ بدخشی اور داراشکوہ کی صحبت میں رہ کر جو متصوفانہ علم اور فکر و خیالات ان پر اثر انداز ہوئے تھے اس کا اثر ان کے اشعار میں بخوبی نظر آتا ہے اور یہ ہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں بھگتی تحریک اور تصوف کے ملے جلے اثرات نظر آتے ہیں۔ اسی مناسبت سے انہوں نے اپنا تخلص ولیؔ رکھا۔ تذکرہ گل رعنا اور نگارستان سخن کے مولف نے ولی رام ولیؔ کی یہ دو رباعیاں نقل کی ہیں جو ان کے اس فلسفہ کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں کہ انسان کو چاہئے کہ اپنے آپ کو پہچانے اور گوشہ نشین رہے:

مطلوب تو هست باتوای طالب ذات　　موجود بذاتی نه آید به آیات وصفات

این چاهِ خودی را دو سه گز گربه کنی　　درخانهٔ خود بیابی آن آب حیات۶۰۰

در خود بنگر که جان و جانا نه توئ　　درمجلس خودچراغ و پروانه توئ
چند به دگر خانه کشتن شب و روز　　در خانه را که صاحب خانه توئ ۱۰۱

ولؔی کی مثنوی ''شش وزن'' چھ مختلف بحروں میں ہے۔ ۱۰۰ صفحات پر تقریباً ۱۸۵۰ اشعار ہیں:

بحر اول: ماز کفرو دین همه بگز شته ایم　　محواصل وزین بیخود گشته ایم

بحر دویم: بیاتاهم سخن گویم از بخت　　مرااینیست چیزی نیست چون بخت

بحر سویم: مانه آن شخصیم بلکه آن خودیم　　بی نشان مانده از نشان خودیم

بحر چہارم: عقل باعشق چه ساز د آخر　　روبه شهر چه تازد آخر

بحر پنجم: انسان چه بود یکی ظهوری　　از سرتاپای غرق نوری

بحر ششم: حمد بذاتی که نمودش جهانست　　وزبس پیداشد نش نهانست

ولؔی نے یہ عرفانی مثنوی مولوی رومی کی مثنوی کی طرز پر اپنے پسر کو مخاطب کر کے لکھی ہے جس میں عشق، دنیا کی بے ثباتی، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، روح کا اصل وفراق، حق و باطل، صفائی قلب، عقل و تدبیر، توحید و فلسفہ، فقر و فاقہ اور تسلیم و رضا جیسے موضوعات مثنوی کے اشعار میں کمال خوبی سے نظم کئے ہیں۔

ولؔی اپنی مثنوی ''شش وزن'' کے آغاز میں اپنے دین و مذہب اور حق تعالیٰ کی برتری اور اس کی وحدانیت کے قائل نظر آتے ہیں اور اپنے ہندو ہونے پر فخر کرتے ہیں انسان سب برابر ہیں کسی بھی مذہب کے ماننے سے اس کی اصل نہیں بدل جاتی وہ کہتے ہیں:

ماز کفر و دین همه گذشته ایم　　محواصل و زین دو بیخود گشته ایم
نیست نقصانی چه شد گر هندوایم　　زانکه محواصل یکتاهر دو ایم
در ربود از کفر و دین عرفان مرا　　پاك کرد از کذب واز بهتان مرا

مطلع دیدارحق دیدار ما منبع گفتار حق گفتار ما[۶۰۲]

وؔلی اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اہل دل ہونا بشر کی نیک صفات میں سے ایک ہے۔ انسان کو چاہئے کہ پاکی دل کو افضل و برتر رکھے۔ یہی زندگی کی حقیقت ہے جب دل پاک وصاف ہوگا تو دوسروں کی بھلائی اور دل جوئی کے کام انسان سے سرزد ہوں گے۔ کہا جاتا ہے "دل بدست آر کہ حج اکبر است" وؔلی نے اس سچائی کا اعتراف کیا ہے اور ایک مصرع میں حج اکبر طواف دل آمد یقین سے کہہ کر اس کی ہمنوائی کی ہے۔ ان کے خیال میں محو دل ہونا اللہ تعالیٰ سے قربت کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ وؔلی اہل دل کی ان صفات کو اشعار میں بہت ہی موثر انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

اهل دل چون از صفتهای بشر — پاك شد پاك است نیست ای پسر
پاك باید شد زوصف خویشتن — تا نماید غیر دل یابد از بدن
پاکی دل بهتر از پاکی جسم — آن همه معنی و این محض طلسم
رو درون مسجد دل چون ولی — بانماز دائمی کن همدلی
ز آنکه بیت الله دل را خوانده اند — عارفان در مسجد دل مانده اند
سجده دل برتر از آب گل است — عرش متعالی چنین پیدا دل است
غافلان باآب و گل سازش کنند — عارفان از جان و دل نازش کنند
مسجد عارف همین جان و دل است — مطلب او از دل او حاصل است
مانماز خویش در دل می کنم — کی درون مسجد گل می کنم
حج اصغر صورت معینش این — حج اکبر طوف دل آمد یقین
دل تهی از غیر حق این صوم ماست — محو دل بودن بحق این قوم ماست[۶۰۳]

وؔلی کے خیال میں علوم معنوی ہی انسان کو حق کا راستہ دکھاتا ہے۔ اہل علم پر ہی بصیرت، عقل وفہم کے دروازے کھلتے ہیں اور علم کی روشنی ہی اسے ترقی کی راہ پر گامزن کرتی ہے۔ اس لیے علم حاصل کرنا چاہئے۔ علم قال ہو یا علم فعل یا علم حال ہی انسان کو صاحب کمال بناتے ہیں:

صاحب اهل دل علوم معنوی — نیست غیراز حق اگرمحرم شوی
نور در نور است مارا اهل علم — برتر از فهم است کار اهل علم
علم دل در خانقاه و مدرسه — نیست اینجا جز خیال و وسوسه
علم از بهر همین آموخته — بهراین حیفه جگر ها سوخته
دین بدنیا دل بنفس و جان بتن — در بذل کردن چه زیبد این سخن
حوزم آن علمی که غیر از عشق او — مانده باقی هر چه آن برده فرو
علم مادر بحر علم معنوی — محود ناپیدا بود ای متقی
علم قال و علم فعل و علم حال — ظل این علم است ای صاحب کمال ۲۰۴ے

عقل اور علم دونوں مل کر انسان کی پانچوں حسوں کو بیدار کرتے ہیں۔ اس لئے اس کو چاہئے کہ علم باطنی کو رفیق رکھے۔ ولی کے خیال میں انبیاء اور اولیاء نے بھی یہی کیا ہے۔ اس علم دوستی نے ان کے سینہ کو تجلی و نور بخشا۔ عقل سے ہی انسان نے مشکلوں کو آسان کیا ہے۔ اس لیے ''ای پسر عقل کو اپنے اوپر غالب رکھ تا کہ اس کے اثرات زندگی میں نمایاں ہوکر کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کریں''۔ ولی اپنی مثنوی میں عقل کی تعریف کچھ اس انداز سے کرتے ہیں:

همچنین این عقل واین علم برون — گر زراه پنج حس آید درون
تاکه دل زینها فکر دانی فریق — کی بعلم باطنی گردی رفیق
انبیاء و اولیاء این کرده اند — بعد از ان در علم دل پی برده اند
محوکن از دل خیالات عدم — در طریق عقل شویانت قدم
عقل کی فرمایدت معیوب باش — عقل گوید همچو یوسف خوب باش
عقل کی در دام نفس آردترا — عقل کی در جهل بگذارد ترا
عقل کی رهبر شود سوئ حد — عقل کی سازد گرفتار جد
عقل بیند دام داددانه را — داند او افسون این افسانه را
عقل مشکلها را آسان کند — عقل هر درد ترا درمان کند

نفس را مغلوب غالب عقل کن — تا بر آرد نخل او را بیخ و بن
در فراقت عقل بنماید و صال — عقل گرداند ترا صاحب کمال[۲۰۵]

ولیؔ کہتے ہیں کہ عشق میں فنا ہو جانا ہی دنیا و عقبیٰ میں سرخرو کرے گا اور عشق ہی انسان کی آخری منزل ہے۔ اس لیے وہ تلقین کرتے ہیں کہ اگر دنیا میں باقی رہنا ہے اور اپنا نام زندہ رکھنا ہے تو ''فانی اندر عشق شو۔''

فانی اندر عشق شو باقی مشوی — درج در اصرار اطلاقی مشوی[۲۰۶]
مبتلای عشق اسرار خودیم — عاشق خویشیم و دلدار خودیم[۲۰۷]
یکی راهمت مولا کشیده — بعشق و با محبت آرمیده
چو با عشق و محبت گشت یکرو — زدنیا و زعقبیٰ تا فته رو
دلش در عشق و عشق اندردلش شد — محبت در محبت منزلش شد[۲۰۸]

ولیؔ وحدۃ الوجود کے قائل نظر آتے ہیں ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ دنیا کی تمام اشیاء فانی ہیں۔ ختم ہونے والی ہیں۔ اس کے خزانے لامحدود ہیں۔ وہی عبادت و ریاضت کے قابل ہیں:

جمله اشیاء مظهرش ای بوالهوس — حاضر و ناظر بجز حق نیست کس
ماسوای الله وجودی نیست هان — آنچه غیر از حق بود فانی بدان
فانی اند فانی آمد ماسوا — نیست موجودی بجز ذات خدا
او تعالیٰ مطلق و بس بیحد است — قادر همچون فضلش پیداست
مطلق و بی رنگ و لامحدود وبس — ساجد و مسجد گه و مسجود بس
این صفتها دیگران دیگر ببین — در تصور های خود برتر ببین[۲۰۹]

ولیؔ چاہتے ہیں کہ انسان کو چاہیئے کہ صرف اس ذات حق یعنی توحید کے نغمے گائیں۔ اور اسی کی ذات میں خود کو محو رکھنا چاہیئے۔ انسان جب خود کو ذات حق میں محو کرے گا۔ عقل و فہم کے سب دروازے اس کے لئے کھل جائیں گے۔ کفر و دین کے سب اسرار سے وہ واقف ہو جائے گا۔ ولیؔ نے اپنی اس مثنوی کو مولوی رومی کی مثنوی کے برابر کہا ہے کہ

انہوں نے مولانا روم کے فلسفہ تصوف کو اپنی مثنوی میں بیان کیا ہے۔ اور مثنوی رومی کی طرح اپنی مثنوی کے بھی چھ دفتر بتاتے ہیں:

نغمۂ توحید حق چون در نواخت — عالمی راواله و سرمست ساخت
عالمی را بیخود و بی وهم کرد — برتر از عقل و لباس و فهم کرد
در نگر اکنون بوجه یك دلی — از سر تحقیق در نقش ولی
بند قید کفر و دین بگیستخه — این بآن و آن باین آمیخته
خود شد او منصور بردار آمده — بیخود و سرمست طرار آمده
در لباس مولوی در گفتگو — مثنوی کرده شش دفتر خوداو
این نشان مختلف آن بی نشان — چند گویم چند آرام دربیان[۲۱۰]

ولی مذہباً ہندو تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور توحید کے نہ صرف قائل تھے بلکہ ان کا یقین تھا کہ صرف وہی ذات واحد ہے جس نے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ آپ کی ذات گنجینہ شاہی اور آئینہ سرالٰہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر وحی نازل کی اور آپؐ ہی کے بدولت انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ولی نے اس حقیقت کو نظم میں بہت ہی موثر پیرایہ میں بیان کیا ہے:

توئ سرچشمه دریائ توحید — زنادانی چه افتادی بتقلید
توئ پیدا درین پنهان و ناپید — بعینست زهر صورت هو یدا
توئ گنجینه اسرار شاهی — توئ آئینه سرالٰهی
توئ خورشید ملك جان و تن را — توئ پیدا کن این ماؤ من را
توئ دانائ هر علمی که پیداست — تو خود از خود روی سراین هویدا است
وجود وحی وجودی را وجودی — همیشه باشی و هستی و بودی
فراتر از خودی و بیخودی تو — گرفتار خود از وهم خودی تو[۲۱۱]

ولی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اس کا وجود اس کائنات میں اہمیت کا حامل ہے۔ ولی انسان کی انہی صفات کو کہ وہ مانند آفتاب ہے۔ لیکن

سراب ہے۔ اور وہ گلشن حق کا ایک گل ہے۔ جس کی عمر ناپائدار ہے۔ اور وہ اپنی ہستی سے ناواقف ہے۔ ولی نے انسانی زندگی کی اس حقیقت کو اشعار میں بہت ہی دلکش انداز میں بیان کیا ہے:

انسان چه بودی یکی ظهوری	از سر تاپای غرق نوری
انسان چه بود یك آفتابی	در عالم او جهان سرابی
انسان چه بودیکی بهشتی	از مزرعه ذات پاك کشتی
انسان چه بود یك آتش افروز	آن آتش خرمن دوئ سوز
انسان چه بود یکی گلی حق	روئید زگلشن دل حق
انسان چه بود یکی یگانه	هم دام و صیاد و صیددانه
تاعالم این سخن نباشد	آگاه زدل و بدن نباشد[۲۱۲]

ولی کے خیال میں انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ اہل علم کی صحبت میں بیٹھے۔ ان سے اچھی باتیں سیکھے کیونکہ علم ہی انسان میں شعور پیدا کرتا ہے۔ اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ کرتا ہے۔ اس کے برعکس جاہلوں اور نااہلوں کی صحبت میں عقل کند ہوتی ہے۔ اہل علم اور جاہلوں کی صحبتوں میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ ولی نے اس بات کو اشعار کی زبان میں موثر انداز میں بیان کیا ہے:

صحبت عام ضررها دارد	صحبت خاص اثرها دارد
صحبت جاهل زان رنجی دان	صحبت اهل ولی گنجی دان
صحبت جاهل یك درد سری	بی هنر کی رو از پرهیزی[۲۱۳]

اہل دل جذبۂ توحید سے سرشار ہوتے ہیں، ان کا دل عرفان سے سیر ہوتا ہے اور وہ عرفان کی روشنی کو دنیا میں پھیلاتے ہیں:

اهل دل سیر ز توحید بود	برتر از عالم تقلید بود
اهل دل سیر زعرفان باشد	بی تن و جان همه جانان باشد[۲۱۴]

ولی کی مثنوی سے یہ بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کلام اللہ کا مطالعہ بھی غایر

نظر وہاں سے کیا تھا۔ اپنے اشعار میں وہ قرآنی آیات سے اپنی بات میں وزن پیدا کرتے ہیں۔ ذیل کے اشعار میں وہ کہتے ہیں کہ جس نے اپنی اصل اور حقیقت کو پہچان لیا اسے باری تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگیا:

هر که اواصل حقیقت داند　　قل هو الله احد می خواند
هر که درغار احدافتاده　　لمن الملك باورو داده
اسم و رسم که ترادر پیش است　　این زکج فهمی و وهم خویش است
لاشریك است احد ز آنکه درنیست　　پس منم گفتن این شریك زچیست۲۱۵

ولی اپنی اس مثنوی میں ذات حق، نغمہ گنگناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

همه حق است حق باحق هویدا　　بجز حق زرۂ خودنیست پیدا
جزا و خود قائل و سامع که باشد　　جزا ومسئول هم سائل که باشد
همه حق است و باحق حق پدیداست　　بخود خو د اندرین گفت و شنیداست
ظهور او سراپا مظهر او　　ظهور و مظهرش خود جوهراو
اگر نبود ظهور حضرت پاك　　چه آید تابرآید زین کف خاك ۲۱۶

ولی کہتے ہیں کہ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی ہستی کو پہچانے:

بحق خویش منصف باش بابا　　اگر تخمی که پاشی باش بابا
که این وصلست واینو قتست و اینکار　　دمی از خواب غفلت باش بیدار
بیاشناس خود را تاچه چیزی　　بذات و صف مرغوب و عزیزی
توئ و مائ وادئ چه چیز است　　چه چیز اینکه می گوئ چه چیز است
گهی مشرك گهی واحد صفائی　　گهی عاجز گهی قادر چو ذاتی
گهی در خوف و گاهی درد جانی　　به او واقف زحال خود کجای
چو هستی غرق بحر ذات هستی　　چو موج از بحربی اکناف هستی۲۱۷

ولی دنیا کی بے ثباتی اور انسانی زندگی کی ناپائداری پر افسوس کرتے ہیں کہتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں غفلت کی زندگی گذار کر چلا جاتا ہے اور دنیاوی مال ومتاع اور حرص و

ہوس میں اپنے آپ کو غرق کر دیتا ہے۔ ولیؔ نصیحت کرتے ہیں کہ جب یہ دنیا فانی ہے اور انسان کی زندگی عارضی ہے تو انسان کو چاہئے کہ وہ خود کو پہچانے:

راه و رسمی که مجازی باشد — عالم طفلی و بازی باشد
عمر تو صرف درین غفلت خویش — روبه اندیش که شد مرکت خویش
چند در شهوت جسمانی و جسم — چند بامال اضافات و رسم
عمر تونیست حجابی تو — بگذار خود که بود او بی تو
بی تو خود اوست که گوید که منم — تو عبث بازعبث گفته منم[۲۱۸]

ولیؔ کی مثنوی کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تصوف وعرفان کے تمام مراحل سے بخوبی واقف تھے۔ فقر و فاقہ اور تسلیم و رضا وہ مدارج ہیں جن کو طے کرنے کے بعد صوفی کمال کے درجہ کو پہنچتا ہے اور وہ خدا کی ذات میں فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ ولیؔ صوفیا کے اس اہم فلسفہ کو اپنی مثنوی میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فقر و فاقہ دو یار ہیں اور جس شخص میں یہ دو صفات سرایت کر جاتی ہیں یا وہ شخص جوان دو باتوں کو اپنا لیتا ہے وہ نفس پر قابو پا لیتا ہے۔ اس کو عرفان کی آگہی نصیب ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ بے پروں کے پرندے پرواز نہیں کر سکتے۔ یہ فقر و فاقہ اس کے پر ہیں۔ دل کی غذا ہیں اور جب یہ فقر کا شربت حلق میں پہنچتا ہے تو وہ کائنات کی ہر شئی سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور تسلیم و رضا کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ ولیؔ صوفیا کے نظریہ کو اشعار میں کمال خوبی سے موثر انداز میں بیان کرتے ہیں:

فقر و فاقه دو یارش باشند — دایما هر در کنارش باشند
فقرو فاقه چود ر آیند چنین — خاك باشند درین جسم همین
کارانیست اگر بتوانی — بار این نخل بگو میدانی
بار این نخل حقایق بارد — در برت مهوشگی عرفان آرد
موج خود راز دل دریابی — قطره ات بی سروپایا بی
فقر و این فاقه و بال اندترا — رهبر ملك کمال اندترا

مرغ بی پرنتواند پرواز　　　مرغ بی پر نشو دلقمه باز
فاقه هر گاه غذای دل شد　　　مرغ و سواس ازان بسمل شد
شربت فقر چود ر کام رسد　　　گذرش در برآرام رسد
خرمن تفرقه برباد شود　　　شرکها با خودش از یاد شود
صفت او همه باید پامال　　　این بود فقر و چنین با شد حال
فقررا پایه بلند است بسی　　　تاب آتشی نتواند مگسی
فقر و تسلیم و فنا را اثراست　　　ازبقاها به بقاها گذراست
از درستی خود دهدروان حال　　　خود رونگی و دوئ شد باmal
جهد کن جهد از سستی بگذر　　　از خود یها بدرستی بگذر
فقر و تسلیم و رضا و توحید　　　کی شود جمع بهرپاک و پلید[۶۱۹]

صوفیاء کے فلسفہ "ہمہ اوست" کے ولی قائل نظر آتے ہیں کہ کائنات کی ہر چیز میں باری تعالیٰ موجود ہے۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کے وجود کی نشاندہی نہ کرے۔ انسان اس فلسفہ کو بخوبی جانتا ہے۔ ولی کہتے ہیں:

همه حق نیست دگر چیز بگو　　　غیرحق در دو جهان کیست بگو
همه او بی همه او چون همه اوست　　　ای همه اوست کجا غیر اوست
غیر جز و هم و خیالی نبود　　　بسته وهم بجای نبود
بسته وهم و خیال آن کوگشت　　　کردگم هر حقیقت دردست
زآنکه این هستی وهمی و همی است　　　بسته دهم هم زخود بی فهمی است[۶۲۰]

ولی اپنے پسر سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ ظاہر و باطن کو صاف رکھو، خود پسندی و خودنمائی کی عادت سے پرہیز کرو:

چو مردان ظاهر و باطن صفا شو　　　زقید خود پسند یها رها شو
ملوث باطن و آلوده دل را　　　درینجا نیست جای آب و گل را
من و ما دو رکن باش بی من　　　بظاهر و ظاهر و باطن چو باطن

بظاهر ز آب طاهر شست شوکن | بباطن ز آب دیگر جستجو کن
صفا شو ظاهر و باطن چو آبی | که صد کوثر به پیشش چون سرابی
صفا شو ظاهر و باطن چومائی | که اصل او همه بی انتهائی
صفا شو ظاهر و باطن این است | کزو گیرد وصفای آتش و آب [۲۲۱]

ولی کی شاعری میں تصوف اور بھگتی تحریک کے ملے جلے جذبات ونظریات موجود ہیں۔ فلسفہ وحکمت کے ساتھ ساتھ زبان و بیان بھی پراثر اور دلنشین ہے۔

باب سوم

عہد مغلیہ کے غیر معروف فارسی شعراء

واثق محمد اخلاص سیالکوٹی

اخلاص کیش اخلاص، واثق تخلص کھتری قوم کے معزز گھرانے میں کلانور پنجاب میں پیدا ہوئے۔ اور شیخ محمد مسلم جو اس زمانے میں بڑے اکابر میں شمار ہوتے تھے ان کی صحبت میں رہ کر حقائق حقیقی سے آشنا ہوئے اور فیض خداوندی سے مشرف بہ اسلام ہوئے اور چھپ کر مسلم مذہب کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے لگے۔ اپنے مسلمان ہونے کی خبر انہوں نے اپنے والد سے چھپائی۔ لیکن جب انہیں اس بات کی خبر ہوئی کہ ان کا بیٹا مسلمان ہو گیا ہے اور مذہب اسلام میں داخل ہو گیا ہے تو بہت خشم آلودہ ہوئے اور اپنے بیٹے کو ہلاک کرنے کے لئے کہا۔ واثق بھاگ کر عالمگیر کے دربار پہنچے ان کے دربار کے مولوی عبداللہ خلف مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کی خدمت میں رہ کر انہوں نے فضائل اسلام کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ اور ان کی رفاقت کی بدولت سنہ بیست و دوئم جلوس والای جہانگیر کے دربار کا شرف حاصل ہوا اور انہیں ملازمت سے فیض یاب کیا گیا اور اخلاص کیش جیسے خطاب اور دیگر منصب سے نوازا۔ تذکرہ حسینی کے مولف لکھتے ہیں کہ عالمگیر نے انہیں ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز فرمایا:

"شاہ عالمگیر اور از خطاب ملك الشعراء سرفراز فرمودہ بود۔" ۶۲۲

لیکن بہادر شاہ کے عہد میں انہیں وہ عزت حاصل نہ ہو سکی اور اس وقت کے امراء معظم خان خانان، وزیر اور دیگر امراء نے سادات کے لقب سے نوازا۔ محمد فرخ سیر کے دور حکومت میں سید عبداللہ اور سید حسین علی خان جن میں سے ایک وزیر اعظم اور دوسرے میر بخش اور امیر الامراء تھے ان کے مرشد بن گئے۔

سفینۂ خوشگو میں خوشگو لکھتے ہیں:

"درباری العمر هندو بود، از قوم کتھری، متوطن قصبه کلانور پنجاب که تخت گاه اکبربادشاه است. وی صحبت محمدم سلم که از اکابر آنجا بود دریافته بر مسلمانی اعتقاد آورد و تربیت از ویافت. چندی اسلام مخفی داشته بعد از ان که بحضور پادشاه عالمگیر رفت. درخدمت مولوی سیالکوتی درحضور بادشاه اسلام آورد. بخطاب اخلاص کیش وپس آنان نجاتی و منصب خدمت سر فراز می یافت." ۲۲۳

مجمع النفائس کے مولف کا بیان ہے:

"اخلاص خان، اصلش کتھری است که قومیست از شرفائی هنود وطنش قصبه کلانور به یمن صحبت بزرگان و صفای ذهن خودش دین اسلام پسند او آمده مشرف بایمان گردید و تمام عمر در اکتساب فضائل و صحبت اهل کمال بسر کرده . اوایل در عهد عالمگیری که بدست مولوی عبدالله ولد مولوی عبدالحکیم سیالکوتی که از محول علماء بود مسلمان گشته با اخلاص کیش موسوم گردید واز اواخر مجمله اخلاص و در عهد بهادر شاه بادشاه سرش هیچ فرونیاوره. باامرای آنوقت معظم خان خانان وزیر و دیگر امراو سادات میزد. بسبب نفس فروتنی نکشید تاآنکه نوبت سلطنت بادشاه شهید محمد فرخ سیر رسید پس صحبتش باسید عبدالله و سید حسین علی خان که یکی وزیر اعظم و دویم میربخشی وامیرالامراء بود. بجدی برابر شد که او را بمرشدی می پرسیدند." ۲۲۴

کلمات الشعراء کے مولف واممن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"نو مسلم، در صغرسنی صحبت حقائق آگاه شیخ
محمد درویش دریافته. کسب کمال می گرد و توفیق اسلام
یافت مدتی از معاف پناه اسلام خود را پوشیده میداشت.
پدرش که قانون گوئ کلانور بود. خبر یافته قصد هلاکش
کرد. از آن جاگریخته بخدمت فضائل دستگاه مولوی
عبدالله خلف مولوی عبدالحکیم سیالکوتی رفت. برفاقت
ایشان درسنه بیست و دوئم جلوس والای جهانگیری
بحضور پر نورآمده. احراز ملازمت نموده." ۶۲۵

فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں وامق کو منشی الممالک کے عہدہ سے سرفراز کیا گیا۔ اور چار ہزاری منصب دیا گیا۔ درباری امیرالامراء سید حسین علی خان کی صحبتوں سے ان کے ذہنی تخیل کو جلا پہنچی اور وہ اپنی علمی لیاقت کی بدولت عہد محمد شاہ میں ترقی کرتے کرتے سات ہزاری عہدہ تک پہنچ گئے۔ وامق ۱۱۴۳ھ میں اس دارفانی سے رخصت ہوئے۔

خوشگو وامق کی تاریخ وفات ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

" ...... بهرحال وی کسب کمال و تحصیل علوم خیلی
کوشیده مختار بود. بطرف شعر بنا براشتغال علمی کم
توجه می نمود در اوائل مشق درست کرده بود." ۶۲۶

کلمات الشعراء کے مولف لکھتے ہیں:

"...... گاهی گاهی بتقریبی مصرع موزوں می کند." ۶۲۷

تذکرہ حسینی کے مولف وامق کے شاعر ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"شاعر طاق محمد اخلاص عذرائ معمورۂ سخن سنج
نبوده وامق تخلص می نمود. شاعری بدل مذهباً هندو بود
کسیکه قلب تیزه او را از انوار محمدی منور و تابان کرد.

مولانا عبداللہ چیلی فرزند ارجمند ملا عبدالحکیم سیالکوتی بود۔ وامق شاعر قادرالکلام و ہم عصر دلاور خان نصرت بود۔ شاہ عالمگیر او را از خطاب ملک الشعراء سرفراز فرمودہ بود۔ کلیاتش عبارتست از غزلیات و رباعیات و قطعات۔ وامق صاحب دیوان بود باد سعی بسیار کلام او مفقود است۔"۶۲۸

وامق نے شاعری کے تمام اصناف غزل، رباعی، قطعات پر طبع آزمائی کی تھی۔ لیکن ان کا مجموعہ کلام مفقود ہے۔ تذکروں میں جو ان کے جستہ جستہ اشعار ملتے ہیں ان کی روشنی میں ان کی شاعری پر کوئی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ پھر بھی تذکروں میں درج اشعار ان کی شاعرانہ لطافت، مضمون آفرینی اور ان کے رجحان طبع کی عکاسی کرتے ہیں:

از طپش آسودن دل شاہد مرگ دلست
نبض از جنبش چو آسارگ خواب فنا است۶۲۹

محتسب می کشی از دست تو مشکل شدہ است
شیشہ می بہ بغل آبلہ دل شدہ است

میر سم ظالم بفریادم اگر وقتست وقت
میزند ورنہ شبخون برسر ماهتاب۶۳۰

سدانند بے تکلف

سدانند نام۔ بے تکلف تخلص بندرابن داس خوشگو کے چچا تھے۔ ان کے آباء و اجداد قصبہ لکھنوتی سرکار سہانپور کے رہنے والے تھے۔ اس قصبہ کا تعلق دارالخلافہ شاہجہاں آباد سے تھا۔ بے تکلف محمد اعظم شاہ کی بہن نواب قدسیہ جہاں زیب بانو بیگم کے محل میں ملازمت کرتے تھے۔ اور ان کے ذمہ محل کے سامان اور دیگر امور کی خریداری کا محکمہ تھا۔ جیسا کہ خوشگو لکھتے ہیں:

"مدتی در سرکار نواب قدسیه جهان زیب بانو بیگم محل خاص بادشاه زادۂ عالی جاه محمد اعظم شاه بخدمت مشرفی ابتیاع خانه سرفراز بود۔" ۶۳۱

سدانند بے تکلف کے آباء واجداد داراشکوہ کے دربار میں رسائی رکھتے تھے۔ بے تکلف شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنا ایک مختصر دیوان ترتیب دیا تھا جو آج مفقود ہے۔ خوشگو کا بیان ہے جب وہ بستر مرگ پر تھے اور مرنے سے پہلے انہوں نے اپنا دیوان ان (خوشگو) کے حوالے کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ اسے اپنے بھائیوں کی طرح عزیز رکھنا:

"...... طبع رساداشت۔ دیوان مختصری به قدر فکر خود ترتیب داده در ایام مرگ حواله فقیر کردو گفت که مانند برادران خود را عزیز خواهی داشت۔" ۶۳۲

سدانند بے تکلف کا انتقال فرخ سیر کے عہد میں ۱۱۲۹ھ میں ہوا۔ خوشگو لکھتے ہیں:

" در عهد فرخ سیر به سال هزار و صد و بست ونهم ۱۱۲۹ھ وفات کرد۔" ۶۳۳

بے تکلف ایک دردمند شخص تھے۔ شاعری کا ذوق ان کی طبیعت میں فطری تھا۔

ہندو ہونے کے باوجود ان کا رجحان تصوف کی طرف مائل تھا۔ اس لئے ان کے اشعار میں تصوف کا رنگ بخوبی نظر آتا ہے۔ اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ تصوف کے مذاق سے آشنا تھے۔ خوشگو نے بھی ابتداء میں تصوف وعرفان کی چاشنی کا تخم ان کی صحبت سے حاصل کیا۔ خوشگو وان کا یہ مصرع:

"بی تکلف بندۂ اهل سخن"

بہت پسند آیا اور اس کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:

"این مصرع نقش نگین او بود" ۶۳۴

سدانند بے تکلف کو شعر کہنے میں مہارت حاصل تھی اور وہ فی البدیہہ اشعار بھی موزوں کر لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے خوشگو کو ایک طرحی مصرعہ پر فرمایش کی کہ اس پر مصرع لگاؤ۔ مصرع یہ ہے:

شانه شد سنبل تر آئینه شد دستهٔ گل

خوشگو نے بھی اس پر فوراً ایک بدیہی مصرعہ کہہ ڈالا جو ان کو بہت پسند آیا:

تابه زلف تو رسید و بررخت رو آورد ۶۳۵

سدانند بے تکلف صاحب دیوان شاعر تھے۔ لیکن ان کا شعری مجموعہ کہیں نہیں ملتا ہے۔ خوشگو نے اپنے سفینہ میں چند اشعار نقل کئے ہیں جو نمونہ کے طور پر نقل کئے جاتے ہیں:

ساغر باده شود آئینه از دیدن تو — زعفران زار شود بزم زخندیدن تو

گریه هائ که بیاد دل سنگین کردیم — کان الماس شد از اشك به ویرانۂ ما

بیت ابروئ بلندت مطلع دیوان ما — خط مشکین تو باشد جد ول عنوان ما

من که باشم که کنم آرزوئ بوس وکنار — طالع شیشه کجا جرات پیمانه کجا

سدانند بے تکلف کے بارے میں تذکرہ گل رعنا ۶۳۶ میں بھی جو اشعار درج ہیں وہ بھی سفینہ خوشگو سے نقل کئے ہیں۔

سری گوپال تمیز

سری گوپال تمیز کا تعلق برہمن سورج خاندان سے تھا۔ ہندوستان میں سورج برہمنوں کی وہ نسل ہے جو اپنا تعلق آفتاب سے ملاتے ہیں جیسا کہ خوشگو کا بیان ہے:

"از قوم براهمه سورج است۔ در برهمنان هندوستان سوروج قومیست که نسل خود را بآفتاب میرسانند۔" [۶۳۷]

سری گوپال تمیز میرزا بیدل کے شاگردوں میں سے تھے۔ انہوں نے ہندی زبان میں بہت سی سوانح لکھی ہیں۔ اور ان کو اس میں مہارت حاصل تھی۔ وہ ہندی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہنے میں مہارت رکھتے تھے۔ جس وقت وہ حاکم پرگنہ مہاجن راوسیوک رام نگر کی خدمت میں تھا تو اس نے مثنوی "دربیان خصوصیات نواح متھرا و برج مندل" اور اس ضلع کے احوال و کوائف کو تفصیل سے شعر میں قلمبند کیا۔ اور یہ مثنوی انہوں نے خوشگو کو سنائی جب وہ اپنے وطن گئے ہوئے تھے۔ جیسا کہ خوشگو لکھتے ہیں:

"وقتیکه همراه راوسیوك رام ناگر حاکم پرگنه مهابن در آن سر زمین اقامت داشت۔ مثنوی دربیان خصوصیات نواح متهرا و برج مندل و به تفصیل مکانهای آن ضلع خوب گفته پیش فقیر (خوشگو) که وطن رفته بودم برخواند۔" [۶۳۸]

گوپال تمیز کے چند اشعار جو ایک مشاعرے میں انہوں نے خوشگو کو لکھ کر دئیے تھے نمونے کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں:

رفتی و جلوه تو نرفت از بزم هنوز | یك خرمن گل است زپا تا سرم هنوز
یك جرعه می بیاد تو خوردم برنگ گل | خون بهار می چکداز ساغرم هنوز
نگنجد جلوه حسنش زشوخی درکنارمن | چو موج بحر طوفان خیز در آغوش سلحلها
برنگر داند ورق از وضع سابق حال ما | نسخه گرداب دارد در بغل احوال ما [۶۳۹]

گلاب رائے مخلص

گلاب رائے مخلص اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کا شاعر تھا۔ اس کے والد کا نام گرداس تھا جو نواب زبردست خان خلف ابراہیم خان کے منشی تھے اور قوم کھتری سے تعلق رکھتے تھے۔ خوشگو لکھتے ہیں:

"گلاب رائ مخلص تخلص پسر کورداس (گرداس)
منشی نواب زبردست خان خلف ابراهیم خان از قوم
کتهری بود۔" ۲۴۰ے

خوشگو کا بیان ہے کہ وہ جس وقت عالمگیر کے عہد میں اجمیر میں تھے وہاں ان کی ملاقات مخلص سے ہوئی تھی۔ مخلص اس وقت ایک قابل جوان اور گرم جوش بہادر آدمی تھے۔ اس کے بعد پھر ان کی ملاقات ان سے سرہند میں ہوئی جہاں انہوں نے کانگرہ کے سفر کے دوران قیام کیا تھا۔ خوشگو کی ان سے یہ دوسری ملاقات تھی۔ مخلص نے وہاں ان کو پہچان لیا تھا اور اپنی قدیم ملاقات کا حق نبھا دیا۔ صحبتوں میں دونوں نے ایک دوسرے کو قریب سے دیکھا اور سمجھا:

"...... سلیقۂ انشاء و استعداد سخن درست داشت و
فقیر(خوشگو) وقتیکه دراجمیر بودم به عهد عالمگیری
ملاقاتها دست می داد۔ خیلی جوان قابل و گرم جوش مرد
آدمی بود از ان باز در سرهند که بتقریب سفر کانگره اول
مرتبه رفتن شده بود و اومنشی قلندر خان فوجدار آنجا
بوده ملاقات افتاد اگرچه از طرفین در مشابهت تفاوت
شده اما اول او مرا شناخت و حق صحبت های قدیم بجا

آورد۔ و درهمان نزدیکی جهان گذران را گذاشت۔" ۱۴۱

گلاب رائے مخلص کے چند اشعار نمونے کے طور پر لکھے جا رہے ہیں:

گرغریبی سرکویتو آهی کرد کرد | بیخبر از دور بررویت نگاهی کرد کرد
پیش ابرویت ندارد قدریکموماه نو | خود نمائ بر فلك گربعد ماهی کرد کرد
ناز نابسته بخود چین جنبیت گردید | غمزه برمایهٔ شوخی شد و کیفیت گردید
شمع بالائ تو تاخانه زین روشن کرد | پر پروانهٔ ما دامن زینت گردید
بیا شگوفه آلوچه بین به صحن چمن | درانتظار تو شد صد هزار چشم سفید

شوقی جوت پرکاش پنجابی

جوت پرکاش شوقی اورنگ زیب عالمگیر شاہ کے عہد میں لاہور میں ادارۂ شہرداری میں ایک اہم عہدے پر فائز تھا۔ اس کے بارے میں معلومات فراہم نہیں ہیں۔ مختلف تذکروں کے مطالعے سے صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک خوش کلام شاعر تھا اور اس کے بعض اشعار گلدستۂ سخن کے نام سے شائع ہوئے تھے لیکن وہ آج دستیاب نہیں ہیں۔ اس کا فقط ایک منظوم قطعہ جو اس نے شہرسیال کوٹ کے قاضی شاہ خوش کو لکھ کر بھیجا تھا، تذکرہ شعرای پنجاب میں ثبت ہے۔ چند اشعار یہاں نمونے کے طور پر نقل کئے جاتے ہیں:

سحر گاه نویدی رسیدم بگوش — که شخصی است از دوستان خوشی

عجب عندلیب است تا دربیان — که می آید از بوستان خوشی

چوره یافت در خلوت خاص گفت — که می آیم از آستان خوشی

جوابی بصدمهربانی شنید — روان شد بسوی جهان خوشی

هنگام رخصت چنان گفتمش — که هر گه رسی در مکان خوشی

سلامی ازین بنده خواهی رساند — بخلوتگه خادمان خوشی[۶۴۲]

کر بخش حضوریؔ

کر بخش حضوریؔ کا تعلق صوبۂ پنجاب سے تھا لیکن انہوں نے اسلام آباد متھرا میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ کنبوہ خاندان کے ایک فرد تھے۔ خوشگو کی ان سے ملاقات بچپن میں خلیفہ جیون رام کے یہاں ہوئی تھی جہاں وہ دونوں تعلیم حاصل کرنے جاتے تھے۔ وہ اپنے استاد کا بہت عزت، ادب و احترام کرتے تھے اور ان سے دلی لگاؤ رکھتے تھے۔ ان کے استاد بھی ایک عمدہ انسان، مشفق و مہربان شخصیت کے مالک تھے۔ حضوریؔ کے بارے میں خوشگو لکھتے ہیں:

"از قوم کنبوساکن صوبه پنجاب است. لیکن از مدت مرید در اسلام آباد متهرا توطن اختیار کرده فقیر از وقتی که در صغر سن بخدمت خلیفه جیو رام در آنجا کسب سعادت علوم می کرد و بخدمت او ارتباط و آشنائ صمیم داشته. خیلی خوش خلق و باتمکین و آدم راست درست و در آشنائیها کوه وفا است." ۶۴۳ے

کر بخش حضوریؔ نے ابتداء میں میر محمد معصوم جن کا تخلص مشرب تھا، شاعری کی تربیت حاصل کی اور بعد میں وہ سالہا سال تک میرزا بیدل کی محفلوں میں شریک ہوتے رہے اور ان کی صحبتوں سے اپنے مشق سخن کو کمال کے درجے تک پہنچا دیا:

"اوائل در خدمت میر محمد معصوم مشربؔ تخلص تربیت یافته و بامرزا بیدل صاحب رحمته الله سالها صحبت داشته مشق سخن به کمال رسانیده." ۶۴۴ے

کر بخش حضوریؔ شاہجہاں آباد میں ایک مدت تک سید قطب الدین علی خان کے

ہمراہ رہے۔ اور منشی گیری کر کے قلیل آمدنی پر گذارہ کرتے رہے۔ صبر و قناعت، دور اندیشی، دور بینی اور سچائی، وفا شعاری ان کے خمیر میں شامل تھی۔ انہوں نے طبیعت بھی موزوں پائی تھی اور شاعری میں کمال کا درجہ رکھے تھے۔ انہوں نے مثنویات میں ''قصہ ہندی در تعشق کامروپ و کام لتا'' شیرین خسرو کی زمین میں بہت ہی دلچسپ اور پر تکلف و دلنشین انداز میں نظم کیا ہے۔ خوشگو کا بیان ہے کہ وہ ان کے زمانے تک ناتمام تھا۔ اس مثنوی کی طرز صنعت ایہام کی طرف زیادہ مائل ہے۔ چنانچہ استاد مولانا غنی جو ایہام گوئی کے استاد تھے کر بخش حضوری نے ان کے ہر شعر کے جواب میں شعر کہا ہے:

"قصه هندی در تعشق کامروپ و کام لتا در زمین شیرین خسروبسیار رنگین و بکیفیت گفته هنوز ناتمام است طرزش به صنعت ایهام بسیار مایل است چنانچه در جواب هر بیت استاد مولانا غنی که سرخیل ایهام بندان است درین ایام ده هزار بیت مشق کرده۔" ۲۴۵

خوشگو کے بیان کے مطابق اس میں انہوں نے تقریباً دس ہزار شعر کہے تھے جن میں سے اکثر کے معنی و مضامین نئے تھے۔ سفینہ خوشگو سے ان کے کلام کے جستہ جستہ اشعار نمونے کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں:

عشق ظلم دوست چون علجز کشی بنیاد کرد — آنچه باد پرویزی بایست بافرهاد کرد

چشم بهودی ازان سروسهی داریم ما — این عجب کز سرو امیدبهی داریم ما

طبیبان دست برداریدا ز فکر علاج من — که سودای شداز عشق پریرویان مزاج من

دل را بذوق وصل تو خورسند می کنم — این شیشه راببین که چه پیوند میکنم

چشم زاهد درفروغ ساغر می خیره است — دختر راز غالباً نسبت باوهمشیره است

مقبلان عیب مگیرید بروز سیهم — کلین سبو روزی من روی زمین را خلی لست

زسبزه خط پشت لب توشد معلوم — که ازکتاب بهار شباب بسمله ایست

بگوید دست روان ست کاروان سرشك — تو...... هم روئ ای دل غریب قافله ایست

باغ خلدست از ان کشته از بخت بلند — خون او شد گل دستار سرآن کورا

چون آئی برسر خلکم نمی واشوکه علشق را — گلی زین گونه زیب گوشه دستار می باید

من و بتی که بهنگام باده پیمائ — زیاد اگر طلبم می برد زیاد مرا

حضوری مطلب سعدی دگر بلشد و گراینجا — زروی دوست باید انتخاب گلستان کردن

بود از شیشه من خاطر من ناز کتر — زد مرا سختی دوران ستمگر برسنگ

بهار عمر بغفلت تمام شد افسوس — رفونکردم و چون گل شدم گریبان چاك

باده خور باده که حسن تو مضاف گردد — سیر دارد عرقی چهره شود چون گل گل

به بخت سبز ناز دهند یکسر — دمی کان لب شود از رنگ پان لعل

بین عشق او براه و فغان دست رس دارم — چون قلیلن این دم نو نا ز طفیل همنفس نارم

شنیدم کاروانی میر سداز جانب کنعان — برنظر گرد راه و گوش بربانگ جرس دارم

تا برنگ صبح صادق از صبوحی دم زدیم — سبحه صد دانه بهر ساغر برهم زدیم

تانظر کردیم دریا شدن صحبت چو صبح — خنده بی اختیاری برگل و شبنم زدیم

شرح بیداد تو خواهیم اگر عرصه دهیم — شکوه چند بتقریب زایام کنیم

ناله بی اختیارم در محبت شهره کرد — همچو آن مستی که رسوا سلز دبوئ شراب

زبس دارم میان اهل عالم عالم دیگر — درون انجمن جائ برون انجمن دارم

بوصف آن دهان تنگ می خواهم سخن کردن — نمی دانم زنا دانی که من که آن دهن دارم

هریکی طرز جدا دارد ارباب سخن — ماحضوری عاشق حسن ادا افتاده ایم

نفس تلهست دارد حرص دنیا سخت بیتابم — بود این بدبلا قتل همره همچو سیمابم

نه گلزار جهان نی باغ جنت در نظر دارم — برنگ شمع از داغ محبت گل بسردارم

زمن ناحق همین پندار من حایل بود ورنه — ندارد روی مطلب ...... گرپرده بسردارم

زدستان محبت چند پرسی همنشین از من — که از بی طاقتی دستی بدل دستی بسردارم

آبروئ قدح مئ بدعا می خواهم — دولت پیرمغان راز خدا می خواهم

فسون دهر تو ...... ای واعظ — تو آب می نگرمی من شراب می بینم

جهان بدیدهٔ حق بین غلط نداشته است — بهرچه می نگرم انتخاب می بینم

حاشابه فریبی دهم ایمان خود از دست — در کوئ تو از حب وطن خانه نشینم

در شکر خواب عدم نوقی حضوری داشتم — چشم واشد تلخ کام مدعا برخاستم

نیست غیر ازیك تهه نان در بساط آفتاب — همچو صبح از سیر چشمی نلشنا برخلستیم

رسید بر سربام آفتاب من وقتی　　که آفتاب رسیده است برسابامم

چمن گر طفل اشکم می شود از دیدۀ غائب　　باندك فرصتی همچشم بایعقوب می کردم

وصیت کرد پیری وقت جان دادن به پورخود　　که آخر جان بپای می رود هر کس بگورخود

رباعیات:

تاآنکه بنائ هستی مابر پاست　　این گردو غبار وهم و اوهام بجاست
هر سایه که هست لازم دیواراست　　دیوار نشست سایه از جابر خاست

هر قید که سروهم قدمی داشته است　　زعالم بالا مددی داشته است
لیکن در اعتقاد معنی فهمان　　مصراع قدمی (کذا) تو آمدی داشته است

لالہ حکیم چند ندرت

لالہ حکیم چند ندرت کے والد لالہ ہروی رام تھانیسر میں قانون گو کے عہدے پر فائز تھے ان کا تعلق بئیس قوم سے تھا۔
نتائج الافکار کے مولف اس بارے میں لکھتے ہیں:

"ناظم نزاکت پسندلاله حکیم چند که ندرت تخلص می کند اصلش از قوم بئیس ووی از اولاد لاله هروی رام قانون گوئ تهانیسر است۔" ۲۴۶

حکیم چند ندرت کے بچپن کے حالات کے بارے میں کوئی معلومات فراہم نہیں ہیں۔ خوشگو کے تذکرہ سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آغاز شباب میں وہ اور خوشگو دونوں مولوی محمد عابد سے اخلاق ناصری کا درس لیتے تھے اور اپنے بقیہ اوقات سیر و تفریح میں گذارتے تھے:

"...... از آغاز شباب او فقیر خوشگو باهم ربط معنوی داشته و باتفاق بخدمت مولوی محمد عابد اخلاق ناصری می خواندیم۔" ۲۴۷

ندرت ایک دلچسپ، خوش مزاج انسان تھے شعر وسخن کی محفل میں مقبول رہتے تھے۔ سخن فہمی و سخن سنجی اور لطیفہ گوئی میں مشہور و معروف تھے۔ خوشگو کا بیان ہے کہ وہ شاعری میں سرخوش سے اصلاح لیتے تھے اور ان کا زیادہ تر وقت انہیں کی محفلوں میں گذرتا تھا۔ ان کی شاعری میں سرخوش کا رنگ پایا جاتا ہے:

"در جناب سرخوش می کده سخن مشق گذراینده هم مشق وهم طرح بودیم۔" ۲۴۸

حکیم چند کو ان کی قابلیت اور اہلیت کے مطابق منصب نصیب نہیں ہوا۔ اور ایک عرصہ تک بخش الممالک صمصام الدولہ کی محفلوں میں شریک رہے اور قربت حاصل رہی اور اسی قربت کی بنا پر وہ انہیں پچاس روپیہ ماہانہ وظیفہ دیتے تھے جو ایک عرصے تک ان کو ملتا رہا۔ خوشگو اس بارے میں لکھتے ہیں:

"امادر عالم اسباب موافق قابلیت از ناتوانی بینی روزگار غدار شد نصیب نشد تامدتی درمحفل بخش الممالك صمصام الدوله از نزدیکان بود همان موافق قسمت یك اسامی عوض پنجاه روپیه که در فرقه والا شاهیان یافته بود تاحال بحال دار دگذران می نماید۔" ۶۴۹ے

ندرت طبع ذہین اور بلند فطرت رکھتے تھے۔ وہ تصوف کے اعلیٰ وارفع مذاق سے بھی واقف تھے اور بارہا میرزا بیدل اور شاہ گلشن کی صحبتوں سے فیضیاب ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ خان آرزو اور دیگر نامور شعراء کی محفلوں سے بھی مستفیض ہوئے۔ خوشگو کا بیان ہے:

"طبعی بس بلند و ذهینی رسادارد ووقت در طبعش بسیار یافته می شود۔ از مذاق تصوف آشنامی بهم رسانیده بارها صحبت میرزا بیدل و شاه گلشن الله مرحوم و خانصاحب و دیگر شعرائ نامدار وقت دریافته و فیضهای بسیار برداشته از مستعدان و معنی بندان روزگار ماست۔" ۶۵۰ے

نتائج الافکار کے مولف لکھتے ہیں:

"در نظم پردازی طبع خوش داشت و فکر نیکو و مشق سخن بخدمت سرخوش می کردواکثر بصحبت فصحای نامدار مثل میرزا بیدل و شاه گلشن و خان آرزو رسیده و مدتی بار یاب محفل بخشی الملك امیرالامرا صمصام الدوله بوده۔" ۶۵۱ے

ندرتؔ نے ہندوؤں کی مشہور کتاب بھاگوت گیتا کے دسویں باب کا ترجمہ اور کرشن جی کے حالات کو شیرین خسرو کی زمین میں چار ہزار اشعار میں خوب رنگین و دلنشین انداز میں نظم کیا ہے۔ خوشگو کا بیان ہے کہ جب وہ اس کو نظم کر رہے تھے تو ہر روز وہ اشعار ان کو سناتے تھے۔ اور وہ جب اس قصہ کو نظم کرتے کرتے یہاں تک پہنچے کہ کرشن نے پہاڑ کو اپنی ایک نگلی پر اٹھالیا تو اتفاق سے ایک ہفتہ تک وہ شدت کی بارش کے صدمے سے دوچار رہے۔ اور کسی محفوظ جگہ پر مقیم رہے۔ ندرتؔ کا یہ عقیدہ تھا کہ دورانِ ترجمہ اتنی قیامت خیز بارش ہونے سے ان کا یہ ترجمہ قبول بارگاہ کرشن ہوگیا۔ وہ شعر یہ ہے:

سبک برداشت آن کوه گران را
چو ماه نوبرانگشت آسمان را۶۵۲

حکیم چند ندرت ۱۲۰۰ھ میں اس دارفانی سے رخصت ہوئے جیسا کہ صاحب تذکرہ نتائج الافکار کا بیان ہے:

"در سن ۱۲۰۰ھ وسط ماته فانی عشر خاراجل بپای حیاتش شکست۔"۶۵۳

ندرت کی دیگر مثنوی ذرہ وخورشید ان کی شاعری کی ابتدائی دور کی مثنوی ہے جو دو ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ انہوں نے ایک اور مثنوی ساقی نامہ سات سو اشعار کی نواب صمصام الدولہ کے نام معنون کی ہے۔ جو اپنی روانی اور شستگی زبان کی عمدہ مثال ہے۔ ندرت نے کئی قصائد بھی نظم کئے ہیں جن میں ایک قصیدہ نواب صدر الصدور کی مدح میں ہے اور ایک قصیدہ میر جملہ ترخان کی مدح میں لکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ دیگر امراء وقت کی بھی انہوں نے مدح خوانی کی ہے۔ ندرت نے غزل میں بھی طبع آزمائی کی اور تقریباً پندرہ ہزار اشعار غزلیات میں بھی ترتیب دیئے۔ ان کی نثر بھی بہت پاکیزہ، رنگین اور دلکش ہوتی تھی۔ لیکن آج ان کا یہ سب کلام ہماری دسترس میں نہیں ہے۔ جو اب تقریباً مفقود ہو چکا ہے۔ خوشگو کا بھی یہی بیان ہے:

"بهرحال از مغتنمات روزگار است اشعار به سبب بی

پروائیهانی مزاج ایشان که پروائی عنایت کردن نداشتند
کم بدست آمده۔" ۱۵۴

ندرت کے جستہ جستہ اشعار جو ہم کو آج تذکروں میں ملتے ہیں وہ ان کے فکر و مزاج کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کے اشعار نمونے کے طور پر پیش ہیں:

تاکی مقید من و مائی زخود برآ — ای بنده خیال خدائ زخود برآ

به شیرین می زدی پیمانه پرویز وازین غافل — که آخر خنجر شیر وبه خون کوهکن گیرد

حقیقت تامجاز آئینه دار روئ هم باشد — مژه بکشا چون شمع لین جلوریش کن نگاه آنجا

اگر دل از محبت آب گرد د حل شود مشکل — که دارد بحرمه را در کنار اینجا و ماه آنجا

سخنور در لباس مغزهم جو هر نماباشد — نیام ذوالفقار حیدری از بوریا باشد

میز نددم از مسیحا خم زپهلوی شراب — زنده سازد مردۂ صد ساله رابوی شراب

سوز د به خاك هم زتب عشق تن مرا — چون صبح آتشی است نهال و کفن مرا

گراز لب تشنگی چسید زبان بلکام لب مکشا — چون موج گو هرای صاحب عبد آب طلب مکشا

گلستان می شود صحرابود گرجام می برکف — برنگی عینك سرخی که در پیش نظر باشد

زبان در کام و رزیدن صفائی دل کند پیدا — درلن محفل که عیب یکدگر گفتن هنر باشد۱۵۵

حواشی

۱۔ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر، ڈاکٹر تارا چند، ص ۱۷۴

۲۔ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر، ڈاکٹر تارا چند، ص ۱۸۷

۳۔ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر، ڈاکٹر تارا چند، ص ۲۰۱

۴۔ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر، ڈاکٹر تارا چند، ص ۲۲۲

۵۔ مسلم ثقافت ہندوستان میں، سالک عبدالمجید، ص ۱۱۸

۶۔ مسلم ثقافت ہندوستان میں، سالک عبدالمجید، ص ۱۹۶

۷۔ مسلم ثقافت ہندوستان میں، سالک عبدالمجید، ص ۱۹۸

۸۔ اکبرنامہ، از ابوالفضل، جلد اول، ص ۱۱۸

۹۔ اکبرنامہ، از ابوالفضل، جلد اول، ص ۱۱۸

۱۰۔ بزم تیموریہ از صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۲۳

۱۱۔ اکبرنامہ، از ابوالفضل، جلد اول، ص ۳٦۸

۱۲۔ تاریخ بدایونی، از بدایونی، جلد اول، ص ۴٦۹

۱۳۔ آئین اکبری، ابوالفضل، جلد اول، ص ۲۰۲

۱۴۔ آئین اکبری، ابوالفضل، جلد اول، ص ۲۰۲

۱۵۔ خلاصۃ التواریخ، از منشی سجان رائے، ص ۴۰۹

۱۶۔ تذکرہ خوش نویساں، ص ۸۸

۱۷۔ اکبرنامہ، از ابوالفضل، جلد اول، ص ۲۷۱

۱۸۔ منتخب التواریخ، از بدایونی، جلد ۳، ص ۲۰۱

۱۹۔ شعرالعجم، از شبلی نعمانی، مترجم سید محمد تقی داغی گیلانی، ص ۱۳۹ (مطبوعہ تہران)

۲۰۔ بزم تیموریہ، از صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۱۴۴

۲۱۔ تزک جہانگیری، طبع سر سید احمد خاں، ص ۶۸ (مطبوعہ علی گڑھ، ۱۸۴۰ء) بحوالہ بزم تیموریہ، ص ۱۴۴-۵

۲۲۔ فارسی ادب میں ہندوؤں کا حصہ از سید عبداللہ، ص ۱۷

۲۳۔ بحوالہ بزم تیموریہ، ص ۱۷۷

۲۴۔ فارسی ادب میں ہندوؤں کا حصہ، ص ۸۳

۲۵۔ فارسی ادب میں ہندوؤں کا حصہ، ص ۸۰

۲۶۔ فارسی ادب میں ہندوؤں کا حصہ، ص ۸۱

۲۷۔ فارسی ادب میں ہندوؤں کا حصہ، ص ۲۱۱

۲۸۔ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے تمدنی جلوے از صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۱۸۳-۱۸۴

۲۹۔ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے تمدنی جلوے از صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۴۵۱

۳۰۔ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے تمدنی جلوے از صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۱۴

۳۱۔ مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص ۴۱۶

۳۲۔ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے تمدنی جلوے از صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۵۳۷

۳۳۔ نقش پارسی بر احجار ہند، گرد آوردۂ اقل عباد، علی اصغر حکمت، ص ۷

۳۴۔ طبقات اکبری، از خواجہ نظام الدین، ص ۳۸۵ (مطبع نول کشور)

۳۵۔ طبقات اکبری، از خواجہ نظام الدین، ص ۳۸۸

۳۶۔ طبقات اکبری، از خواجہ نظام الدین، ص ۳۸۸

۳۷۔ منتخب التواریخ، از بدایونی جلد-۳، ص ۲۰۱

۳۸۔ ہمیشہ بہار، از کشن چند اخلاص، ص ۵۰

۳۹۔ تذکرہ گل رعنا، لچھمن نرائن شفیق، ص ۲۹۳

۴۰۔ مخزن الغرائب، از شیخ احمد علی خان ہاشمی سندیلوی، ص ۴۲۵

۴۱۔ شمع انجمن، از نواب میر حسن صدیق خان، ص ۱۰۰

۴۲ بزم تیموریہ، از صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۱۰۷
۴۳ مخزن الغرائب، از شیخ احمد علی خان ہاشمی سندیلوی، ص ۴۲۷
۴۴ ہمیشہ بہار، از کشن چند اخلاص، ص ۵۰
۴۵ تذکرہ گل رعنا، لچھمن نرائن شفیق، ص ۲۹۴
۴۶ روز روشن، محمد مظفر حسین گوپاموی، ص ۱۳۶
۴۷ مخزن الغرائب، از شیخ احمد علی خان ہاشمی سندیلوی، ص ۴۲۵
۴۸ جہانگیر نامہ (بحوالہ تذکرہ گل رعنا)، ص ۲۹۴
۴۹ تذکرہ گل رعنا، لچھمن نرائن شفیق، ص ۲۹۳
۵۰ نشترِ عشق، ص ۲۰۵
۵۱ مخزن الغرائب، از شیخ احمد علی خان ہاشمی سندیلوی، ص ۴۲۷
۵۲ مخزن الغرائب، از شیخ احمد علی خان ہاشمی سندیلوی، ص ۴۲۶
۵۳ تذکرہ گل رعنا، لچھمن نرائن شفیق، ص ۲۹۴
۵۴ مخزن الغرائب، از شیخ احمد علی خان ہاشمی سندیلوی، ص ۴۲۶
۵۵ تذکرہ گل رعنا، لچھمن نرائن شفیق، ص ۲۹۵
۵۶ تذکرہ مخزن الغرائب، از شیخ احمد علی خان ہاشمی سندیلوی، ص ۴۲۶
۵۷ تذکرہ گل رعنا، لچھمن نرائن شفیق، ص ۲۹۷
۵۸ تذکرہ گل رعنا، لچھمن نرائن شفیق، ص ۲۹۵-۲۹۶
۵۹ مخزن الغرائب، از شیخ احمد علی خان ہاشمی سندیلوی، ص ۴۱۸
۶۰ تذکرہ شعرای پنجاب، از سرہنگ خواجہ عبدالرشید (لاہور)، ص ۲۷
۶۱ تذکرہ شعرای پنجاب، از سرہنگ خواجہ عبدالرشید (لاہور)، ص ۲۷
۶۲ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب، لاہور، جلد-۴، ص ۳۷۴
۶۳ تذکرہ گل رعنا، لچھمن نرائن شفیق، (تلخیص نثار احمد فاروقی) ص ۲۸۵
۶۴ تذکرہ ہمیشہ بہار، از کشن چند اخلاص، ص ۴۱

۶۵ے تذکرۂ حسینی از میر حسن دوست سنبھلی، ص ۴۳
۶۶ے تذکرہ گل رعنا، لچھمن نرائن شفیق، ص ۴۸۴
۶۷ے چہار چمن، از برہمن، ص ۱۰۹
۶۸ے چہار چمن، از برہمن، ص ۹۹
۶۹ے چہار چمن، از برہمن، ص ۸۴
۷۰ے دیوان برہمن، ص ۶۹
۷۱ے چہار چمن، از برہمن (بحوالہ کلیات بہار ستامی)، ص ۳۱
۷۲ے چہار چمن، از برہمن (بحوالہ کلیات بہار ستامی)، ص ۳۳
۷۳ے چندر بھان برہمن ہز لائف اینڈ ورک، رسالہ اسلامک کلچر ۱۹۶۶، ص ۸۱ (مضمون نگار پروفیسر امیر حسن عابدی)
۷۴ے چہار چمن، از برہمن، ص ۴۲
۷۵ے چہار چمن، از برہمن، ص ۵۰
۷۶ے بہار گلشن، جلد-۱، ص ۶۶۲
۷۷ے چہار چمن، از برہمن، ص ۴۰
۷۸ے چہار چمن، از برہمن، ص ۸۵
۷۹ے دیوان برہمن، ص ۷۰
۸۰ے مخزن الغرائب، احمد علی سندیلوی، ص ۱۹۱ جلد-اول
۸۱ے نتائج الافکار، مولانا قدرت اللہ گوپاموی اردشیر، ص ۱۰۶
۸۲ے شمع انجمن، ص ۹۲
۸۳ے تذکرہ حسینی از حسن دوست سنبھلی، ص ۴۳
۸۴ے داغ مغانی، ص ۳۱
۸۵ے رسالہ اسلامک کلچر، اپریل، ۱۹۶۶، مضمون نگار پروفیسر امیر حسن عابدی
۸۶ے اردوئے معلی از حسرت موہانی، ص ۵۸

۸۷؎ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد-۴، ص ۳۷۴، زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب، لاہور

۸۸؎ بزم تیموریہ، از صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۴۱۴

۸۹؎ مراۃ الخیال، ص ۴۱۵-۴۱۶

۹۰؎ کلمات الشعراء، از سرخوش، ص ۳۷-۳۶

۹۱؎ مراۃ الخیال، ص ۱۸۹-۱۹۰

۹۲؎ تذکرہ گل رعنا، از شفیق، ص ۸

۹۳؎ تذکرہ ہمیشہ بہار، از کشن چند اخلاص، ص ۴۱

۹۴؎ عمل صالح، از صالح، ص ۴۳۴

۹۵؎ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، از سید عبداللہ، ص ۸۱

۹۶؎ ارمغان پاک، مولانا اکرام، ص ۵۱

۹۷؎ تاریخ شاہجہان، سکندر اعجاز حسین، ص ۲۲۳

۹۸؎ چندر جانی برہمن از لائف اینڈ ورک، رسالہ اسلامک کلچر، ص ۸۴ (۱۹۶۶) مضمون نگار پروفیسر امیر حسن عابدی

۹۹؎ منشآت برہمن (بحوالہ کلیات بہار ستامی)، ص ۱۲۳

۱۰۰؎ چہار چمن (بحوالہ کلیات بہار سنام) ص ۷۵-۷۶

۱۰۱؎ چہار چمن (بحوالہ کلیات بہار سنام) ص ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸

۱۰۲؎ چہار چمن (بحوالہ کلیات بہار سنام) ص ۱۲۵۰

۱۰۳؎ قصائد، کلیات برہمن، ص ۱۱۰

۱۰۴؎ قصائد، کلیات برہمن، ص ۱۱۱

۱۰۵؎ دیوان برہمن، ص ۲۶

۱۰۶؎ دیوان برہمن، ص ۵

۱۰۷؎ دیوان برہمن، ص ۲۶

۱۰۸؎ دیوان برہمن، ص ۵۶ (بحوالہ کلیات برہمن بہار سنامی)

۱۰۹؎ دیوان برہمن، ص ٦

۱۱۰؎ دیوان برہمن، ص ۱۳

۱۱۱؎ دیوان برہمن، ص ۲۱

۱۱۲؎ دیوان برہمن، ص ۵

۱۱۳؎ دیوان برہمن، ص ٦

۱۱۴؎ دیوان برہمن، ص ۵۲

۱۱۵؎ دیوان حافظ، ص

۱۱٦؎ دیوان برہمن، ص ٦۲

۱۱۷؎ دیوان برہمن، ص ۱۱

۱۱۸؎ دیوان برہمن، ص ۷٦

۱۱۹؎ دیوان برہمن، ص ۴۱

۱۲۰؎ دیوان برہمن، ص ۲۸

۱۲۱؎ دیوان برہمن، ص ٦۰

۱۲۲؎ دیوان برہمن، ص ۵۱

۱۲۳؎ دیوان برہمن، ص ۳۴

۱۲۴؎ دیوان برہمن، ص ۱۳

۱۲۵؎ دیوان برہمن، ص ۲۸

۱۲٦؎ دیوان برہمن، ص ۲۲

۱۲۷؎ دیوان برہمن، ص ۳

۱۲۸؎ دیوان برہمن، ص ۳۳

۱۲۹؎ دیوان برہمن، ص ۹۳

۱۳۰؎ دیوان برہمن، ص ۷۰

۱۳۱؎ دیوان برہمن، ص ۲۲

۱۳۲؎ عمل صالح، محمد صالح کنبوہ، جلد-۳، ص۴۳۴
۱۳۳؎ دیوان برہمن، ص۱۷
۱۳۴؎ دیوان برہمن، ص۱۷
۱۳۵؎ دیوان برہمن، ص
۱۳۶؎ دیوان برہمن، ص۷۶
۱۳۷؎ دیوان برہمن، ص۷۹
۱۳۸؎ دیوان برہمن، ص۱۴
۱۳۹؎ دیوان برہمن، ص۹
۱۴۰؎ دیوان برہمن، ص۱۷
۱۴۱؎ دیوان برہمن، ص۱۷
۱۴۲؎ دیوان برہمن، ص۳۰
۱۴۳؎ دیوان برہمن، ص۳۱
۱۴۴؎ دیوان برہمن، ص۶۹
۱۴۵؎ دیوان برہمن، ص۹۲
۱۴۶؎ دیوان برہمن، ص۶
۱۴۷؎ دیوان برہمن، ص۸۸
۱۴۸؎ دیوان برہمن، ص۹۰
۱۴۹؎ دیوان برہمن، ص۷۰
۱۵۰؎ دیوان برہمن، ص۳۰
۱۵۱؎ دیوان برہمن، ص۸۶
۱۵۲؎ دیوان برہمن، ص۵۵
۱۵۳؎ دیوان برہمن، ص۶۶
۱۵۴؎ دیوان برہمن، ص۲۲

۱۵۵ دیوان برہمن، ص۳۰

۱۵۶ دیوان برہمن، ص۴۹

۱۵۷ دیوان برہمن، ص۵۵

۱۵۸ دیوان برہمن، ص۴۷

۱۵۹ دیوان برہمن، ص۸۸

۱۶۰ دیوان برہمن، ص۹۱

۱۶۱ دیوان برہمن، ص۸۵

۱۶۲ دیوان برہمن، ص۴

۱۶۳ دیوان برہمن، ص۵

۱۶۴ دیوان برہمن، ص۶

۱۶۵ دیوان برہمن، ص۱۰

۱۶۶ دیوان برہمن، ص۱۰

۱۶۷ دیوان برہمن، ص۱۵

۱۶۸ دیوان برہمن، ص۷۶

۱۶۹ دیوان برہمن، ص۸۶

۱۷۰ دیوان برہمن، ص۲

۱۷۱ دیوان برہمن، ص۳۱

۱۷۲ دیوان برہمن، ص۷

۱۷۳ دیوان برہمن، ص۲۰

۱۷۴ دیوان برہمن، ص۳۱

۱۷۵ دیوان برہمن، ص۵۸

۱۷۶ دیوان برہمن، ص۷۶

۱۷۷ دیوان برہمن، ص۷۳

۱۷۸؎ دیوان برہمن، ص۳۴

۱۷۹؎ دیوان برہمن، ص۸۱

۱۸۰؎ دیوان برہمن، ص۱۷

۱۸۱؎ دیوان برہمن، ص۶۳

۱۸۲؎ دیوان برہمن، ص۱۸

۱۸۳؎ دیوان برہمن، ص۸۷

۱۸۴؎ دیوان برہمن، ص۵

۱۸۵؎ دیوان برہمن، ص۳

۱۸۶؎ دیوان برہمن، ص۳۲

۱۸۷؎ دیوان برہمن، ص۱۵

۱۸۸؎ دیوان برہمن، ص۱۱

۱۸۹؎ دیوان برہمن، ص۳۸

۱۹۰؎ دیوان برہمن، ص۸۰

۱۹۱؎ دیوان برہمن، ص۵۷

۱۹۲؎ دیوان برہمن، ص۱

۱۹۳؎ دیوان برہمن، ص۲

۱۹۴؎ دیوان برہمن، ص۲

۱۹۵؎ دیوان برہمن، ص۲۴

۱۹۶؎ دیوان برہمن، ص۲

۱۹۷؎ دیوان برہمن، ص۶

۱۹۸؎ دیوان برہمن، ص۲۶

۱۹۹؎ دیوان برہمن، ص۳۹

۲۰۰؎ رباعیات و دیگر متفرقات، مرتبہ رائے بھگوت رائے صاحب سنامی، ص۹۶

۲۰۱۔ رباعیات و دیگر متفرقات، مرتبہ رائے بھگوت رائے صاحب سنامی، ص ۱۰۰

۲۰۲۔ کلیات برہمن، ص ۴۶

۲۰۳۔ کلیات برہمن، ص ۴۷

۲۰۴۔ کلیات برہمن، ص ۴۷

۲۰۵۔ کلیات بہار سنامی، ص ۴۷

۲۰۶۔ کلیات بہار سنامی، ص ۴۸

۲۰۷۔ کلیات بہار سنامی، ص ۱۰۳

۲۰۸۔ کلیات بہار سنامی، ص ۱۰۳

۲۰۹۔ کلیات بہار سنامی، ص ۵۸

۲۱۰۔ کلیات بہار سنامی، ص ۱۰۳

۲۱۱۔ کلیات بہار سنامی، ص ۱۷

۲۱۲۔ کلیات بہار سنامی، ص ۴۵

۲۱۳۔ مثنوی ہفت بحر، ص ۲

۲۱۴۔ مثنوی ہفت بحر، ص ۲

۲۱۵۔ مثنوی ہفت بحر، ص ۱۳

۲۱۶۔ مثنوی ہفت بحر، ص ۱۸

۲۱۷۔ مثنوی ہفت بحر، ص ۲۰-۲۱

۲۱۸۔ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص ۳۸

۲۱۹۔ تذکرہ شعرای کشمیر، ص ۱۱۵-۱۱۶

۲۲۰۔ مجمع النفائس، سراج الدین علی خان آرزو، ص ۵۳-۵۴

۲۲۱۔ پارسی سرایان کشمیر، دکتر گ ل تیلکو (از انتشارات انجمن ایران و ہندو تہران، ۱۳۷۲) ص، ۴۴

۲۲۲۔ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص ۳۸-۳۹

۲۲۳ نتائج الافکار، ص ۳۴۳

۲۲۴ مجمع النفائس، سراج الدین علی خان آرزو، ص ۵۳

۲۲۵ صحف ابراہیم، ص ۱۸۵

۲۲۶ شمع انجمن، ص ۲۱۴

۲۲۷ ماثر عالمگیری، محمد ساقی، کلکتہ ۱۸۷۱ء، ص ۲۳۱-۲۳۴

۲۲۸ دیوان سالم، سالم کشمیری، بانکی پور نمبر-۵۶۴ (فہرست انگریزی) جلد-۳، ۳۴۰ (بحوالہ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب، ص ۳۳۳)

۲۲۹ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص ۳۹

۲۳۰ مجمع النفائس، سراج الدین علی خان آرزو، ص ۵۴

۲۳۱ صحف ابراہیم، ص ۸۰

۲۳۲ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب از نورالحسن انصاری، ص ۲۳۳

۲۳۳ دیوان سالم، ص ۲

۲۳۴ دیوان سالم، ص ۵۲۵-۵۲۶

۲۳۵ دیوان سالم، ص ۲۸۰-۲۸۱

۲۳۶ دیوان سالم، ص ۱۰۷

۲۳۷ دیوان سالم، ص ۱۰۸

۲۳۸ دیوان سالم، ص ۱۳۴

۲۳۹ دیوان سالم، ص ۵۰

۲۴۰ دیوان سالم، ص ۴۸

۲۴۱ دیوان سالم، ص ۹۲

۲۴۲ دیوان سالم، ص ۴-۵

۲۴۳ دیوان سالم، ص ۱۴۷

۲۴۴ دیوان سالم، ص ۴۸۹

۲۴۵۔ دیوان سالم، ص ۴۸۹

۲۴۶۔ دیوان سالم، ص ۵۰۴

۲۴۷۔ سفینۂ خوشگو، ص ۳۹

۲۴۸۔ دیوان سالم، ص ۹۵

۲۴۹۔ دیوان سالم، ص ۴۸۹

۲۵۰۔ دیوان سالم، ص ۱۶۱

۲۵۱۔ دیوان سالم، ص ۲۸۱

۲۵۲۔ دیوان سالم، ص ۲۸۰

۲۵۳۔ دیوان سالم، ص ۴۷

۲۵۴۔ دیوان سالم، ص ۴۸

۲۵۵۔ دیوان سالم، ص ۲۶

۲۵۶۔ دیوان سالم، ص ۹۳

۲۵۷۔ دیوان سالم، ص ۲۹۸

۲۵۸۔ دیوان سالم، ص ۶۵

۲۵۹۔ دیوان سالم، ص ۸۱

۲۶۰۔ دیوان سالم، ص ۶۵

۲۶۱۔ دیوان سالم، ص ۶۵

۲۶۲۔ دیوان سالم، ص ۸۱

۲۶۳۔ ہمیشہ بہار، از کشن چند اخلاص، ص ۳۷

۲۶۴۔ سفینۂ خوشگو از بندرابن داس خوشگو، ص ۱۰۱

۲۶۵۔ تذکرہ گل رعنا، از لچھمی نرائن شفیق، ص ۵۵۹

۲۶۶۔ صحف ابراہیم، ص ۲۷

۲۶۷۔ مخزن الغرائب، احمد علی سندیلوی، ص ۳۸۷

۲۶۸ء تذکرہ روز روشن

۲۶۹ء سفینۂ خوشگو از بندرابن داس خوشگو، ص۱۰۱ (دفتر ثالث)

۲۷۰ء مثنوی بیغم بیراگی، ورق ۹ (قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور، ۱۷۵)

۲۷۱ء سفینۂ خوشگو از بندرابن داس خوشگو، ص۱۰۱

۲۷۲ء تذکرہ گل رعنا، از لچھمی نرائن شفیق، ص۵۵۹

۲۷۳ء سفینۂ خوشگو از بندرابن داس خوشگو، ص۱۰۱

۲۷۴ء سفینۂ خوشگو از بندرابن داس خوشگو، ص۱۰۱، ہمیشہ بہار، ص ۲۸، گل رعنا، ص ۲۹۱، صحف ابراہیم، ص ۲۸، مخزن الغرائب، ص ۳۸۸، کلیات الشعراء، ص ۲۷، روز روشن، ص ۱۱۶

۲۷۵ء ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، از سید عبداللہ، ص ۲۹۳

۲۷۶ء مثنوی بیغم بیراگی

۲۷۷ء مثنوی بیغم بیراگی

۲۷۸ء مثنوی بیغم بیراگی

۲۷۹ء ہمیشہ بہار، از کشن چند اخلاص، ص ۳۸

۲۸۰ء مثنوی بیغم بیراگی، ورق ۸

۲۸۱ء مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۲۷

۲۸۲ء مثنوی بیغم بیراگی، قلمی، ورق ۲

۲۸۳ء مثنوی مولانا روم، ص۲، دفتر اول

۲۸۴ء مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۳

۲۸۵ء مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۸

۲۸۶ء مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۸، ۹

۲۸۷ء مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۱۲۲

۲۸۸ء مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۱۳

۲۸۹ء مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۱۵

۲۹۰۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۱۵

۲۹۱۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۱۶

۲۹۲۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۱۶

۲۹۳۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۱۶

۲۹۴۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۱۸

۲۹۵۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۴۳

۲۹۶۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۴۳

۲۹۷۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۶۱

۲۹۸۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۷۹

۲۹۹۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۷۷

۳۰۰۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۷۸

۳۰۱۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۸۴

۳۰۲۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۸۹

۳۰۳۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۹۵

۳۰۴۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۹۵

۳۰۵۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۹۵

۳۰۶۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۱۰۵

۳۰۷۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۱۰۶

۳۰۸۔ مثنوی بیغم بیراگی (قلمی) ورق ۱۰۸

۳۰۹۔ سفینۂ خوشگو از بندرابن داس خوشگو، (دفتر ثالث) ص ۱۸۳

۳۱۰۔ مقالات الشعراء از قیام الدین حیرت آبادی، بہ تصحیح نثار احمد فاروقی، ص ۳۴

۳۱۱۔ تذکرہ گل رعنا، لچھمی نارائن اورنگ آبادی (بحوالہ تین تذکرے تلخیص نثار احمد فاروقی)، ص ۲۹۸

۳۱۲؎ صحف ابراہیم، نواب علی خان ابراہیم، ص ۵۲

۳۱۳؎ سفینہ ہندی، بھگوان داس ہندی، ص ۵۷

۳۱۴؎ نتائج الافکار، محمد قدرت اللہ گوپالوی، ص ۱۹۳

۳۱۵؎ صبح گلشن، نواب علی حسن خان، ص ۱۴۴

۳۱۶؎ سفینہ ہندی، بھگوان داس ہندی (دفتر ثالث)، ص ۵۷

۳۱۷؎ ہمیشہ بہار، ص ۶۳

۳۱۸؎ مقالات الشعراء ص ۳۴

۳۱۹؎ تذکرہ گل رعنا (تلخیص نثار احمد فاروقی)، ص ۲۹۸

۳۲۰؎ مخزن الغرائب، ص ۸۵۷

۳۲۱؎ سفینہ ہندی، بھگوان داس ہندی، ص ۵۷

۳۲۲؎ نتائج الافکار، ص ۱۹۳

۳۲۳؎ صبح گلشن، ص ۱۴۴

۳۲۴؎ دیوان حیاؔ (قلمی) رضا لائبریری رامپور، ورق ۳۴ غیر موجودات ۱۳۴۷ء نمبر شمار ۳۶۷۵

۳۲۵؎ تذکرۂ خوشگو، مطبوعہ

۳۲۶؎ تذکرہ گل رعنا (تلخیص)، ص ۲۹۸

۳۲۷؎ صحف ابراہیم، ص ۵۲

۳۲۸؎ سفینۂ خوشگو، ص ۱۸۵

۳۲۹؎ تذکرہ گل رعنا (تلخیص)، ص ۲۹۹

۳۳۰؎ نتائج الافکار، ص ۱۹۳

۳۳۱؎ صبح گلشن، ص ۱۴۴

۳۳۲؎ سفینۂ خوشگو، ص ۱۸۴

۳۳۳؎ سفینۂ خوشگو، ص ۱۸۴

۳۳۴ سفینہ خوشگو، ص ۱۸۴

۳۳۵ ہمیشہ بہار، ص ۶۳

۳۳۶ مقالات الشعراء، ص ۳۲

۳۳۷ تذکرہ گل رعنا، ص ۲۹۸

۳۳۸ سفینہ ہندی، ص ۵۷

۳۳۹ نتائج الافکار، ص ۱۹۳

۳۴۰ صبح گلشن، ص ۱۴۴

۳۴۱ سفینہ خوشگو، ص ۱۸۵

۳۴۲ سفینہ خوشگو، ص ۱۸۷

۳۴۳ مقالات الشعراء، ص ۳۵

۳۴۴ سفینہ خوشگو، ص ۱۸۵

۳۴۵ سفینہ خوشگو، ص ۱۸۹

۳۴۶ سفینہ خوشگو، ص ۱۸۷

۳۴۷ مقالات الشعراء، ص ۳۵

۳۴۸ مقالات الشعراء، ص ۳۴

۳۴۹ سفینہ خوشگو، ص ۱۸۸

۳۵۰ سفینہ خوشگو، ص ۱۸۶

۳۵۱ سفینہ خوشگو، ص ۱۸۷

۳۵۲ مقالات الشعراء، ص ۳۴

۳۵۳ سفینہ خوشگو، ص ۳۵

۳۵۴ سفینہ خوشگو، ص ۳۵

۳۵۵ دیوان حیا، ورق ۳۵

۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹ دیوان حیا، ورق ۳۵، ورق ۴۷، ورق ۴۴، ورق ۴۵

۳۶۰ سفینۂ خوشگو، ص ۱۸۸

۳۶۱ مقالات الشعراء، ص ۳۶

۳۶۲، ۳۶۳ سفینۂ خوشگو، ص ۱۸۸-۱۸۹

۳۶۴ دیوان حیا، ورق ۱۵

۳۶۵ سفینۂ خوشگو، ص ۱۸۶

۳۶۶ دیوان سالم، ورق ۴۷

۳۶۷ دیوان سالم، ورق ۱۲۰

۳۶۸ دیوان حیا، ورق ۱۲۲

۳۶۹ دیوان حیا، ورق ۱۲۶

۳۷۰ دیوان حیا، ورق ۱۲۵

۳۷۱ دیوان حیا، ورق ۱۲۵

۳۷۲ تذکرہ گل رعنا، ص ۳۰۰

۳۷۳ سفینۂ ہندی، ص ۵۸

۳۷۴ دیوان حیا، ورق ۱۳۲

۳۷۵ تذکرہ باغ معانی، مولف نقش علی، ص ۲۸

۳۷۶ سری بھاگوت اسکند ۱۰، ص ۲-۳

۳۷۷ سری بھاگوت اسکند ۱۰، ص ۳

۳۷۸ سری بھاگوت اسکند ۱۰، ص ۳

۳۷۹ سری بھاگوت اسکند ۱۰، ص ۴

۳۸۰ سری بھاگوت اسکند ۱۰، ص ۳-۴

۳۸۱ باغ معانی، ص ۲۸

۳۸۲ تذکرہ حسینی از حسن دوست سنبھلی، ص ۴۸-۴۹

۳۸۳ نشترِ عشق، ص ۱۷۳-۱۷۴

۳۸۴؎ تذکرہ باغ معانی، ص ۲۸

۳۸۵؎ تذکرہ حسینی، ص ۴۸

۳۸۶؎ سری بھاگوت اسگند اول، ص۲

۳۸۷؎ سری بھاگوت اسگند اول، ص۱۳

۳۸۸؎ سری بھاگوت اسگند اول، ص۹

۳۹۸، ۳۹۰؎ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ از سید عبداللہ، ص۱۷۳

۳۹۱؎ سری بھاگوت اسگند اول، ص۱۳

۳۹۲؎ سری بھاگوت اسگند۳، ص۱۹۴

۳۹۳؎ چمنستان الشعراء (مقدمہ) از عبدالحق، ص۲

۳۹۴؎ تذکرہ گل رعنا (از شفیق) بحوالہ تلخیص از نثار احمد فاروقی، ص۹۳

۳۹۵؎ نتائج الافکار، مولانا قدرت اللہ، ص۴۰۰

۳۹۶؎ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ از سید عبداللہ، ص۱۰۹

۳۹۷؎ تذکرہ گل رعنا (از شفیق) بحوالہ تلخیص از نثار احمد فاروقی، ص۳۱۵ ج دوم

۳۹۹؎ شام غریباں (مقدمہ) ص۱

۳۹۹؎ چمنستان الشعراء (مقدمہ) از عبدالحق، ص۱

۴۰۰؎ نتائج الافکار، مولانا قدرت اللہ، ص۳۹۹

۴۰۱؎ شمع انجمن از سید محمد صدیق حسن، ص ۲۳۵

۴۰۲؎ چمنستان الشعراء (مقدمہ) از عبدالحق، ص۱

۴۰۳؎ تذکرہ دربار حیدرآباد از دمن راج سکسینہ، ص ۳۵

۴۰۴؎ محبوب الزمن از ابوتراب عبدالجبار خان، جلد۱ ص ۴۴۷

۴۰۵؎ چمنستان الشعراء (مقدمہ) از عبدالحق، ص۴۹۴

۴۰۶؎ چمنستان الشعراء (مقدمہ) از عبدالحق، ص۴۹۴

۴۰۷؎ تذکرہ گل رعنا (از شفیق) بحوالہ تلخیص از نثار احمد فاروقی، ص۳۱۶

۴۰۸؎ شمع انجمن از سید محمد صدیق حسن، ص ۳۳۵

۴۰۹؎ چمنستان الشعراء (مقدمہ) از عبدالحق، ص ۴۹۴

۴۱۰؎ چمنستان الشعراء (مقدمہ) از عبدالحق، ص ۴۹۴

۴۱۱؎ تذکرہ گل رعنا (از شفیق) بحوالہ تلخیص از نثار احمد فاروقی، ص ۳۱۷ (حصہ دوم)

۴۱۲؎ چمنستان الشعراء (مقدمہ) از عبدالحق، ص ۴

۴۱۳؎ چمنستان الشعراء (مقدمہ) از عبدالحق، ص ۴۹۴

۴۱۴؎ تذکرہ گل رعنا (از شفیق) بحوالہ تلخیص از نثار احمد فاروقی، ص ۳۱۶

۴۱۵؎ شام غریبان (مقدمہ)، ص ۱

۴۱۶؎ نتائج الافکار، ص ۴۰۰

۴۱۷؎ مقدمہ گل رعنا

۴۱۸؎ شمع انجمن، ص ۲۳۵

۴۱۹؎ تصویر جانان (مثنوی لچھمی نرائن شفیق) مترجم خواجہ حمید الدین شاہد، ص ۱۰ (حوالہ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے، ساجد زید پوری، ص ۸۱)

۴۲۰؎ مقدمہ چمنستان شعراء

۴۲۱؎ تذکرہ فارسی گو شعرای اردو از عبدالروف عروج، اکتوبر ۱۹۷۱، ص ۹۷

۴۲۲؎ تذکرہ گل رعنا (از شفیق) بحوالہ تلخیص از نثار احمد فاروقی، ص ۳۱۶-۳۱۷ (حصہ دوم)

۴۲۳؎ شام غریباں، ص ۳۲۱

۴۲۴؎ شام غریبان، ص ۳۲۱

۴۲۵؎ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۳۷

۴۲۶؎ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۴۱

۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹؎ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۴۰

۴۳۰؎ شمع انجمن، از سید محمد صدیق حسن، ص ۱۴۰

۴۳۱؎ شمع انجمن، از سید محمد صدیق حسن، ص ۱۲۵

۴۳۲ گل رعنا (از شفیق) بحوالہ تلخیص از نثار احمد فاروقی، ص ۳۱۹

۴۳۳ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۳۴

۴۳۴ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۲۵

۴۳۵ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۲۹

۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۲۹، ۱۳۲، ۱۳۷

۴۳۹، ۴۴۰ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۲۸، ۱۲۸

۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۳۰، ۱۳۴، ۱۳۸

۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۳۴، ۱۲۹، ۱۴۱، ۱۴۱

۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۳۱، ۱۲۹، ۱۲۷، ۱۱۲

۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۳۶، ۱۳۳، ۱۲۷

۴۵۵ چمنستان شعراء، ص ۱۷۸

۴۵۶ چمنستان شعراء، ص ۴

۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹۔ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۲

۴۶۰ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۲۳

۴۶۱ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۱۶

۴۶۲ لچھمی نرائن شفیق حیات اور کارنامے از سید رضا ساجد رضوی، ص ۱۱۷

۴۶۳ رقعات لچھمی نرائن شفیق، مطبع نول کشور باکمال لالہ بشیشر دیال، اکتوبر ۱۸۸۲ء

۴۶۴ سفینۂ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص ۳۲۸

۴۶۵ مجمع النفائس، از آرزو، ص ۴۷

۴۶۶ خزانہ عامرہ، آزاد بلگرامی، ص ۴۲۵

۴۶۷ تذکرہ گل رعنا، ص ۱۳۰

۴۶۸ے صحف ابراہیم، علی خان ابراہیم، ص ۱۲۳

۴۶۹ے سفینہ ہندی، بھگوان داس ہندی، ص ۱۹۶

۴۷۰ے نتائج الافکار، مولانا قدرت اللہ، ص ۶۶۰

۴۷۱ے مجمع الانتخاب (تلخیص) مولف شاہ محمد کمال، ص ۱۲۸

۴۷۲ے بزم تیموریہ، صباح الدین عبدالرحمٰن، ص ۳۱۰

۴۷۳ے ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، سید عبداللہ، ص ۱۲۷

۴۷۴ے مخزن الغرائب، احمد علی سندیلوی، ص ۹۸۲

۴۷۵ے نتائج الافکار، ص ۶۶۰

۴۷۶ے خزانہ عامرہ، ص ۳۲۵

۴۷۷ے ہمیشہ بہار، از کشن چند اخلاص، ص ۲۳۴

۴۷۸ے سفینہ خوشگو، بندرا بن داس خوشگو، ص ۳۳۱ (دفتر ثالث)

۴۷۹ے خزانہ عامرہ، ص ۳۲۵

۴۸۰ے چمنستان شعراء، از لچھمی نرائن شفیق، ص ۲۸۵

۴۸۱ے مجمع النفائس، ص ۴۷، نتائج الافکار، ص ۶۶

۴۸۲ے صحف ابراہیم، ص ۱۲۳

۴۸۳ے سفینہ ہندی، ص ۱۹۷

۴۸۴ے بزم تیموریہ، ص ۳۱۰

۴۸۵ے ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، سید عبداللہ، ص ۱۲۷

۴۸۶ے مجمع النفائس، ص ۴۷

۴۸۷ے دیوان مخلص، ص ۶

۴۸۸ے خزانہ عامرہ، ص ۴۲۵

۴۸۹ے تذکرہ گل رعنا، ص ۳۲۵

۴۹۰ے سفینہ ہندی، ص ۱۹۶

۴۹۱؎ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، سید عبداللہ، ص ۱۲۷

۴۹۲؎ سفینۂ خوشگو، ص ۳۳۳

۴۹۳؎ سفینۂ ہندی، ص ۱۹۷

۴۹۴؎ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، سید عبداللہ، ص ۱۲۹

۴۹۵؎ دیوان مخلص (قلمی)، ص ۲۳۱

۴۹۶؎ دیوان مخلص، ص ۳۱۴

۴۹۷؎ بزم تیموریہ، ص ۳۱۰

۴۹۸؎ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، سید عبداللہ، ص ۱۲۹

۴۹۹؎ مجمع النفائس، ص ۷۵

۵۰۰؎ سفینۂ خوشگو، ص ۲۳۳ (دفتر ثالث)

۵۰۱؎ چمنستان شعراء، ص ۲۸۵

۵۰۲؎ نتائج الافکار، ص ۶۶۰

۵۰۳؎ سفینۂ خوشگو، ص ۳۳۸

۵۰۴؎ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، سید عبداللہ، ص ۱۳۴

۵۰۵؎ دیوان مخلص، ص ۲۶

۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸؎ دیوان مخلص، ص ۱، ۲، ۴

۵۰۹؎ سفینۂ خوشگو، ص ۳۳۵

۵۱۰؎ تذکرہ شعرای پنجاب، ص ۳۲۸

۵۱۱؎ سفینۂ خوشگو، ص ۲۳۷

۵۱۲؎ دیوان مخلص، ص ۳۸

۵۱۳؎ بزم تیموریہ، ص ۳۱۱

۵۱۴، ۵۱۵؎ سفینۂ خوشگو، ص ۳۳۴، ۳۳۷

۵۱۶؎ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، سید عبداللہ، ص ۱۲۸

۵۱۷ سفینۂ خوشگو، ص ۳۳۷

۵۱۸، ۵۱۹ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، سید عبداللہ، ص ۱۲۹

۵۲۰ بزم تیموریہ، ص ۳۱۶

۵۲۱، ۵۲۲ سفینۂ خوشگو، ص ۳۳۷

۵۲۳ مجمع النفائس، ص ۷۵

۵۲۴ خزانہ عامرہ، آزاد بلگرامی، ص ۴۲۶ مطبع منشی نولکشور

۵۲۵ سفینۂ خوشگو، ص ۳۳۵

۵۲۶ دیوان مخلص، ص ۱۴-۱۵

۵۲۷ دیوان مخلص، ص ۱۶۵-۱۶۶

۵۲۸ دیوان مخلص، ص ۱۲۲

۵۲۹ دیوان مخلص، ص ۳۸

۵۳۰ دیوان مخلص، ص ۲۷۲

۵۳۱ دیوان مخلص، ص ۲۷۷

۵۳۲ دیوان مخلص، ص ۲۹۵

۵۳۳ دیوان مخلص، ص ۲۸۳

۵۳۴ دیوان مخلص، ص ۲۹۹

۵۳۵ دیوان مخلص، ص ۳۰۲

۵۳۶ دیوان مخلص، ص ۲۰۳

۵۳۷ دیوان مخلص، ص ۲۰۶

۵۳۸ دیوان مخلص، ص ۲۱۱

۵۳۹ دیوان مخلص، ص ۲۱۴

۵۴۰ سفینۂ ہندی، از بھگوان داس ہندی، ص ۶۷

۵۴۱ تذکرہ گل رعنا، ص ۳۰۱-۳۰۲

۵۴۲ مخزن الغرائب، ص ۸۷۱

۵۴۳ سفینۂ خوشگو، دفتر ثالث، ص ب

۵۴۴ روز روشن، ص ۲۰۶

۵۴۵ سفینۂ خوشگو، ص ۱۱۸

۵۴۶ سفینۂ خوشگو، ص ی

۵۴۷ مجمع النفائس، ص ۱۳۷

۵۴۸ تذکرہ گل رعنا، ص ۳۰۲

۵۴۹ مقالات الشعراء، ص ۴۷

۵۵۰ سفینہ ہندی، ص ۶۷

۵۵۱ منتخب الطائف، ص ۱۷۵

۵۵۲ تکملۃ الشعراء، ص ۱۴

۵۵۳ سفینہ خوشگو، ص ۱۱۷

۵۵۴ سفینہ خوشگو، ص ۱۱۸

۵۵۵ سفینہ خوشگو، ص ۱۱۲

۵۵۶ سفینہ خوشگو، ص ۱۱۰

۵۵۷ سفینہ خوشگو، ص ۱۰۴

۵۵۸ سفینہ خوشگو، ص ۱۱۲

۵۵۹ سفینہ خوشگو، ص ۱۱۹

۵۶۰ سفینہ خوشگو، ص ۱۲۳

۵۶۱ سفینہ خوشگو، ص ۱۶۵

۵۶۲ سفینہ خوشگو، ص ۱۶۶

۵۶۳ سفینہ خوشگو، ص ۱۶۷

۵۶۴ سفینہ خوشگو، ص ۱۶۸

۵۶۵ سفینہ خوشگو، ص ۴۷-۷۵

۵۶۶ سفینہ خوشگو، ص ۳۲۰-۳۲۱

۵۶۷ تذکرہ گل رعنا، ص ۳۰۳

۵۶۸ مخزن الغرائب، ص ۸۷۲

۵۶۹ سفینہ ہندی، ص ۶۷

۵۷۰ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، ص ۲۰۸

۵۷۱ سفینہ خوشگو، ص ب

۵۷۲ تذکرہ گل رعنا، ص ۲۰۳

۵۷۳ صحف ابراہیم، ص ۵۷

۵۷۴ سفینہ خوشگو، ص ۲۰۲

۵۷۵ سفینہ خوشگو، ص ۲۲۹-۲۳۰

۵۷۶ سفینہ خوشگو، ص ۲۴۰

۵۷۷ سفینہ خوشگو، ص ۲۸۶

۵۷۸ سفینہ خوشگو، ص ۳۴۴

۵۷۹ سفینہ خوشگو، ص ۱۵۲

۵۸۰ مجمع النفائس از آرزو، ص ۱۳۷

۵۸۱ مجمع النفائس، ص ۱۳۷ ،

۵۸۲ سفینہ خوشگو، ص ۱۳-۱۲

۵۸۳ سفینہ خوشگو، ص ۹۳

۵۸۴ مجمع النفائس، ص ۱۳۸ (بحوالہ سفینہ خوشگو، ص ک)

۵۸۵ مخزن الغرائب، ص ۸۷۲

۵۸۶ سفینہ ہندی، ص ۶۷

۵۸۷ دبستان مذاہب، مطبع منشی نولکشور، ص ۱۷۶-۱۷۵

۵۸۸ تذکرہ گل رعنا، ص ۳۳۷

۵۸۹ روز روشن، ص ۶۸۷

۵۹۰ نگارستان سخن، سید نور الحسن صانہ اللہ، ص ۱۴۲

۵۹۱ بزم تیموریہ، ص ۴۱۶

۵۹۲ گلزار حال یا طلوع معرفت ترجمہ فارسی پر بود چندراودی ربکوشش دکتر تاراچند و دکتر امیر حسن عابدی دانشگاہ اسلامی علی گڑھ، ۱۹۶۱

۵۹۳ سفینہ خوشگو، سید سالا (بحوالہ گلزار حال یا طلوع معرفت)

۵۹۴ تکملتہ الشعراء، قدرت اللہ شوق، ص ۶۵۴ (نسخہ خطی شمارہ ۲۴۱۴، رامپور)

۵۹۵ روز روشن مولفہ مولوی محمد مظفر حسین صبا، ص ۶۸۷

۵۹۶ بزم تیموریہ، ص ۴۱۶

۵۹۷ مثنوی شش وزن ولی رام ولی، ص ۱۰۰ (در مطبع زاوالمطابع باہتمام محمد شہاب الدین جنوری، ۱۸۶۷، طبع شدہ)

۵۹۸ سفینہ خوشگو، سید سالار

۵۹۹ نگارستان سخن، ص ۱۴۳

۶۰۰ تذکرہ گل رعنا، ص ۳۳۷

۶۰۱ مثنوی شش وزن، ص ۱

۶۰۲ مثنوی شش وزن، ص ۲۳

۶۰۳ مثنوی شش وزن، ص ۴۸

۶۰۴ مثنوی شش وزن، ص ۵۹

۶۰۵ مثنوی شش وزن، ص ۸۳

۶۰۶ مثنوی شش وزن، ص ۸۹

۶۰۷ مثنوی شش وزن، ص ۱

۶۰۸ مثنوی شش وزن، ص ۵

۶۰۹؎ مثنوی شش وزن، ص۱۰

۶۱۰؎ مثنوی شش وزن، ص۱۱

۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳؎ مثنوی شش وزن، ص۱۳، ۱۷، ۲۹

۶۱۴؎ مثنوی شش وزن، ص۱۵

۶۱۵؎ مثنوی شش وزن، ص۲۱

۶۱۶؎ مثنوی شش وزن، ص۴۲

۶۱۷؎ مثنوی شش وزن، ص۸۴

۶۱۸؎ مثنوی شش وزن، ص۶۵

۶۱۹؎ مثنوی شش وزن، ص۶۶

۶۲۰؎ مثنوی شش وزن، ص۸۱

۶۲۱؎ تذکرہ حسینی، ص۳۶۱

۶۲۲؎ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۱۸۲ (دفتر ثالث)

۶۲۳؎ مجمع النفائس، ص۸۴-۸۵

۶۲۴؎ کلمات الشعراء، ص۱۲۳

۶۲۵؎ سفینہ خوشگو، ص۱۸۲-۱۸۳

۶۲۶؎ کلمات الشعراء، ص۱۲۲

۶۲۷؎ تذکرہ حسینی، ص۳۶۱

۶۲۸؎ سفینہ خوشگو، ص۱۸۳

۶۲۹؎ کلمات الشعراء، ص۱۲۳

۶۳۰؎ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۹۲ (دفتر ثالث)

۶۳۱؎ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۹۲ (دفتر ثالث)

۶۳۲؎ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۹۲ (دفتر ثالث)

۶۳۳؎ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۹۲ (دفتر ثالث)

۶۳۴ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۹۲ (دفتر ثالث)

۶۳۵ گل رعنا، ص۲۹۰

۶۳۶ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۳۱۱

۶۳۷ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۱۲-۳۱۱

۶۳۸ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۳۱۲

۶۳۹ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۱۶۴

۶۴۰ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۱۶۴

۶۴۱ تذکرہ شعرای پنجاب، ص۲۱۱

۶۴۲ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۳۴۸

۶۴۳ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۳۴۸

۶۴۴ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۳۵۲-۳۴۹

۶۴۵ نتائج الافکار، مولوی قدرت اللہ گوپاموی، ص۲۸۷

۶۴۶ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۳۵۲

۶۴۷ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۳۵۲

۶۴۸ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۳۵۲

۶۴۹ ایضاً، ص۳۵۲

۶۵۰ نتائج الافکار، ص۲۸۷

۶۵۱ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۳۵۳

۶۵۲ نتائج الافکار، ص۲۸۷

۶۵۳ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۳۵۴

۶۵۴ سفینہ خوشگو، از بندرابن داس خوشگو، ص۳۵۵

کتابیات

کتابیات

(الف)

۱. آئین اکبری: ابوالفضل بن مبارک
۲. آداب عالمگیری: اورنگ زیب عالمگیر
۳. ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ: سید عبداللہ
۴. اردوئے معلیٰ: حسرت موہانی
۵. ارمغان پاک: مولانا اکرام
۶. اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر: ڈاکٹر تارا چند
۷. اکبر نامہ: ابوالفضل، جلد اول
۸. امرائے ہنود: محمد سعید ماہروی، ۱۹۳۲ء
۹. انشائے لچھمی نرائن: منشی لچھمی نرائن، سلطانیہ لائبریری، لکھنو، ۱۲۰۵ھ
۱۰. اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر: شبلی نعمانی، ۱۹۲۴ء
۱۱. اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں مغل امراء: اطہر علی، ۱۹۸۵ء

(ب)

۱۲. باغ معانی: نقش علی، تصحیح عابد رضا بیداری، خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ ۱۱۳۴ھ
۱۳. برہمن (چندر بھان) احوال و آثار چندر بھان برہمن و دیوان پارسی: مرتبہ محمد عبدالحمید فاروقی، ۱۹۶۷ء
۱۴. بزم تیموریہ: صباح الدین عبدالرحمٰن، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۳۶۷ھ، ۱۹۴۸ء
۱۵. بزم مملوکیہ: صباح الدین عبدالرحمٰن، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۷۴ء

(پ)

۱۶. پارسی سرایان کشمیر: دکتر گ ل تیکو، انتشارات انجمن ایران و ہند و تہران، ۱۳۴۲ھ

(ت)

۱۷. تاریخ اورنگ زیب: جدوناتھ سرکار، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، ۱۹۲۵-۱۹۵۲ء

۱۸. تاریخ بدایونی: بدایونی

۱۹. تاریخ شاہجہاں: سکندر اعجاز حسین، مطبع نولکشور لکھنو، ۱۹۰۵ء

۲۰. تاریخ فرشتہ: محمد قاسم فرشتہ، محمد فدا علی طالب، ۱۹۲۶ء، مطبع عثمانیہ حیدرآباد

۲۱. تاریخ فرشتہ: محمد قاسم فرشتہ، مطبع نولکشور، لکھنو، ۱۹۰۵ء

۲۲. تاریخ فیروز شاہی: ضیاء الدین برنی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۸۶۲ء

۲۳. تاریخ ہند: نواب علی قریشی، کتاب پریس، کانپور، ۱۹۵۴ء

۲۴. تاریخ ہندوستان: محمد ذکاء اللہ، مطبع شمس المطابع، دہلی، ۱۸۹۷ء

۲۵. تذکرہ بنظیر: تالیف سید عبدالوہاب افتخار، ترتیب و تصحیح منظور علی سینٹ ہاؤس، حیدرآباد، ۱۹۴۰ء

۲۶. تذکرہ حسینی: میر حسن دوست سنبھلی، مطبع نولکشور، لکھنو، ۱۱۶۳ھ

۲۷. تذکرہ دربار حیدرآبادی: رمن راج سکسینہ، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۸-۱۹۸۹ء

۲۸. تذکرہ شعرای پنجاب: خواجہ عبدالرشید، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

۲۹. تذکرہ شعرای کشمیر: اصلح میرزا، کراچی، ۱۹۶۸ء

۳۰. تذکرہ شعرای ہندی: میر حسن حیدری / تدوین و ترتیب ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیر، اردو پبلشر نظیر آباد، لکھنو ۱۱۸۰ھ، ۱۹۷۹ء

۳۱. تذکرۂ شعرای ہنود: دیبی پرساد بشاش، نولکشور پریس، کانپور، ۱۳۴۵ھ

۳۲. تذکرہ فارسی گو شعرای اردو: عبدالرؤف عروج، اکتوبر، ۱۹۷۱ء

۳۳. تذکرہ کلمات الشعراء: افضل سرخوش، مرتبہ صادق علی دلاوری، لاہور، ۱۹۴۲ء

۳۴. تذکرہ گل رعنا: لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی، ۱۱۸۱-۱۱۸۲ھ

۳۵. تزک جہانگیری: طبع سر سید احمد خان، مطبوعہ علی گڑھ، ۱۸۴۰ء

۳۶. تکملۃ الشعراء جام جمشید: مولوی قدرت اللہ شوق مصحفی امروہی بعد از ۱۱۹۹ھ

(چ)

۳۷. چمنستان شعراء (مقدمہ عبدالحق) تذکرہ اردو اورنگ آبادی المتخلص بہ شفیق وصاحب انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۸ء

۳۸. چندر بھان برہمن ہزلائف اینڈ ورک، رسالہ اسلامک کلچر، ۱۹۶۶ء مضمون نگار پروفیسر امیر حسن عابدی

(خ)

۳۹. خزانہ عامرہ: میر غلام علی آزاد بلگرامی، مطبع نولکشور کانپور، ۱۱۶۷-۱۸۷۱ء

۴۰. خلاصۃ التواریخ: منشی سجان رائے بھنڈاری، مطبع جی اینڈ سنس، دہلی، ۱۹۱۸ء

(د)

۴۱. دائرۃ المعارف اسلامیہ (ب ج م) دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۷۱ء

۴۲. دبستان مذاہب: مطبع نولکشور

۴۳. دیوان برہمن (قلمی): چندر بھان برہمن، رامپور رضا لائبریری، رامپور

۴۴. دیوان حیا (قلمی): شیورام داس حیا، رامپور رضا لائبریری، رامپور

۴۵. دیوان سالم (قلمی): سالم کشمیری، رامپور رضا لائبریری، رامپور

۴۶. دیوان مخلص (قلمی): آنند رام مخلص، رامپور رضا لائبریری، رامپور

(ر)

۴۷. روز روشن: محمد مظفر حسین صبا گوپاموی، ۹۶-۱۲۹۵ھ

(س)

۴۸. سری بھاگوت: امانت رائے امانت، مطبع نولکشور، لکھنو

۴۹. سفینۂ بیخبر: میر عظمت اللہ بے خبر، ۱۱۴۱ھ

۵۰. سفینۂ خوشگو: تذکرہ شعرای فارسی رتالیف بندرابن داس خوشگو، مرتبہ سید شاہ محمد عطاالرحمٰن کاکوی، ۱۱۴۷ھ

۵۱. سفینہ ہندی: بھگوان داس ہندی، مرتبہ سید شاہ محمد عطا الرحمٰن کاکوی، ادارہ تحقیقات عربی فارسی، پٹنہ بہار، ۱۲۱۹ھ

(ش)

۵۲. شام غریباں: شفیق اورنگ آبادی تذکرہ شعرای فارسی، مرتبہ محمد اکبرالدین صدیقی، کراچی انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۷ء

۵۳. شعرالعجم: شبلی نعمانی، مترجم سید محمد تقی گیلانی، مطبوعہ تہران، ۱۳۹۰ھ

۵۴. شمع انجمن: نواب سید صدیق حسن خان نواب، ۱۸۷۶ء، ۱۲۹۲ھ

(ص)

۵۵. صبح گلشن: نواب سید علی حسن خان سلیم نواب، ۹۵-۱۲۹۴ھ

۵۶. صحف ابراہیم: علی ابراہیم خان خلیل، ۱۲۰۵ھ

(ط)

۵۷. طبقات اکبری: نظام الدین احمد بخشی، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ، ۱۹۱۲ء

(ع)

۵۸. عقد ثریا: شیخ غلام علی ہمدانی مصحفی امروہی ۱۱۹۹ھ

۵۹. عمل صالح: محمد صالح کنبوہ، الموسوم شاہ جہاں نامہ مجلس ترقی ادب، ۱۹۵۸ء

(ف)

۶۰. فارسی ادب بعہد اورنگ زیب: انصاری نورالحسن

۶۱. فارسی اور ہندوستان: ڈاکٹر نذیر احمد، خدابخش لائبریری، پٹنہ، تالیف ۱۹۷۴ء، سنہ طبع ۱۹۷۶ء

(ق)

۶۲. قدیم ہندوستان کی سیکولر روایات: ڈاکٹر مجیب اشرف

۶۳. قند پارسی: مطبع نولکشور جولائی ۱۸۷۲ء

(ک)

۶۴. کلیات برہمن: مرتبہ رائے بھگونت رائے بہار سنامی، مطبع نولکشور

(گ)

۶۵. گلزار حال یا طلوع معرفت: ترجمہ فارسی پربود چندرا ودی ربکوشش ڈاکٹر تاراچند و ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی دانشگاہ اسلامی علی گڑھ، ۱۹۶۱ء

(م)

٦٦. ماثر عالمگیری: محمد ساقی مستعد خان، تصحیح جناب آغا احمد علی دام، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ بنگال، ۱۸۷۰ء
٦٧. مثنوی بیغم بیراگی قلمی نسخہ: پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۱۴۲ھ
٦٨. مثنوی شش وزن: ولی رام ولی، مطبع نولکشور، ۱۸٦۷ء
٦٩. مجمع النفائس: سراج الدین علی خان آرزو، ۱۰۹۹ھ
٧٠. محبوب الزمن: ابوتراب عبدالجبار خان، مطبع رحمانی حیدرآبادی، ۱۳۲۹ھ
٧١. مخزن الغرائب: شیخ احمد علی ہاشمی سندیلوی، جلد ۱
٧٢. مسلم ثقافت ہندوستان میں: سالک عبدالمجید
٧٣. مغل بادشاہوں کے عہد میں ہندوستان سے محبت و شیفتگی کے جذبات: صباح الدین عبدالرحمٰن
٧٤. مغل دربار: مبارک علی، ۱۹۸۸ء
٧٥. مغلوں کے ملک الشعراء: مبارک علی، ۱۹۸۸ء
٧٦. مغلیہ سلطنت کا عروج وزوال: ترپاٹھی، ۱۹۲٦ء
٧٧. منتخب التواریخ: بدایونی، جلد ۳

(ن)

٧٨. نتائج الافکار: مولانا قدرت اللہ گوپاموی، ۱۲۵٦ھ - ۱۲۵٧ھ
٧٩. نقش پارسی براحجار ہند، گردآوردہ اقل عباد علی اصغر حکمت، ایران سوسائٹی کلکتہ، ۱۳۳٦ھ، ۱۹۵٧ء
٨٠. نگارستان سخن: نسخہ سید نورالحسن صانہ اللہ، باہتمام مولوی عبدالمجید، نوری ۱۲۹۳ھ
٨١. نوابی عہد کے ہندوؤں کا فارسی ادب میں یوگدان: نریندر بہادر سریواستو، ۱۹٧۹ء

(ہ)

۸۲. ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے تمدنی جلوے: صباح الدین عبدالرحمٰن، مطبع دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۶۳ء

۸۳. ہندوستان میں مغلیہ حکومت: فہمی ۱۹۶۹ء

۸۴. ہند اسلامی تہذیب کا ارتقا، تہذیبی لین دین اور فنون لطیفہ: مرتبہ عمادالحسن آزاد فاروقی، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ

(ی)

۸۵. یادگار شعراء اسپرنگر: مترجم طفیل احمد، اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۵ء

۸۶. ید بیضا: میر غلام علی آزاد بلگرامی، ۱۱۴۵-۱۱۴۸

(رسائل)

۸۷. آج کل، دہلی، اپریل ۱۹۵۹ء

۸۸. اسلامک کلچر، اپریل ۱۹۴۵ء

۸۹. معارف دارالمصنفین اعظم گڑھ، مئی- جولائی ۱۹۴۲ء

۹۰. معاصر، پٹنہ، جنوری ۱۹۵۲ء

۹۱. ہلال، جلد-۱، شمارہ-۴، سال ۱۹۷۲ء

****

Hindu Farsi Shoara Mughal Ehad Mein

By:

Dr. ABIDA KHATOON

Distributor:
KUTUB KHANA HAMIDIA
342, Gali Garhiya, Bazar Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi-6
E-mail:kkhamidia@gmail.com